







بہارِ میں  
اردو زبان کا ادب ارتقا  
۱۸۵۷ء تک

— از —  
اختر اویسی





بہار میں

# اُردو زبان کا ادب ارتقا

۱۲۰۴ء تا ۱۸۵۷ء

مؤلف

سید اختر احمد اختر اور نیوی رام، اے

صدر شعبہ اُردو، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ

مارچ ۱۹۵۷ء

“THESIS APPROVED FOR THE DEGREE OF DOCTOR OF  
LITERATURE IN URDU OF THE PATNA UNIVERSITY, PATNA.”



کتابت سوز دانا پوری

# فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۸۰ تا ۸۱	مقدمہ	
۱۵ تا ۱۶	فلسفہ زبان و اقوام	۱
۳۶ تا ۳۷	اُردو زبان کے آغاز کا پس منظر	۲
۸۰ تا ۳۷	اُردو زبان کا ارتقا	۳
۱۷۸ تا ۱۷۹	باب اول، بہار میں اُردو زبان	
۱۲۰ تا ۱۲۱	تمہید	۴
۱۲۸ تا ۱۲۹	عہد عالمگیر میں ہسانی یکسانی	۵
۱۲۸ تا ۱۲۹	کھڑی بولی ریخت	۶
۱۵۷ تا ۱۵۸	قدیم اُردو اور صوفیائے کرام	۷
۱۷۸ تا ۱۷۹	انگریزی دور میں اُردو زبان	۸
۱۷۹ تا ۱۸۰	باب دوم، بہار میں اُردو ادب	
۱۷۹ تا ۱۸۰	تمہید	۹
۱۷۹ تا ۱۸۰	بہار میں اُردو شاعری	۱۰
۱۷۹ تا ۱۸۰	مرزا عجب القادر بیگلر	۱۱

# ب

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۲	سید عابد الدین عابد پھلواری	۲۰۲ تا ۲۰۳
۱۳	ملا محمد علیم تحقیق عظیم آبادی	۲۰۴ تا ۲۰۷
۱۴	قاضی عبدالغفار غفاری	۲۰۷ تا ۲۱۳
۱۵	غلام نقشبند سجاد	۲۱۳ تا ۲۲۲
۱۶	حضرت بی بی ولیہ	۲۲۲ تا ۲۲۳
۱۷	لالہ اجاگر چنڈا لہ	۲۲۴ تا ۲۲۶
۱۸	ہمارا بھرام نرائن موزوں	۲۲۷ تا ۲۳۵
۱۹	شاہ آیت اللہ جوہری و مذاقی	۲۳۵ تا ۲۶۸
۲۰	نور محمد دلدار	۲۶۸ تا ۲۷۰
۲۱	میر وارث علی نالان	۲۷۰ تا ۲۷۲
۲۲	غلام جیلانی محزون	۲۷۲ تا ۲۷۵
۲۳	شیخ غلام یحییٰ حضور	۲۷۵ تا ۲۷۹
۲۴	حبیب تلی خان حسرت	۲۷۹ تا ۲۸۱
۲۵	شاہ کمال علی کمال	۲۸۱ تا ۲۸۱
۲۶	شیخ محمد عابد دل	۲۸۱ تا ۲۸۳
۲۷	شیخ محمد روشن جوشش	۲۸۳ تا ۲۸۷
۲۸	میر محمد رضا، رضا	۲۸۷ تا ۲۸۸

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۲۸۸ تا ۲۹۰	مفتی غلام محروم ثروت	۲۹
۲۹۰ تا ۲۹۳	خواجہ امین الدین امین	۳۰
۲۹۲ تا ۳۰۰	شاہ نورالحق طبپاں پھلواروی	۳۱
۳۰۰ تا ۳۰۹	غلام علی راسخ	۳۲
۳۰۹ تا ۳۱۰	شاہ امان علی ترقی	۳۳
۳۱۰ تا ۳۱۶	شاہ ظہورالحق پھلواروی	۳۴
۳۱۶ تا ۳۱۹	شاہ ابوالحسن فرد	۳۵
۳۱۹ تا ۳۲۲	قادر علی نگار عظیم آبادی	۳۶
۳۲۲ تا ۳۲۸	ہمارے تذکرہ نگار شعراء	
۳۲۲ تا ۳۲۴	غلام حسین شورش	۳۷
۳۲۴ تا ۳۲۶	نواب علی ابراہیم خاں خلیل	۳۸
۳۲۶ تا ۳۲۸	وجیہ الدین عشقی	۳۹
۳۲۹ تا ۳۴۵	شعراے شاہجہاں آباد جو عظیم آباد میں آباد ہوئے	
۳۲۹ تا ۳۳۰	میر محمد باقر حزی	۴۰
۳۳۰ تا ۳۳۱	اشرف علی خاں فساں	۴۱
۳۳۱ تا ۳۳۲	میرضیاء الدین ضیا	۴۲
۳۳۲ تا ۳۳۶	شاہ رکن الدین عشق	۴۳
۳۳۶ تا ۳۳۸	مرزا محمد علی فیروسی	۴۴
۳۳۸ تا ۳۴۵	ہمارا جہ کلیان سنگھ عاشق	۴۵

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۳۴۷ تا ۳۴۸	بہار میں اردو نثر نگاری	
۳۵۳ تا ۳۵۴	حضرت عابد الدین قلندر پھلواری	۴۶
۳۵۶ تا ۳۵۷	حضرت ظہور الحق ظہور	۴۷
۳۶۱ تا ۳۶۲	حضرت محمد تقی، لجنی فردوسی	۴۸
۳۶۳ تا ۳۶۴	حضرت سید شاہ عطاء حسین منعی گیاروی	۴۹
۳۶۴ تا ۳۶۵	سید محمد اسحق عرف پیر دریا	۵۰
۳۶۷ تا ۳۶۸	عالم علی غنیم آبادی	۵۱
۳۶۹ تا ۳۷۰	مولوی شجاع الدین علی	۵۲
۳۷۱ تا ۳۷۲	مولوی محمد عالم علی	۵۳
۳۸۳ تا ۳۸۴	خیرری	۵۴
۳۸۴ تا ۳۸۵	مولانا محمد حسن گیلانی	۵۵
۳۸۵ تا ۳۸۶	مولانا ولایت علی زبیری صادق پوری	۵۶
۳۸۶ تا ۳۸۷	مولانا عنایت علی زبیری صادق پوری	۵۷
۳۸۸ تا ۳۸۹	مولانا فیاض علی	۵۸
۳۹۱ تا ۳۹۲	بہار میں اردو ادب کے عام میلانات	
۳۹۲ تا ۳۹۳	کتابیات	۵۹
۳۹۳ تا ۳۹۴	اشاریہ	۶۰

# تصویریں

نمبر شمار	تصویر	مقابل صفحہ
۱	حضرت یحییٰ میری رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ (منیر شریف)	۱۰۴
۲	حضرت مخدوم شرف الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ (بہار شریف)	۱۰۴
۳	شیر شاہ کا مقبرہ (سسرام)	۱۰۵
۴	شاہ دولت رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ (منیر شریف)	۱۰۵
۵	شاہ نافع رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ (مونگیر) ۱۳۹۷ھ -	۱۱۰
۶	مولانا شہباز رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ (بھاگلپور) ۱۰۵۶ھ	۱۱۰
۷	کھرپگور (نزد مونگیر) کی ایک مسجد - عبداللگیر	۱۱۱
۸	حسن خاں سوری کا مقبرہ (سسرام) ۱۵۳۵ھ	۱۱۱
۹	حضرت آیت اللہ جوہری پھلواروی کی شبیہ	۲۳۵

نوٹ :- میں نے تمام تصویروں کے لئے پبلک ریشن ڈپارٹمنٹ حکومت بہار کا ممنون ہوں جس

سے مجھے ان کے بلاک ملے۔ حضرت آیت اللہ کی تصویر مجھے جناب فیض الدین علی کے ذریعہ دستیاب

ہوئی۔ اصلی قلمی تصویر جس پر حضرت جوہری کا نام بھی لکھا ہوا ہے۔ بڑی خانقاہ پھلواروی شریف میں

موجود ہے۔ "اوریوی"





بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## مقدمہ

# فلسفہ زبان و اقوام

”اصل وطن مادری زبان کی حدود میں ہوتا ہے“ ”زبان سے زیادہ کوئی چیز قومی سیرت اور قوم کی ذہنی و روحانی طاقت کی منظر نہیں ہوتی“ مغرب و مشرق کے علماء نے اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ زبان انفرادی ایجاد کا نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ سماجی تغیرات لسانی ارتقاء کا باعث ہوتے ہیں۔ زبان کی فطری نشو و نما کے ساتھ ساتھ سماجی قماش کے مطابق بھی اس کی تشکیل و تعمیر ہوتی ہے۔ یوں تو مندرجہ بالا خیالات نہایت دلکش معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان سے قومی پندار و عصبیت کی تسکین بھی ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ

اس طرز کے خیالات محض مَن مانی باتوں کی بنیاد پر قائم ہیں۔ دُنیا کی موجودہ زبانوں میں ایک بھی تو ایسی نہیں جو اکیلی ایک قوم کی آغوش میں پلّی ہو۔ زبان کی پیدائش کے متعلق مختلف نظریے پیش کئے جاتے ہیں۔ زبان کیا ہے؟ زبان خیالات کا ذریعہ اظہار ہے۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور اس کی مزید تفصیل یوں کرتے ہیں۔

”پس زبان کی واضح تعریف ان الفاظ میں کی جاسکتی ہے کہ زبان انسانی خیالات اور احساسات کی پیداکر ہوئی ان تمام عضوی اور جسمانی حرکتوں اور اشاروں کا نام ہے جن میں زیادہ تر قوت گویائی شامل ہے۔ اور جن کو ایک دوسرا انسان سمجھ سکتا ہے اور جس وقت چاہے اپنے ارادہ سے دہرا سکتا ہے“

سید احتشام حسین، ہندستانی لسانیات کا خاکہ، ازجان بیمر کا ترجمہ پیش کرتے ہوئے مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں۔

”یہ بتانا تو بہت مشکل ہے کہ زبان کسے کہتے ہیں لیکن سمجھنے کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ زبان آوازوں کے ایک ایسے مجموعے کا نام ہے جسے انسان اپنا خیال دوسروں پر ظاہر کرنے کے لئے اراداً نکالتا ہے اور ان آوازوں

کے معنی معین کر لئے گئے ہیں تاکہ کہنے اور سُنے والے کے یہاں تقریباً ایک ہی جذبہ پیدا ہو۔ الفاظِ ان ذہنی تصویروں کی ملفوظی علامتیں ہیں جنہیں ہم دوسروں کے ذہن تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس طرح زبان ایک بڑا پیچیدہ موضوع بن جاتی ہے کیونکہ کہنے والا ایک مکانکی اور جسمانی ذریعہ سے سُنے والے کے دماغ میں ایک نفسیاتی کیفیت بیدار کرتا ہے اور زبان ’حلق‘، ’دانت‘، ’ہونٹ‘ اور ’پھیپھڑے‘ کے مرکب اور پیچ در پیچ عمل سے دماغ کے وہ حصے تقریباً یکساں طور پر اثر پذیر ہوتے ہیں۔ جن میں خیال پیدا ہوتے ہیں۔ اور جو آوازوں سے بنی ہوئی ملفوظی تصویروں کے معنی جانتے ہیں۔“

زبان کی تعریف معلوم کر لینے کے بعد زبان کی پیدائش کے متعلق دو اہم نظریوں سے واقفیت ضروری ہے۔ ایک نظریہ ہے کہ زبان الہاماً پیدا کی گئی۔ اردو میں اس خیال کی ترجمانی احمد دین نے اپنی کتاب ”سرگزشت الفاظ“ میں کی ہے۔ اس نظریہ کی دوسری شکل یہ ہے کہ زبان براہِ راست وِدیعتِ فطرت ہے جس میں ارادہ کو کوئی دخل نہیں۔ دوسرا نظریہ جو یہی نظریہ کے مخالف ہے اس امر کو پیش کرتا ہے کہ زبان کی پیدائش ارتقائی طور پر ہوئی ہے اور زبان انسانوں ہی نے پیدا کی۔ اس کی سماجی ضروریات نے اُسے اظہارِ خیال پر مجبور کیا اور اس کی

ترقی یافتہ جسمانی اور دماغی ساخت نے اُسے اظہارِ خیال کے وہ ذرائع دیئے جن تک جانوروں کی رسائی نہ تھی۔“ غرض یہ کہ اس نظریہ کے مطابق زبان کی پیدائش کا مسئلہ ارتقائی اور ارادی ہے۔ مابعد الطبیعیاتی نہیں۔ یہ کسی نظریہ میں بتاتا ہے کہ بچہ ماں کے پیٹ سے زبان سیکھ کر پیدا نہیں ہوتا بلکہ اپنے ماحول سے زبان سیکھتا ہے۔ اسی طرح ابتدائی انسانوں نے زبان سیکھی ہوگی۔ لیکن چونکہ نمونہ موجود نہ ہوگا، زبان کے ارتقار میں صدیاں لگ گئی ہوں گی۔

اگر سنجیدہ طور پر مذکورہ بالا مخالفت نظریوں کے درمیان محاکمہ کیا جائے تو حقیقت تک رسائی ہو سکتی ہے۔ بائبل کے باب پیدائش سے متاثر ہو کر عیسائی علماء کلیسا نے خلقِ عالم و آدم کے بارے میں جو نظریہ قائم کیا ہے وہی آغازِ زبان کے الہامی نظریہ کی تہہ میں ہے۔ یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا کو مٹی سے پیدا کرنے کے بعد انہیں الہاماً زبان سکھا دی اور وہ گفتگو کرنے لگے۔ ویدوں میں بھی سنسار اور مانو کے رچے جلنے کا نقشہ کچھ اسی طرز سے پیش ہوا ہے اور برہمن پنڈتوں کا لسانی نظریہ بھی یہی بتاتا ہے کہ ویدوں کی زبان دیو بھاشا ہے جو آکاش وانی کے ذریعہ وید رشیوں کو سکھائی گئی۔ اور قوموں کے اکثر علمائے دین بھی اسرائیلیات یا ہندو صنمیات سے متاثر ہو کر پیدائشِ عالم کا صحیح تصور قائم نہ کر سکے۔ دوسری طرف جدید مادی فلسفوں نے کائنات کے مرکز، اس کی روح اعلیٰ،

اس کے مبدا اور خالق سے مُنہ موڑا اور ارتقائے تمدن کی ہر شے کو محض انسانی ارادہ سے وابستہ کر دیا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خود اس عظیم مادّی کائنات کا ارتقا کس کے ارادے سے ہوا؟ حیات کس کے ارادے سے پیدا ہوئی؟ انسان کس کے ارادے سے وجود میں آیا؟ مادّیین کے لئے خدا کا ابدی و ازلی، قدیر و حکیم ماننا تو دو بھر ہوا۔ لیکن، آخرش، وہ مادّہ کو ہی ازلی و ابدی فعال صاحب ارادہ، قادر مطلق اور حکیم و بصیر ماننے پر مجبور ہوئے۔ یہ سب کچھ ہوا، مگر سائنس نے اپنے بنائے ہوئے بُت خود توڑنے شروع کر دیئے۔ بیسویں صدی عیسوی کی سائنس نے حرفِ آغاز کے لئے مادّے کی بجائے قوّت (ENERGY) کا سراغ لگایا۔ جینر جنینر، آئنسٹائن اور دوسرے ماہرینِ طبیعیات کے نزدیک پہلے قوّت و توانائی مُنترہ ہے، بعد میں مادّہ کا وجود ہوتا ہے۔ مادّہ کو اب وہ اولیت و اہمیت حاصل نہیں رہی۔ مادّہ فنا بھی کیا جا سکتا ہے۔ جو ہری توانائی کے راز دریافت ہو جانے کے بعد نورِ الانوار کی طرف سائنس کی تشنہ نگاہیں بھی اُٹھنے لگی ہیں۔

بہر کیف جیسے علمائے مذاہب کے ایک بڑے گروہ نے پیدائش عالم و آدم کے بارے میں صحیح تصوّر قائم نہیں کیا، اسی طرح سائنس دانوں کی ایک جماعت بھی گمراہ رہی۔ لیکن حقیقت آشنائی سے دین و دانش دونوں کُلی طور پر محروم نہیں۔ سائنس نفسِ انسانی و افتاد کے بعد حق و صداقت کی منزل کی طرف قدم بڑھا رہی ہے اور مذاہب کے راہِ ہائے سرِ بُتہ بھی اب کھلتے

جا رہے ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ پیدائش زبان کی اصلیت وہی بھی ہے اور کبھی بھی - الہامی بھی اور ارتقائی بھی - جیسے خود آدم کا وجود اور اس کی ساری نمدنی ترقیاں - علامہ اقبال کہتے ہیں کہ وہ دَٰدَم صَدَّائے کُن فیکون مُسْتَنْتے ہیں - خدائے تعالیٰ 'کُن' کہتا ہے اور اس کی مشیت اور قدرت، تدریجی طور پر 'فیکون' کے تحت ظاہر ہوتی رہتی ہے - ایک اور صاحب تجربہ بزرگ یوں فرماتے ہیں :-  
 ”غرض اس آیت کا صرف یہ مطلب ہے کہ جب ہم چاہتے ہیں کہ کوئی امر ہو جائے - تو ہم اس قسم کی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں اور جس طرح ہم ارادہ کرتے ہیں، اسی طرح واقع ہو جاتا ہے“

دوسرے مقام پر آپ تحریر کرتے ہیں :-

”يُذَكِّرُ الْاَمْرَ کہ کر یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت جو

۱۔ یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید + کہ آ رہی ہے دَٰدَم صَدَّائے کُن فیکون - بال جبریل صلا

۲۔ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَا اَرَوْنَاهُ اَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ - سورۃ نحلہ کی تفسیر

از حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد - تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۶۶

۳۔ تفسیر کبیر ص ۱۹ زیر آیت اِنَّ رَّبَّكُمْ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلٰی الْعَرْشِ يَذَكِّرُ الْاَمْرَ

سورۃ یونس ع ۱

کُن فیکون کے الفاظ آتے ہیں، یعنی وہ کہتا ہے 'ہو جا' پس ہو جاتا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ اپنے حکموں کو فوراً پورا کرواتا ہے، وقت کی حد بندی نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے احکام بھی تدبیر پر مشتمل ہوتے ہیں۔ یعنی باریک اور مخفی تدابیر سے کام لے کر وہ نتائج پیدا کرتا ہے۔ اور تدبیر کے معنی ہی یہ ہیں کہ اسباب میں ایسا تغیر کیا جائے کہ طبعی نتائج منشا کے مطابق پیدا ہو جائیں۔

مندرجہ بالا گذارشات کے پیش نظر یہ کہنا صحیح ہو گا کہ انسان میں زبان سے کام لینے کی استعداد اس کی خاص فطرت کی طرح یقیناً ایک ودیعت الہی ہے۔ مگر زبان اس حد تک انسان کی اپنی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ وہ اس خدا داد قابلیت کو اپنی فطرت اور عضوی خصوصیات کی مدد سے ظاہر کرتا ہے۔ زبانوں کی تشکیل اور ارتقا براہ راست انسانی خیالات کی تشکیل اور ارتقا پر منحصر ہے۔ " عجیب بات ہے کہ مادی نظریہ کے علمبردار احتشام حسین بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ زبان کی پیدائش میں "ابتداءً قصد اور ارادے کو بہت زیادہ دخل نہیں تھا۔"

آغاز کلام میں یہ بات پیش کی جا چکی ہے کہ دنیا کی موجودہ زبانوں میں



کوئی ایسی زبان نہیں جس کی پیدائش کسی ایک نسلِ انسانی کے بطن سے ہوئی ہو، یا وہ کسی ایک قوم کی گود میں پئی ہو۔ گو اس کا قومی امکان پایا جاتا ہے کہ ماضی بعید میں خالص بولیاں گوشہ گیر انسانی ٹوٹیوں اور دُور افتادہ قبیلوں میں رائج رہی ہوں۔ لیکن وہ دُور کب کا بیت چکا اور اب اس کی دُھندلی سی جھلک بھی تاریخ کی قدامت کے پردوں کے پیچھے مٹی مُشکل ہے۔ قدیم ترین انسانی بولیاں آوازوں کے تعین کی ابتدائی صورتیں ہوں گی۔ اُن آوازوں میں نہ تو کثرت و وسعت پیدا ہوئی ہوگی اور نہ ترکیبی کیفیت۔ رُفہ رُفہ صدیوں میں زبان کا ارتقا ہوا ہوگا۔ ابتدائی انسانوں کی زندگی کے تجربات خود لانے گئے تھے۔ تجربات میں ترقی ہوتی گئی انسان اور فطرت کے درمیان نئے رشتے قائم ہوتے رہے۔ انسان فطرت کو اپنے قابو میں لانے کی کوشش کرتا رہا۔ یہی انسانوں اور جانوروں کے درمیان نمایاں فرق تھا۔ انسان کو تدریجی طور پر اشیاء کا علم حاصل ہوا اور اس علم میں نیز اشیاء کے درمیان روابط و تعلقات کی واقفیت میں اضافہ ہوتے رہے۔ انسان نے اشیاء، اعمال خاصیتوں اور کیفیتوں کو نام دے کر اپنے علم کو مُستقل، مفید اور دوسروں تک منتقل ہونے والا بنانا چاہا۔ اس طرح زبان کے فطری نشوونما کے ساتھ ساتھ انسان کی ضرورتوں اور اس کے خیالات نے بیان و زبان کی تہذیبی تشکیل کی۔

کسی زبان کے خالص یا مخصوص طور پر قومی ہونے کا تصور ہی تہہ دار

فہمیوں کا پیدا کیا ہوا ہے۔ زبان کی انفرادیت تو اُسی وقت گم ہو جاتی ہے جب ایک انسانی ٹولی دوسری ٹولی سے ملتی ہے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے رسم و رواج قائم کرتا ہے اور ایک نسل کے لوگ دوسری نسل کے لوگوں سے ملنے جلنے لگتے ہیں۔ یہ تعلقات نوع انسانی کے آغاز سے ہی پیدا ہونے لگتے ہیں۔ ایک ٹولی دوسری ٹولی سے اثر پذیر ہوتی ہے۔ ایک تہذیب دوسری تہذیب سے اثر قبول کرتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کوئی زبان بھی صرف ایک قوم کے گہوارہ تہذیب میں پرورش نہیں پاتی بلکہ کسی قوم میں مل کر اُس کی پرداخت کرتی ہیں۔ ہر زبان ایک زندہ تنظیم اُسی وقت تک رہتی ہے جب تک اُس کے اندر تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ زبان کو ایک زندہ وجود کی طرح تازہ غذا کی ضرورت ہوتی رہتی ہے۔ نئے تجربات، نئی چیزیں، جدید خیالات و تصورات، خواہ وہ سماجی ہوں یا سیاسی یا اقتصادی و مذہبی، نئے اسلوب اظہار اور نئے لفظوں کی پیدائش کا سبب بنتے ہیں۔ زبان کے نئے عناصر کا بیشتر حصہ اُس کے صوتی سانچے میں ایسا ڈھل جاتا ہے کہ اُن عناصر کی اصل تک پہنچنا مشکل ہوتا ہے۔ ہر زبان میں ایسے لفظوں کی بکثرت مثالیں مل جاتی ہیں۔

انسان کی سماجی زندگی میں جب کوئی نئی جلوہ گری ہوتی ہے تو ایسی نئی لفظی قماشیں اور ہیئتیں بنتی ہیں جو پہلی نسلوں کے لئے ناقابل فہم تھیں کیونکہ اُن پیڑھیوں کی سماجی اور ذہنی بنیادیں نئے لسانی ڈھانچوں

کے مناسب حال ہی نہ تھیں۔ لہذا نئی ضروری تبدیلیوں کی عمارت کو پرانی بنیاد پر اٹھانا غلط اور بے اثر طریقہ ہے۔

مختلف راستوں سے تبدیلیاں آتی ہیں، طرح طرح سے زبان ترقی کرتی رہتی ہے۔ اور ایک عرصہ کے بعد زبانیں اس طور سے بدل جاتی ہیں کہ قدیم و جدید کے درمیان بہت کم مشابہت رہ جاتی ہے۔ ان کمزور مشابہتوں کو صرف علمائے انکشاف و تحقیقات ہی پہچان سکتے ہیں، اور بس۔ زبان کا آنا ز وارتقا کبھی بھی قومی اصولوں یا تقاضوں کے مطابق نہیں ہوتا۔

ہر تحریری زبان کا آغاز کسی بولی (DIALECT) سے ہوا ہے۔ ابتدائی بولیاں خود ایک دوسرے پر اثر ڈالتی رہتی ہیں اور ان میں سے کوئی بولی جو مقابلہ کسی ترقی یافتہ علاقہ سے تعلق رکھتی ہے، آگے بڑھ جاتی ہے اور زبان بننے کی طرف قدم بڑھاتی ہے۔ اس مجموعہ کے دور میں وہ دوسری بولیوں سے لفظ اور ترکیبیں حاصل کر کے اپنے حلقہ اثر کو بڑھاتی چلی جاتی ہے۔ جیسے جیسے وہ تحریری اور ادبی زبان بنتی جاتی ہے اس کا اختلاف بول چال کی زبان سے نمایاں ہوتا جاتا ہے۔ مگر ابھی تک کوئی ایسا ماہر لسانیات پیدا نہیں ہوا جو بولی اور زبان کے درمیان واضح اور مستقل خط فاصل کھینچ سکے۔

پھر یہ ترقی کرنے اور پھیلنے والی بولی (DIALECT) زبان (LANGUAGE) بننے کے پہلے اور بعد دوسری زبانوں سے سرمایہ الفاظ و ترکیب حاصل کرتی ہے۔ اس کی لغت اور قواعد سے بھی

اثر قبول کرتی اور اپنا دامن بھرتی ہے۔ زبان ہر دور اور ہر ملک میں نئی سے نئی  
چال چلتی اور پُرپُچ راہیں بدلتی ہے۔ لسانیات کے طالب العلم کے سامنے  
عجیب، عجیب لسانی گتھیاں آتی رہتی ہیں۔ بعض تو اب تک عہدہ لائیل بنی  
ہوئی ہیں۔

نوع بشر ایک مخصوص نوع ہے جو کامل طور پر ناطق ہے۔ جدید لسانیات  
اور عمرانیات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ نوع انسان کی مختلف ٹولیوں نے سماجی اور  
تہذیبی ترقیاں بڑے مشابہ رنگ میں کی ہیں۔ اُن میں بڑی یگانگت پائی جاتی  
ہے۔ نئے انکشافات پُرانے سے پُرانے انسانی کلچروں کو ہمارے سامنے لا رہے  
ہیں۔ نیا کلچر پرانے کلچر سے فیضیاب ہوتا ہے اور عموماً ہر کلچر ایک آمیزہ یا مرکب  
ہوتا ہے، جو کئی کلچروں سے مل کر بنتا ہے۔ خالص کلچر کا اس بھری دُنیا میں کوئی  
وجود نہیں۔ تمام انسانوں کا جو ہر اور ان کی عالمگیر خصوصیات بنیادی طور پر ایک  
ہیں۔ نوع بشر کا روحانی اور ذہنی عطر بھی ایک رنگ میں کشید ہوتا ہے۔ اور ان  
عطروں میں بڑی مشابہت و مماثلت پائی جاتی ہے۔

دُنیا کی مختلف قوموں اور نسلوں میں ایک ہی فطرت انسانی کام کرتی ہوئی  
معلوم ہوتی ہے۔ اقوام و ملل کی انفرادی خصوصیتوں کے باوجود اُن کی انسانی  
قدر مشترک ایک ہے، ایک تھی اور قرینہ غالب ہے کہ ایک رہے گی۔ دراصل  
نوع انسان اجتماعی طور پر ایک حیاتی اکائی ہے۔ نسل و رنگ کی تقسیم ذیلی یا مصنوعی  
ہے۔ علم الحیات نئے انتہا پسندانہ نسلی نظریوں یا پُرانے نسلی توہمات کا بطلان کرتا ہے

ہٹلر کا آریائی نسلِ خالص کا خط، برہمنی نسل کی آسمانی تقدیس کا کبیر اسرائیلی اُمت کی برتری کا پندار اور عرب و عجم کی جاہلانہ تفریق بالکل باطل ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ نوعِ بشر کا آغاز کس طرح ہوا۔ یہ بڑا پیچیدہ مسئلہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمارے پاس اتنے شواہد موجود نہیں کہ ہم نوعِ انسان کے آغاز ارتقا و توسیع کی پیچ در پیچ منزلوں کا صاف اور واضح نقشہ پیش کر سکیں۔ صرف چند اصولی باتیں بیان کی جاسکتی ہیں اور ایک دھندلا سا خاکہ پیش کیا جاسکتا ہے اور بس۔ مگر اس خاکہ کی پیشکش میں بھی اہل نظر و خبر کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

زبان اور نسل کے متوازی ہونے سے زیادہ باطل تصور قوم (جدید معنوں

میں) اور زبان کے ایک ہونے کا خیال ہے۔ کثرت سے ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ

زبانوں کی سرحدیں قومی سرحدوں سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ یہ اتنی عام بات

ہے کہ عصرِ حاضر کی قومی ریاستوں کے درمیان آئے دن زبان کی بنا پر سرحدیں

جھگڑے اُٹھتے رہتے ہیں۔ دوسری طرف ایک ہی ریاست کے اندر کئی کئی

مختلف الاصل زبانیں یا بہت حد تک علیحدہ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ لہذا یہ

سچائی اتنی صاف اور روشن ہے کہ زبان قومی خصوصیات میں داخل نہیں۔ آج

کی دُنیا میں اتحاد کی بُنیادوں کے لئے نئے حکمتی تصورات قائم ہوتے جاتے

ہیں۔

مختلف زبانوں کی ابتدا اور تشکیل ماضی کی ناقابلِ عیور تاریکی میں اس

طرح ڈھکی چھپی ہوئی ہے کہ ہمیں بہت ہی سنبھل سنبھل کر راہِ تحقیق پر چلنا چاہیے ہم زیادہ سے زیادہ فرضیوں (HYPOTHESIS) ہی کے سہارے چل سکتے ہیں اور یہ فرضیے بھی کتنے غیر یقینی ہوتے ہیں۔ فرضیہ کا نظریہ (THEORY) بننا بھی بڑی کدو کاوش کے بعد ہوتا ہے۔ اور لسانیات کی دنیا میں نظریوں سے آگے قانون، آئین اور اٹل اصول کی منزل کی طرف بڑھنا اور سر منزل پہنچ پانا جوئے شیر لانے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ پرانے فرضیے اور نظریے نئی تحقیقات کے بعد ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہے ہیں۔ لیکن میرے خیال میں نئے فرضیوں اور نظریوں پر بھی اعتماد کامل نہیں ہو سکتا۔

یہ نظریہ کہ ہر زبان کسی ایک مخصوص نسل یا خاص قوم کی تخلیقِ اختراعی ہے یا صرف اُسی کی آغوش کی پروردہ ہے، محض بے بنیاد ہے۔ اور اس کا شمار بھی اُن اگنت خود فریبیوں میں ہے۔ جن میں نسلی نظریہ باز اور تنگ نظر قوم پرست مُبتلا ہیں اور دوسروں کو مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس عالمِ نیرنگ میں نہ تو خالص نسلوں اور قوموں کا کوئی وجود ہے، نہ خالص کلچر کا اور نہ خالص زبان کا۔ نسل، قوم، کلچر اور زبان یہ سب ہمیشہ سیال حالت میں ہیں، نفع، اور رہیں گے۔ ان میں ہر آن میل جول، خلطِ ملط، لین دین ہوتا رہتا ہے۔ نسلیات و انواع کا ماہر فریڈریش ہرٹز، اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ نسلی خصوصیات غیر متبدل اور مقدس ہرگز نہیں۔ فطری اور تہذیبی ماحول کے بدلنے سے نسلی و قومی خصوصیات بدل جاتی ہیں۔

۱۔ ملاحظہ ہو فریڈریش ہرٹز کی کتاب ”لیسن اینڈ کلچر“۔

اور پھر اس تبدیلی کا اثر کچھر کی ہر شاخ پر پڑتا ہے۔ انواع انسانی کا محقق آبنووسکی کہتا ہے کہ ”انواع انسانی کے ٹاپیوں کا غیر تبدیل ہونا بس ایک کہانی ہے“  
 پرافسر جے۔ رچ بلر یونیورسٹی آف ٹکساز (امریکہ) نے روٹنجن شعاعوں سے قانونِ توارث کے متعلق بصیرت افروز سائنسی تجربے کئے ہیں۔ ان تجربوں نے توارث کے نظریوں میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔ لہذا ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ”شدھ بھاشاؤں“ دونوں اور تہذیبوں کے تصور کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہے کہ :

”اس خیال است و محال است و جنوں“

”مقدس نسلوں، تہذیبوں اور زبانوں کا نہ تو کوئی حقیقی وجود کبھی رہا ہے۔ اور نہ آج کسی زبان، نسل یا قوم کی اُزلی و ابدی برتری و فوقیت کی کوئی کمزور سے کمزور سائنسی وجہ موجود ہے۔“

دُنیا میں جو زبانیں مروج ہیں۔ اُن کی گروہ بندی عموماً دو اصول کے ماتحت کی جاتی ہے اور تمام عالمی زبانوں کو پہلے اصل کے مطابق دو بڑے گروہوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ گروہ بندی کا پہلا اصل زبانوں کی لفظی اور صرفی خصوصیات کا جائزہ لیتا ہے۔ پہلا لسانی گروہ یک لفظی زبانوں کا ہے، جن کے اساسی الفاظ میں اشتقاق نہیں ہوتا۔ یعنی مادے کے ارد گرد شکلی تبدیلیوں سے معنی میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ سب کے سب الفاظ عام طور سے آزاد ہونے ہیں۔ اور ان میں سلبقے اور لائحے نہیں ہوتے۔ اس گروہ کی زبانوں میں چینی، برما، ہندوستانی، ملایا وغیرہ کی زبانیں شامل ہیں۔

۱۔ و ۲۔ سلبقے اور لائحے کی تفصیلی بحث کے لئے پروفیسر وحید الدین سلیم کی بیش قیمت کتاب ’وضع اصطلاحات‘

دوسرے گروہ میں دُنیا کی باقی ماندہ زبانیں شامل ہیں۔ اُن میں اشتقاق ہوتا ہے  
یعنی الفاظ اپنی شکلیں اور مفہوم بدلتے رہتے ہیں۔ سابقے اور لاحقے بھی لفظوں کے آگے  
پیچھے جڑ کر معنی میں طرح طرح کے گوشے اور زاوے پُ پیدا کرتے ہیں۔ ایک لفظ  
اصل یا مصدر ہوتا ہے۔ اور اسی جڑ سے بہت سی لفظی شاخیں پھوٹتی ہیں اور  
لفظوں کا مرکب و سلسلہ چلتا ہے۔ مثلاً عربی، عبرانی، سنسکرت، لاطینی، جرمن،  
انگریزی، اُردو، ہندی، فارسی وغیرہ زبانیں۔

دوسری قسم کی گروہ ہندی نسلی اور تاریخی یگانگت کی بنا پر ہوتی ہے  
ان تعلقاتِ نسلی و تاریخی کے اعتبار سے کُل زبانوں کو آٹھ بڑے بڑے  
خاندانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ہر خاندان کی زبان میں اشتراک پایا  
جاتا ہے۔ آٹھ بڑے نسائی خاندان حسب ذیل ہیں :-

- (۱) سامی، ۲۔ ہندی یورپی، ۳۔ ڈراویدی، ۴۔ ہند چینی، ۵۔ ملائی،
- ۶۔ افریقی (بانتو)، ۷۔ امریکی (سُرخ ہندی)، ۸۔ مونڑا (آدی بادی)۔



## اردو زبان کے آغاز کا پس منظر

اردو زبان کو پرافسر وحید الدین سلیم نے آریائی زبان قرار دیا ہے اور اسے ”ہندو لمانی“ تہذیب یعنی ہندو مسلمانوں کے متحدہ تمدن کی پیداوار بتایا ہے۔ دوسرے ماہرین لسانیات بھی اسے آریائی بھاشا ہی قرار دیتے ہیں۔ لیکن اگر اردو زبان کے آغاز کا پس منظر دیکھا جائے اور اس کی تخلیق کے عناصر ترکیبی پر غور کیا جائے تو پھر اسے شدہ آریائی زبان کہنے میں احتیاط کرنی پڑے گی۔ اردو، ”ہندو لمانی“ تہذیب کی پیداوار ضرور ہے۔ لیکن ہندو تہذیب خالص آریائی تہذیب کا نام نہیں۔ ہندو قوم بھی نسلی اعتبار سے ملی جلی کول آسٹریک، ڈراو، تبتی چینی آریائی قوم ہے۔ مسلم تہذیب بھی کسی ایک قومی تمدن سے وابستہ نہیں، ملت اسلامیہ ایک سنی مگر نسلی لحاظ سے یہ عرب، ایرانی، ترکی، مغل، بربر، حبشی، سلاخی، چینی وغیرہ قوموں پر مشتمل ہے۔ لہذا ہندو لمانی تہذیب کی نمائندہ زبانوں

میں مختلف لسانی عناصر پائے جاتے ہیں۔ اور جب تک اُن عناصر ترکیبی کا صحیح نقشہ پیش نہ کیا جائے حقیقت مکمل طور پر سامنے نہیں آتی۔

ہند آریائی تہذیب اور زبان کے غیر آریائی پس منظر کے متعلق سویتی کمار چٹرجی یوں رقم طراز ہیں:-

”ہندوستانی تہذیب کی تعمیر کا فخر صرف آریہ قوم کو ہی اکیلے حاصل نہیں‘

بلکہ ہندوستان کے غیر آریہ بھی اس کے حصّہ دار ہیں اور بنیادیں قائم

کرنے میں تو اُن کا زیادہ بڑا حصّہ ہے۔“

باہر سے آنے والے آریائی قبیلے تو خانہ بدوش وحشی تھے۔ اُن میں بربریت تھی۔ اُن کے مقابلہ میں ہندوستان کے ڈراوری لوگ بہت ہی مذہب، شستہ و شائستہ اور تمدّن تھے۔ اُن کے بڑے بڑے شہر آباد تھے اور اُن کی سنسکرتی دس بھر میں پھیلی ہوتی تھی۔

سندھ اور پنجاب کی ڈراوری تہذیب اُس زمانہ سے تعلق رکھتی ہے جن کے متعلق تاریخی مواد بہت کم ملتا ہے۔ لیکن نئی کھدائیوں سے بہت سی باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ اس تہذیب میں پڑھنے لکھنے کا فن عام اور ترقی یافتہ حالت میں تھا۔ ابھی تک تشفی بخش طور پر سندھ پنجاب تمدّن کی رسم تحریر کو پڑھا نہیں جاسکا ہے۔ یہ رسم تحریر

۱۔ ”انڈو ایرین اینڈ ہندی“ ص ۳۱

۲۔ ”انڈو ایرین اینڈ ہندی“ ص ۳۱۔ اور ”وولگا سے گنگا تک“ از راہولی سنکرتیان۔

۳۔ ”مہنڈو دارو“ از سر جان مارشل ۱۹۲۷ء اور ”ہڑپا“ از شری مادھو سروپ والٹس +

نیسقی رسم تحریر کے ماقبل علی اور جزیرہ کریم و قبرص کی رسوم تحریر سے مشابہت رکھتی ہے۔

سنہ ۱۳۳۵ ق م کے موزیہ براسی رسم الخط کے قدیم نمونوں سے بھی

۱۔ 'عرب و ہند کے تعلقات' از علامہ سلیمان ندوی ص ۸

”یہ سب کو معلوم ہے کہ ہندوستان کی تمام تحریریں، بلکہ تمام آریہ تحریریں بائیں طرف سے لکھی جاتی ہیں لیکن اس آریہ ورت کی ابتدائی تحریریں حیرت سے سنا جائے گا کہ سامی طرز تحریر کی طرح داہنی طرف سے شروع ہوتی تھیں“ ص ۱۰، ۱۱۔ پریوں درج ہے۔

”انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (طبع ۱۱) کے مضمون سنسکرت کا لکھنے والا یہاں کی ابتدائی تحریر کی تاریخ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

’ہندوستانی حروف کی ابتداء کا مسئلہ ابھی شکوک سے گھرا ہوا ہے۔ ہندوستانی تحریر کے قدیم ترین نمونے وہ کتبات ہیں جو چٹافوں پر کندہ ہیں۔ یہ پالی زبان (وہ پر اکرت جو جنونی بودھ مذہبی تحریروں کے لئے استعمال کی جاتی تھی) کے وہ مذہبی احکام ہیں جن کو سنہ ۱-۲۵۳ ق م میں موریہ خاندان کے شہنشاہ اشوک نے کندہ کرایا تھا۔ اور یہ شمالی ہند، شمالی مغربی سرحد، پشاور کے مضافات، اور گجرات میں گرنار سے لے کر مشرقی ساحل پر، کلک کے ضلع میں جو گادہ اور دھوکی تک پھیلے ہوئے ہیں، انتہائے مغرب کے وہ کتبات جو کپور دگلڈھی یا شمبرا زگلڈھی اور منصورہ کے قرب و جوار میں ہیں۔ دوسرے کتبات کے حروف تہجی سے بالکل جدا گانہ حروف میں لکھے گئے ہیں۔ وہ داہنی جانب سے بائیں جانب پڑھے جاتے ہیں۔ ان کو عموماً ”آریہ پالی“ کہا جاتا ہے۔ رہے دوسرے حروف جو بائیں جانب سے داہنی جانب پڑھے جاتے ہیں ”ہندی پالی“ حروف کہلاتے ہیں۔ مقدم الذکر جن کو (باقی صوایر)

ہنودارو۔ ہڑپا کی لپی کو کچھ مشابہت حاصل ہے۔ موریہ براہمی لپی موجودہ دیوناگری لپی کی مورث اعلیٰ کہی جاتی ہے۔ آریوں نے ڈراوری قوموں سے لکھنا پڑھنا اسی طرح سیکھا جس طرح وحشی مونگول و تاتاری فاجنجن نے مغتوح بغدادیوں، عربوں، ایرانیوں، خوارزمیوں سے حملہ ہلاکو اور زوال بغداد کے بعد سیکھا تھا۔ آریہ قبیلوں نے ڈراوری تہذیب سے بہت گہرا اثر قبول کیا۔ ڈراوری مذہب، ثقافت، روایات و اساطیر اور تاریخ نے انہیں متاثر کیا۔ لیکن یہ آریائی زبان تھی جس نے نئی ملی جلی بھاشا میں غالب عنصر کی حیثیت اختیار کر لی۔ یہ چترجی، بھنڈارکر اور گرہرگسن کا نظریہ ہے۔ مجھے اس نظریہ سے تسلی نہیں حاصل ہوتی۔ اپنے شبہات اور اس کی وجہیں میں بعد میں پیش کروں گا۔ خود چترجی اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ غیر آریائی عناصر نے آریائی زبان میں بھرپور نفوذ حاصل کیا اور اُسے شدھ نہ رہنے دیا۔

(حاشیہ باقی ص ۱۸) کھروشتی (خروشتی) یا گندھارا (لپی) حروف بھی کہا جاتا ہے۔ اور جو بظاہر کسی سامی (اور شاید آری) زبان سے ماخوذ ہیں، ہندوستان کی بعد کی تحریروں میں کوئی اثر نہیں چھوڑا ہے۔ دوسری طرف ہندی پالی (یا براہمی) حروف جن سے موجودہ ہندستانی حروف ماخوذ ہیں بہت زیادہ مشکوک الاصل ہیں۔ اور اگرچہ اشوک کے وقت تک اس خط نے بہت زیادہ ترقی کر لی تھی۔ اور اس کو علی مقاصد میں حیرت انگیز طور پر استعمال کیا جانے لگا تھا۔ تاہم اس کے بعض حروف کا قدیم یقینی حروف سے (جو شاید فو دمہری، ہیرو، غلیفی خط سے ماخوذ تھے) تشابہ یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ شاید یہ بھی سامی الاصل ہوں۔

توموں کے عروج و زوال کے اسباب و علل پر غور کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عروج کے بعد کی عشرت سامانیاں ہی زوال کا پیش خیمہ بن جاتی ہیں۔ اپنے اپنے وقتوں میں بابل و بغداد اور ہنجداد و دہلی کے انحطاط و زوال کے اسباب ایک جیسے ہی تھے۔ غرض یہ کہ متمدن و مذہب ڈراوری قوم وحشی آریوں سے شکست کھا گئی۔ عین ممکن ہے کہ وہ آریہ قبیلے جو عراق و عرب میں بود و باش اختیار کر چکے ہوں وہ مذہب و متمدن بن گئے ہوں اور ایران و ہندوستان کی طرف آنکھیں دالے خانہ بدوش قبائل وحشی ہوں۔ رفتہ رفتہ ایران و ہندوستان کی قدیم تر قوموں سے گھل مل کر ان آریائی قبائل نے متحدہ عظیم نندہوں کی بنا ڈالی۔ ہند آریائی قبیلوں نے ہندوستان کی کول ڈراور نسلوں کے ساتھ مخلوط ہو کر ایک حیرت انگیز نسل، مذہبی، تہذیبی اورسانی مرکب بنایا۔ ہندو قوم، ہندو تہذیب اور ہندو دھرم مخلوط و مرکب ہیں۔ ہندوستان میں آنے والی اور اسے اپنا گھر بنا لینے والی نسلوں اور قوموں میں سب سے قدیم نگرہٹونس ہے، جو افریقہ سے غالباً سمندری راستے جنوب ہندوستان میں آئی اور بس گئی۔ آج ان کی نشان دہی، کادور، کرمبا، ایرولا، اور پنیان قبیلوں میں ہوتی ہے۔ جنوبی ہند کے مذکورہ قبائل میں کچھ

۱۔ ملاحظہ ہو مقدمہ تاریخ ابن خلدون اور 'انقلاب الامم' از علامہ ریان فرانسیسی +

علامہ اقبال کہتے ہیں یہ سب میں تھ کو بتاتا ہوں تقدیر اُم کیا ہے

تفسیر و سناں اول، طاؤس و رہاب آخر (بال جبریل ص ۷۷)

۲۔ انڈیا رین اینڈ ہندی، ص ۲۸ +

جشی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

ہند آنے والی نسلوں میں آسٹریک یعنی آسٹرو ایشیاٹک (آسٹروی + ایشیائی) کا دوسرا نمبر ہے۔ یہ شمال ہند چین سے اس ملک میں وارد ہوئی۔ ہندوستان کے کھاسی، کول، گرو، ہوز، سنال، اور غالباً اڑاکون اور منڈا بھی اسی نسل سے ہیں۔ یہ قوم سارے شمالی ہند میں پھیلی ہوئی تھی۔ آسام سے پنجاب تک شمال مشرق میں اس نسل کا اختلاط منگول (تبتی چینی) نسل سے بھی ہوتا رہا جو شمال مشرقی پہاڑی دڑوں سے ہندوستان آنے اور یہاں وقتاً فوقتاً جیتے رہے۔ ملک کے اور علاقوں میں آسٹریک نسل ڈراوری نسل سے مخلوط ہوتی رہی۔ بنگال اور آسام کے خطوں میں آسٹریک 'منگول' ڈراوری خصوصیات بہت غالب ہیں۔ کیونکہ آریائی اثر و نفوذ اس طرف بہت دیر سے پہنچا۔

تیسری نسلی لہر پھر مغرب سے آئی۔ یہ ڈراوری قوم کا درود تھا۔ یہ لوگ غالباً آسٹریک نسل کی آمد کے زمانہ میں یا اس کے آخری دور میں ایشیائے کوچک اور مشرقی بحر متوسط کے جزائر سے عراق، ایران اور بلوچستان ہونے ہوئے ہندوستان آئے۔ موجودہ براہوئی قبیلہ بلوچستان میں اور جنوب ہند کے تلنگی، تامل، ملیالم، کنڑ، ٹولو، ٹودا، کوڈرگو اور گوند قومیں ڈراوری نسل سے ہیں۔ عہدِ باضی میں یہ نسل سارے ہندوستان میں پھاگئی تھی۔ اس متمدن قوم نے مینو دارو اور ہڑپا جیسے بڑے شہر بسائے تھے۔

ہندوستان میں داخل ہونے والوں اور یہاں بس جانے والوں میں چوتھا نمبر

آریائی قبیلوں کا ہے۔ یہ بھی مغرب سے آئے اور ان کا سفر شرق بھی قریباً  
 انہیں نشانہائے منزل کے مطابق ہوا جو ڈراورمی قوم ماضی میں بنا آئی تھی۔  
 ایشیائے کوچک سے پہل کر یہ آریہ عراق میں رہ پڑے۔ کتنی صدیاں وہاں  
 گذریں۔ یہ قطیعت کے ساتھ کہنا مشکل ہے۔ ان کا میتانی، حارّی، (آریہ =  
 حارّی = حارث۔ عربی، کھیت جوتنے والا۔ آج بھی سندھ میں کاشتکار قبیلوں  
 کو حارّی کہتے ہیں۔ ممکن ہے یہ قدیم آریہ قبیلہ حارّی کے سلسلہ سے  
 ہوں) ہند، کسائی، وغیرہ۔ عراق عرب میں رہ پڑے اور ظاہر ہے وہاں کے  
 لوگوں میں گھل مل گئے۔ یہ عدد دو ہزار پانچ سو سال قبل مسیح تھا۔ یہ حضرت نوحؑ  
 کے بعد اور حضرت ابراہیمؑ کے تھوڑا پہلے کا عہد ہے۔ آریائی زبان میں سامی  
 اثرات کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ ویدک میں بھی سامی اثر موجود ہے۔ کیا عجیب  
 کہ ابو الانبیاء حضرت ابراہیمؑ نام اور صفات بگڑ کر ”برہما“ کے روپ میں ظاہر  
 ہوئے ہوں۔ اسی دور میں مادہ یا میدی اور بعد ازاں پرشو آریائی قبائل  
 عراق عرب کی روایات لے کر شمال مغربی ایران میں داخل ہوئے۔ اور سارے  
 ایران میں پھیل گئے۔ سانی اعتبار سے قیام ایران کے اس بڑے دور کو  
 ہند ایرانی دور کہتے ہیں۔ اس کی ایک شاخ ہند آریائی کہلاتی۔ تیسرا گروہ  
 سا کا قبیلہ کا گروہ تھا جو طاقتور اور مضبوط تھا۔ یہ قبیلہ شمال کی طرف جانکلا۔ شمال  
 مشرقی اور شمالی مغربی ایران، افغانستان (سیستیمیا اور توران) اور جنوب روس کے  
 علاقوں پر بھاگ گیا۔

ایران سے ہند میں آریوں کا ورود نہایت ہی تدریجی طور پر ہوا۔ مشرقی ایران میں بسنے والے آریہ قبیلے آہستہ آہستہ بلوچستان اور افغانستان سے ہوتے ہوئے پنجاب میں پھیلتے گئے۔ یہ سلسلہ سنہ ۱۵۰۰ قبل مسیح شروع ہوا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اُس عہد میں مشرقی ایران کے آدی باسی قبائل اور پنجاب کے آدی باسی ایک ہی قوم سے تھے اور ایک طرح کی زبان بولتے تھے۔ آریہ قبیلوں نے انہیں داسا داسیو نام دیا۔ پوربی ایران کے آریوں اور پنجاب میں آریوں کے آریوں کی بولیاں بھی ایک ہی تھیں۔ اردو زبان کی ترکیب کے متعلق غور کرنے میں یہ بات ایک اہم نکتہ کو پیش کرتی ہے کہ مشرقی ایران اور مغربی ہند کی بولیوں میں قدیمی بگائنگت پائی جاتی ہے۔ اڑھائی ہزار سال بعد اگر اُس عہد کی ہند آریائی بولی سے ایرانی بولی ملی اور ریختہ کی ترکیب ہوئی تو اس اتصال کی بنیادیں صدیوں پہلے قائم ہو چکی تھیں۔ بقول محمد حسین آزاد دو بچھڑی ہوئی بہنیں پھر گلے مل گئیں۔

قبل اس کے کہ آریہ قبیلے ہندوستان میں وارد ہوئے اُن کا ایران میں ہزار سال تک قیام رہا۔ ایسی حالت میں آریائی بولیاں ایرانی آدی باسی بولیوں سے ضرور گھل مل گئی ہوں گی۔ جیسے وہ بعد میں ہندوستان آکر یہاں کی ڈراوری سے ملیں۔ بہر کیف ہند آریائی عہد کے شروع ہونے سے پہلے آریائی بولیاں عراقی عربی اور قدیم آدی باسی ایرانی سے مل کر مخلوط ہو گئی ہوں گی۔ لہذا میں اوستائی اور ویدی بولیوں کو ملوان بولی سمجھتا ہوں۔



اس عہد کی نسلوں اور بولیوں کے متعلق کوئی قطعی بات نہیں کہی جاسکتی۔

اتنا تو ظاہر ہے کہ ہند آریائی زبان کا اولین نمونہ نراسینسا کا تھا بھی خالص آریائی نہیں ہوگا اور جب ہندوستان میں آریہ قبیلے آئے تو مخلوط بولیاں بولتے آئے جن میں آریائی عناصر کے ساتھ غیر آریائی عناصر بھی موجود تھے نیز یہ کہ ہند آریائی بولیوں میں ڈراوری (داسا داسیو) عناصر مشرقی ایرانی دور سے ہی ملتے آئے تھے۔ پنجاب، سندھ، مدھ دیش، جوزبی اور مشرقی ہند میں لسانی اختلاط کی آچہ اور نیز ہو گئی جس کے بکثرت شواہد ملتے ہیں۔ مشرقی ایران، پنجاب اور سندھ میں غیر آریائی داسا داسیو (ڈراوری) قبائل بستے تھے اور اُس عہد میں بھی خطہ سندھ کے اندر ان کے رستے بستے شہر تھے۔

آریہ قبائل اپنے آغاز (وایروس 'WIROS' = آدمی = ویر، سنسکرت) میں بھی پینچ ٹیل تھے اور دوسرے قبائل سے ہر طرح کے اثرات قبول کر رہے تھے۔ ان کا تعلق مختلف نسلوں سے تھا۔ حالات زمانہ نے انہیں مخلوط بنا کر اکٹھا کر دیا تھا۔ عہد وسطیٰ میں عراق عرب اور ایران میں نہ جانے کتنا اختلاط نسلی ہوا ہوگا۔ اور لسانی اعتبار سے کتنی آمیزشیں ابتدائی آریائی بولیوں میں ہو گئی ہوں گی۔ جس وقت آریہ قبائل ہندوستان میں داخل ہو رہے تھے (سنہ ۱۵۰۰ ق م قریباً) تو اس وقت بھی ان کی قوم میتانی، عراق میں موجود تھی (بوگمانہ کوئی

۱۔ 'انڈیا ایرین اینڈ ہندی' ص ، - چتر ج - اے - اچ - کینے - مین پاسٹ اینڈ پریزنٹ

۱۹۲۰ء ص ۵۰۵ - کیمبرج ہسٹری آف انڈیا۔ جلد اول ص ۶۶

مستوداتِ سنہ ۱۱۱۱ ق م، اور ایران تو اُن کا گھر آگن تھا۔ وہ ہزار سال وہاں قیام کر چکے تھے۔ عراق عرب اور شمال مغربی ایران میں اُن کے توطن اور بود و باش پر غالباً اس سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔ چترجی تو ویدوں کے عہد میں بھی پنجاب سے مغربی فارس تک ایک لسانی تسلسل کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس وسیع بولی میں 'ر' اور 'ل' ہر دو حرفوں کی آوازوں کے لئے صرف حرف "ر" کی آواز کا چلن تھا۔

جس طرح آریہ قبائل تدریجی طور پر ہندوستان کے مغرب میں داخل ہوئے اور پنجاب پر چھا گئے۔ اسی طرح تدریجی طور پر یہ ہندوستان کے دوسرے خطوں میں پھیلے۔ اس توسیع میں صدیاں لگی ہیں۔ بقول ڈاکٹر اس۔ سی سرکار سابق صدر شعبہ تاریخ پٹنہ کالج، پٹنہ، آریہ حملہ آورین بڑی بڑی لہروں میں ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہیں۔ پہلے پہل صرف پنجاب، آریہ ورت، بنا۔ پھر سندھ اُس حلقہ میں آیا۔ بعد ازاں مدھ دیش (ملک کا وسطی حصہ) پھر ہند کے جنوبی اور مشرقی حصے اس دائرہ میں آئے۔

ہند میں داخل ہونے والے آریہ قبیلوں کی بولیوں میں قدرے اختلاف پایا جاتا تھا۔ قبیلہ قبیلہ کی بولی الگ الگ تھی اور بنیادی مشابہتوں کے باوجود ان میں اختلاف موجود تھا۔ لیکن، کہتے ہیں کہ، اُن کے درمیان ایک اچھی خاصی معیاری ادبی بولی بھی پائی جاتی تھی۔ اور یہی معیاری بولی بھیج اور دُعا یہ نغمات میں استعمال ہوتی تھی۔ یہی معیاری زبان 'رگ وید' اور 'اتھروا وید' کی ہے۔

حقیقتِ حال یہ ہے کہ چاروں وید ایک ساتھ مُرتب نہیں ہوئے۔ ان کی ترتیب و تدوین کے درمیان بڑا فضل ہے۔ چترجی یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ ویدوں کا قدیم ترین مخطوط آج سے ہزار سال زیادہ قدیم نہیں۔ لیکن اس کے باوجود کہتے ہیں کہ ویدک روایات اصلاً تین ہزار سال سے بالکل محفوظ چلی آتی ہیں۔ ممکن ہے قدیم مخطوطات ضائع ہو گئے ہوں۔ مگر جو ہے وہ تو خیالی تدوین وید کے دو ہزار سال بعد کا ہے۔ اس دو ہزار سالہ دور میں نہ جانے کتنا پانی گنگا، جمنہ، سندھ اور برہم پترا سے بہتا ہوا سمندروں میں جا ملا ہوگا۔

سوال یہ ہے کہ ویدوں کا حقیقی زمانہ کیا ہے؟ اس کے متعلق علماء یا تو سکوت اختیار کرتے ہیں یا فطنی باتیں پیش کرتے ہیں یا صاف طور پر یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ویدوں کے مختلف حصّوں کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اُن کا آغاز کہاں اور کب ہوا۔ میکس ملر کی طرح بعض علماء تو یہاں تک جاتے ہیں کہ ویدوں کے کچھ حصّے ہندوستان سے باہر ریشیوں نے پیش کئے۔ دوسرا گروہ پنجاب کو گوارہ وید مانتا ہے مگر گہر سن کے نزدیک ”اندرونی آریہ قبیلوں“ میں ویدک سنسکرتی اور براہمنی خیالات نے پرورش پائی۔ اور اس اعتبار سے وید مدھ دیش میں ریشیوں پر ظاہر ہوئے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ویدوں کا کوئی تاریخی لسانی معیار قائم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بتانا بھی مشکل ہے کہ لسانی اعتبار سے ویدوں کی عبارت، الفاظ اور دیاکرن

کا ہند ایرانی حصہ کتنا ہے، خالص ہند آریائی کتنا اور ڈراوری کتنا۔ پنڈت ویدک مہنی اپنی کتاب 'وید سر وسو' میں لکھتے ہیں کہ اتھروا وید میں بڑی بے ترتیبی پائی جاتی ہے۔ ابتری کا یہ عالم ہے کہ سیانا چاریہ کے بعد کے زمانوں میں بھی بہت سے "سُکے" ملا دیئے گئے ہیں۔ (ص ۹۷)۔ ایک دوسرے فاضل پنڈت شانتی دیو شاستری تحریر فرماتے ہیں کہ اب تک اس امر کی تحقیق نہ ہو سکی کہ وید دراصل تین ہیں یا چار۔ متوسمرتی اور شتا پتھا برہمنہ کے مطابق وید صرف تین ہیں۔ رگ وید، بجر وید اور ساما وید۔ لیکن وجاسنی اُپانیشاد، برہمنہ اوپانیشاد اور منڈل اوپانیشاد کی شہادت کے مطابق وید چار ہیں (رسالہ گنگا، جنوری ۱۹۳۱ء، ص ۲۳۲)۔ پنڈت ہردے نرائن لکھتے ہیں کہ شتا کاری کا صحیفہ چرنا ویوہا، اور اُن کی دوسری تحریروں سے وید کے منتروں، شبدوں اور اکپھروں کی معین تعداد ثابت ہوتی ہے۔ لیکن حالیہ وید پُستکیں اُن کے مطابق نہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے ویدوں میں آزادانہ کی بیشی کی گئی ہے (رسالہ گنگا، جنوری ۱۹۳۱ء) حقیقت یہ ہے کہ گوپتھا برہمنہ کی تصنیف کے وقت مختلف فرقے کے لوگوں نے اپنے عقاید ثابت کرنے کے لئے ویدوں میں خوب خوب تحریفیں کیں۔ ویدوں میں اختلافات کی کوئی حد نہیں رہی۔ ہر فرقہ اپنے نسخے کو صحیح اور دوسرے نسخوں کو بے سرو پا، غلط اور غلط بتاتا تھا۔ آج بھی ویدوں کے نسخوں میں بہ کثرت اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور ان کی بُنیا د اُسی عہد ابتری میں پڑی۔ (وید سر وسو۔ صفحہ ۱۰۶ - ۱۰۵)۔

رگ وید کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ قدیم ترین وید ہے۔ اس کتاب کا بھی کوئی ایک لسانی معیار نہیں۔ موجودہ نسخوں یا قدیم ترین مسودوں کی زبان بھی ناہموار ہے۔ رگ وید مختلف آریائی قبائل کی بولیوں کا نمائندہ ہے۔ یہ ایک قسم کی ادبی زبان ہے۔ جو شاید ابتدا میں کسی ایک قبیلہ کی بولی کی بنا پر شروع ہوئی ہو۔ اور رفتہ رفتہ دوسرے آریائی قبائل کی بولیوں کو اپنے اندر شامل کرتی گئی ہو۔ بنیادی بولی ملک کے انتہائی مغربی حصے یعنی پنجاب کی بولی تھی۔ اس میں ”ل“ (ल) کی آواز کی جگہ بھی ”ر“ (ॠ) کی آواز ہی مستعمل تھی۔ رگ وید کے وہ حصے جو بعد میں داخل ہوئے (ल) ”ل“ کی آواز بھی نکالتے ہیں۔ جو مشرقی قبائل کی خصوصیت ہے۔

ویدوں کی کوئی معیاری بولی نہیں۔ اور اُن کے متعلق یہ کہنا کہ وہ ہند میں آنے والے آریہ قبائل کی اولین بولی کے نمائندہ ہیں، صحیح نہیں۔ ہاں وہ اُن لسانی نمونوں میں قدیم ترین ہیں جو اب تک قدیم ہند آریائی کے دستیاب ہو سکے ہیں۔ لیکن پرانے سے پرانے ویدی محظوظ کی عمر ہزار سال سے زیادہ نہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ویدوں کے بڑے حصے کی زبان ہر پہلو سے مخلوط ہے۔ میرا خیال ہے کہ ویدوں کی زبان پر اس سے بہت زیادہ ڈراوری اثر پڑا ہے۔ جتنا قیاس کیا جاتا ہے۔ پھر یہ تو ادبی، مذہبی زبان کا حال ہے۔ بول چال کی بھاشا کا کیا عالم ہوگا۔

کا ڈول، گنڈرٹ، کیٹل وغیرہ جیسے ماہرینِ لسانیات اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ایران میں بھی ڈراوری بولی بولنے والے قبیلے موجود تھے اور ہند ایرانی عہد میں ہی ڈراوری الفاظ آریائی بولیوں میں داخل ہو رہے تھے۔ ہند ایرانی اور ہند آریائی بولیوں میں بہت سے ایسے الفاظ ہیں جن کا کوئی لسانی بدل ہند یورپی بولیوں میں نہیں ملتا۔ غالباً یہ سب کے سب کول ڈراوری ہیں یا اُس سے بھی قبل کے۔ ویدک بھاشا میں ڈراوری شبدوں کا پایا جانا بہت ہی دلچسپ ہے۔ مثلاً: 'بینہار' = 'ابر، برت' - 'پشپا' = 'پھول' - 'پوچن' = 'پوجا، پرستش' - 'پھل' = 'پھل' - 'ربیل' = 'سوراخ' - 'بیج' = 'بیج' - 'تخم' - 'راتری' = 'رات' - 'روپ' = 'شکل' - 'صورت' - 'سایم' = 'شام' وغیرہ۔ غیر آریائی الفاظ 'برہمن'، 'صحیفوں کے عہد میں اور زیادہ ہو گئے'۔ اور یہ سلسلہ جاری رہا۔

ہر چند کہ رگ وید کی زبان اپنی ہیئت اور ساخت کے لحاظ سے ہند یورپی آریائی نہج کی ہے۔ لیکن اس کی صوتیات پر ڈراوری اثر صاف طور پر پڑا ہے۔ ویدک بولی نے بہت سے ایسے لفظ ڈراوری بولی سے قرض لئے جو نا آشنا چیزوں کے نام تھے یا نئے تصورات سے متعلق تھے۔ مثلاً: 'وکی' = 'بندر' - 'وکل' = 'فن'، 'آرٹ' - 'کال' = 'وقت'، 'عصر' - 'کوٹ' - 'جھوٹری'، 'کُٹیا' - 'گن' = 'جماعت' - 'نانا' = 'بہت سے' - 'نیلا' = 'نیلا'، 'بلو'۔

ہند آریائی زبان اور ڈراوری زبان میں اور بھی مشابہتیں پائی جاتی ہیں  
 اغلب یہی ہے کہ یہ مماثلت ڈراوری کے اثر کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہیں۔  
 ترکیب و صرفی قواعد کی مشابہت کے سلسلہ میں چند مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔  
 جیسے حروف منفصل جار کا ترک، قدیم ہند آریائی بولی کے حال اور عصر زمانہ  
 کا قریباً کُلّی طور پر متروک ہو جانا۔ 'نخو'، لسانیات میں صوتیات اور جملوں کی  
 ترکیب و صرف سے زیادہ اہم ہونا ہے۔ اور بقول چٹرجی 'نخو' کے اعتبار سے  
 ہند آریائی اور ڈراوری دنیا کی بڑی یگانگت رکھتی ہیں۔

ہند آریائی اور ڈراوری زبانوں میں نخوی اعتبار سے بڑی یگانگت  
 پائی جاتی ہے۔ کسی ڈراوری زبان مثلاً تامل یا تملنگی کا ایک جملہ اپنی  
 ترتیب الفاظ کے لحاظ سے جیوں کا تیوں صرف لفظوں کے بدلنے سے ہندی اُردو  
 یا بنگالی میں منتقل ہو سکتا ہے۔ برخلاف اس کے انگریزی یا فارسی جملے  
 جیوں کے تیوں کسی جدید ہند آریائی میں مُبدّل نہیں ہو سکتے۔ یہ رُو عہدِ وسطیٰ  
 کی ہند آریائی زبانوں یعنی پراکرتوں کے عہد سے ہی پُل پڑی تھی۔ پائی اور  
 اور دوسری پراکرتوں کے قواعد نخو کا موازنہ و مقابلہ اگر جدید ہند آریائی زبانوں  
 سے کیا جائے تو یہ بات ظاہر ہو نے لگتی ہے۔ کلاسیکی سنسکرت تک میں مذکورہ  
 نخوی تصرفات پائے جاتے ہیں۔

ڈراوری اور ہند آریائی زبانوں کے محاوروں میں بھی بڑی یگانگت ملتی ہے۔

فعل امر کو منڈب و نرم طریقہ سے ظاہر کرنے کے لئے مصدر کا استعمال جیسے بجائے 'یہ کام کرو' کے 'یہ کام کرنا' کنٹری زبان میں یوں کہیں گے 'ای کلسا دوو دوو'۔ فعل سے امر بناتے وقت یا تمنّا و طلب ظاہر کرتے وقت فعل 'دینا' کا اضافہ، جیسے 'مجھے بولنے دو' اور تلنگی میں یوں کہیں گے کہ 'ننٹو سیپن آئی ای' ہندوستان سے باہر کی آریائی زبانوں میں یہ خصوصیات نہیں پائی جاتی ہیں۔ لہذا یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہند آریائی زبان پر ڈراوری ماحول کا اثر پڑا ہے۔ ڈراوری دماغ نے آریائی زبان قبول کرنے کو تو کر لیا، لیکن اُس نے اُس کی رُوح اور ساخت و ترکیب اور نشست و برخاست بدل دی۔

ایک اور مشابہت یہ پائی جاتی ہے کہ ڈراوری اور جدید ہند آریائی دونوں زبانوں میں اشیاء اور حرکات سے پیدا ہونے والی آوازوں کے مطابق الفاظ کا گڑھنا بہت عام اور بہ کثرت ہے۔ جیسے 'کھٹکھٹانا'، 'تھپتھپانا'، 'ہنہنانا'، 'غُرانا'، 'سنسناہٹ'، 'گھر گھراہٹ' وغیرہ۔ یہ انداز کول بولیوں میں بھی ہے۔

اسی طرح 'بازگشتی' لفظوں (ECHO-WORDS) کا پایا جانا بھی ڈراوری اثر ہے۔ اس عمل میں الفاظ کی نیم تکراری کیفیت ظاہر ہوتی ہے جیسے: بھات وات، گھوڑا وڈا، کیچڑ ویکھڑ، نقاب وقاب، کوٹ ووٹ، گھڑی وڑی وغیرہ۔ تامل اور کنٹری زبانوں میں بھی یہی حال ہے۔



غرض یہ کہ ہندوستان میں آکر آریائی زبان صوتیات، ساخت و صرف، نحو و ترتیب اور لغات کے اعتبار سے ڈراوری زبان کا گہرا اثر قبول کرتی رہی۔ اور اب وہ اثرات جدید ہند آریائی مثلاً ہندی، بنگالی، مرہٹی، اُردو، وغیرہ زبانوں کی خصوصیات میں داخل ہیں۔

ہند آریائی زبان کے ارتقاء کی مختلف منزلوں سے گزرنا اُس پس منظر کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے جسے ہم اُردو زبان کی فضائے بعید بلکہ بنیادوں کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ اس لسانی ارتقاء کے نقوش کے اہم ماخذوں کا تذکرہ بھی لازمی ہے۔ اصلی ماخذ تو حسب ذیل ہیں:-  
۱۔ ویدک لٹریچر۔ ان کے قدیم ترین مخطوطات آج سے ہزار سال قبل کے ہیں اور بس۔ مگر ان کی روایات پُرانی ہیں۔

۲۔ برہمنائیں۔ ویدک عہد کے بعد برہمنوں نے ویدوں کی تفسیریں لکھی ہیں۔ یہ صحیفے بھی زبان کے ارتقاء کو پیش کرتے ہیں۔

۳۔ قواعد نویسوں کی کلاسیکی سنسکرت۔ پانینی، اور پانچلی۔

۴۔ قدیم پراکرتیں۔ ان میں قدیم ترین چٹانوں اور لاٹوں پر اسوکا کی کندہ کرائی ہوئی تحریریں ہیں۔ شمال مغرب میں شہنا زگرہی اور مانہرہ میں کندہ کرائی ہوئی تحریر کھروشی رسم الخط میں ہے۔ اور باقی سب براہمی میں۔ سنسکرت۔ م۔

۵۔ پالی پراکرت اور دوسری پراکرتوں میں لکھے ہوئے دھارمک مخطوطات۔  
پالی میں بودھ دھرم کی تحریریں ہیں۔ اور پراکرت ادب کے دوسرے سرمایہ میں  
جین دھرم کی پستکیں ہیں۔

۶۔ قدیم ڈرامے۔ ان میں سنسکرت اور پراکرت دونوں بولیوں کا  
استعمال ہوتا ہے۔ کالی داس، بھو بھوتی، اسو گوپش کے ڈرامے مشہور ہیں۔ جیسے  
شکنتلا، وکرم اروسی وغیرہ وغیرہ۔

۷۔ ہیم چندر گجراتی کا پراکرت گرامر۔ ۱۱۶۲-۱۱۸۸ء۔

۸۔ آخری دور کا پراکرتی ادب، یعنی آپ بھرنش کا ادبی سرمایہ۔ یہ  
بہت قلیل ہے۔ مثلاً ہیم چندر "دیسی نام مالا"۔

ہند آریائی زبان کے ارتقا کو تین دوروں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ قدیم،  
متوسط، اور جدید۔

(الف) قدیم ہند آریائی کی نمائندگی رگ وید اور دوسرے ویدوں کی زبان  
سے ہوتی ہے۔ اس ادبی زبان کے علاوہ اس دور کے روزمرہ کی بولیاں بھی تھیں جن  
کی بنیادوں پر 'چھنداسا'، رزمیہ شاعری اور 'برہمنہ'، ویدی تفسیروں کی زبانوں کی  
پرورش پائی اور بعد ازاں انہیں بولیوں میں سے پانینی اور پاتنجی کی مرقعہ دشتہ  
و شانتہ سنسکرت بھاشا نے جم پیا۔ اور بہت بعد اسی پنو پر کالیداس اور دوسرے  
نالیک کاروں کی بھاشا کی عمارت کھڑی ہوئی۔

(ب) عہد وسطی، گوتم بودھ کے زمانہ سے کچھ پہلے شروع ہوتا ہے۔ اس کی

ادبی نامندگی پائی اور دوسری پر اکرتوں سے ہوتی ہے۔

قدیم ہند آریائی بولیوں کی صوتیات، قواعد وغیرہ میں نمایاں تبدیلی شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ سنہ ۱۰۰۰ تک ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ جدید ہند آریائی عہد تک جاری رہا، انہیں بولیوں سے پائی اور پر اکرت ادب پیدا ہوا۔

(ج) جدید ہند آریائی دور کے آغاز کے متعلق قطعیت سے کچھ نہیں کہا جاسکتا یہ دور آخری عہد کی پر اکرتوں یعنی آپ بھرنٹوں کے سمنے سے شروع ہوتا ہے۔ مثلاً ہیم چندر کے پیش کردہ نمونے اور بعد ازاں پرانی ہندی بھاشا شاعری کی زبانیں۔

قدیم ترین پر اکرتی دور اُسو کا کی کندہ کرائی ہوئی عبارتوں، اور ان کے علاوہ دوسری کندہ عبارتوں (سنہ ۱۰۰۰-۱۰۰۰) یودھی مذہبی صحیفوں (پائی) جین سترون، اور قدیم نامکوں (اشوگوش) پر منحصر ہے۔

متوسط پر اکرتی عہد کالی داس اور اس کے بعد آنے والے نانک کاروں کی برقی ہوئی شورسیمی، ہمارا شطری اور مالگدھی پر اکرتوں، قواعد نویسوں کی پر اکرتوں اور متاخرین جین بزرگوں کی پستکوں پر حاوی ہے۔

متاخرین کی پر اکرتوں یعنی آپ بھرنشاؤن میں ادبی نمونے بہت کم ملے ہیں۔ یہ بول چال کی رواں دواں، بولیاں، تھیں اس دور میں ہر طرح کی لسانی تبدیلیاں بڑی تیز رفتاری سے عمل میں آ رہی تھیں، صوتی، ہیئت، صرفی و نحوی۔

۱۔ 'اشوگوش' کے نامکوں کے ٹکڑے۔ متوسط ایشیا میں دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ کشن عہد کے ہیں +

۲۔ قواعد نویسوں نے لکھا ہے کہ پیشاچی پر اکرت میں 'براحت کھا' منظم ہوئی تھی +

ہم چند نے ایک مغربی آپ بھرش کا تذکرہ کیا ہے۔ اور اس کے نمونے درج کئے ہیں۔

اسو کا کے دربار کی زبان اُردھ ماگدھی تھی۔ کندہ عبارتوں میں تھوڑی تھوڑی تبدیلیوں کے ساتھ یہی زبان ملتی ہے۔ اسو کا اور اُس کے جانشینوں کے عہد میں ”مگدھ پن“ سارے ہندوستان پر چھا گیا تھا۔ ماگدھی اور اُردھ ماگدھی کے لسانی اثرات دور دور تک پھیل گئے تھے۔ اور ان اثرات نے مغربی بولیوں کو بھی متاثر کیا تھا۔ گر نار، شہناز گڑھی، مانہرہ کی کندہ عبارتوں سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے۔ بودھ دھرم کے ذریعہ یہ اثرات وسط ایشیاء تک پھیل گئے تھے۔ ہندوستان میں زبانیں اور بولیاں ہمیشہ ایک دوسرے سے ملتی اور ایک دوسرے کو متاثر کرتی رہی ہیں۔

بودھ اور مہاویر کی نصیحتیں اور وعظ اُردھ ماگدھی میں درج کئے گئے تھے۔ یہ پرآچہ بولی تھی۔ گوتم بودھ کے یہ مواظ بعد میں کسی مغربی بولی میں بھی منتقل کئے گئے۔ یہ مگدھ دیشیا علاقہ کی بولی شورسینی کی کوئی قدیم شکل تھی۔ لیکن یہ ترجمہ ملا جلا ہوا تھا۔ بنیادی اُردھ ماگدھی بولی بھی اس کے ساتھ وابستہ و پیوستہ تھی۔ غرض یہ کہ شورسینی اور اُردھ ماگدھی کے مجموعے کو پالی کہتے ہیں۔ گویا پراکرت کی پہلی ادبی شکل پالی کہلائی جو خود ملی جلی زبان تھی۔

۱۔ امریکن جرنل آف فالولوجی، ص ۲۸۴۔

۲۔ ”تاریخ زبان اُردو“ از ڈاکٹر مسعود حسین۔ ص ۲۳-۲۲۔

اس میں بودھی سنسکرت کے الفاظ بھی بعد میں ملے۔ خصوصاً اُن دوروں میں جب سنسکرت کے احیاء کی کوششیں ہوتی رہیں۔ خود پالی میں ارتقائی کیفیت پائی جاتی ہے۔ لیکن سنہء کے بعد کلاسیکی سنسکرت کی طرح پالی بھی منجمد زبان بن کر رہ گئی۔ اور مصنوعی ہو کر عوام سے دور ہو گئی۔

پالی اور دوسری پراکرتوں کی طرح خود سنسکرت بھی ملی جلی زبان اور تین تہذیبوں کی نمائندہ تھی۔ آریائی، ڈراوری اور آسٹریک۔ ایک پہلو سے سنسکرت کو اپنے علاقے اور عہد کی پراکرت کہہ سکتے ہیں۔ لیکن قواعد دانوں کے اثر سے جب وہ مصنوعی زبان بن گئی تو دوسری مخلوط بولیوں نے پے بہ پے اس کی جگہ لی۔ پالی، دوسری پراکرتیں، اپ بھرنش، بعد ازاں نئی بھاشائیں اور پھر ہندی، بنگلہ اور اُردو زبانیں جیتی جاگتی زبانوں کی حیثیت سے عوام میں، اور زندہ ادب میں مستعمل ہوئیں۔



## اُردو زبان کا ارتقا

اُردو جدید ہند آریائی دور کی ایک اہم زبان ہے۔ جدید ہند آریائی دور کے آغاز کے متعلق کوئی قطعی بات پیش نہیں کی جاسکتی۔ یہ دور آخری عہد کی پراکرتوں یعنی آپ بھرنشون کے بعد شروع ہوتا ہے۔ لیکن آپ بھرنشون اور جدید آریائی عہد کی زبانوں کے درمیان کوئی صاف، واضح، معین اور دو ٹوک حدِ فاصل کھینچنا ناممکن ہے۔ زندگی، سماج، تمدن و تہذیب، زبان، ادب اور فنِ رواں دواں تغیر پذیر حقیقتیں ہیں۔ تغیرات میکانیکی طور پر رونما نہیں ہوتے بلکہ تدریجی اور عضویاتی رنگ میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک دور کا دوسرے دور سے تعلق رہتا ہے۔ دو دوروں کے درمیان ایک عبوری منزل آتی ہے۔ اور اس عبوری زمانہ میں دورِ مابتن و مابعد کی ملی جلی کیفیتیں پائی جاتی ہیں۔

یوں تو جدید ہند آریائی دورِ تاسلہ سے شروع ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ مگر میرے خیال میں تاسلہ تا تاسلہ، لسانی اعتبار سے ایک عبوری دور ہے۔ پُرانے سانچے بدل رہے تھے۔ زبانوں میں صوتی، ہیئت اور قواعد کی تبدیلیاں رونما

ہو رہی تھیں۔ استقلال کا دور گزر چکا تھا۔ اضطراب کا زمانہ آگیا تھا۔ یہ کیفیت ہندوستان کی سماجی، سیاسی، اور اقتصادی سطحوں پر بھی ظاہر ہو رہی تھی۔ ملک کی نفسیاتی اور ذہنی حالت بھی دُخانی تھی۔ ہر شاہ و دھن کے بعد بے ثباتی اور ابتری تو پھیلی تھی مگر اس حال میں بھی ایک ثبات اور استحکام پیدا ہو گیا تھا۔ تا آنکہ پرانی سماجی تنظیم کی برف پگھلنے لگی اور رفتہ رفتہ انقلاب کے تیز جھکڑ بھی چلنے لگے۔ ہندوستان کی زندگی، سماج، سیاست، اقتصاد، زبان، ادب، آرٹ، سبھی مُنقلب ہو رہے تھے۔

یہ زمانہ تغیر بڑا اہم ثابت ہوا۔ بودھ مذہب کا اثر ختم ہو رہا تھا۔ اور بہن اپنے فلسفے کو بنیاد دینے میں مشغول تھیں۔ نئی قومیں اور نئے تمدن ملک میں داخل ہونا شروع ہوئے۔ دو بڑی تہذیبوں، ہندو اور مسلم، کا تقادم اور پھر اختلاط ہوا۔ اس عہد کی بھاشائیں سیال حالت میں تھیں اور انقلاباتِ زمانہ کا اثر قبول کر رہی تھیں۔ چتر گپتی کی رائے کے مطابق اگر ہندوستان پر مسلم قبضہ نہ بھی ہوتا تو بھی لسانی تبدیلیاں رونما ہوتیں اور ایک نیا لسانی دور شروع ہو کر رہتا۔ لیکن نئی ہندو آریائی زبانوں کی پیدائش اور ان کے اندر ادب کی تخلیق اتنی جلد نہ ہوتی اگر مسلمانوں کے زیر اثر ایک نئے تہذیبی دور کا آغاز نہ ہو جاتا۔

”آپ بھرنشون نے نکھر کر جدید ہندو آریائی پراکرتوں کی شکل اختیار کی۔“

(احتمام حسین)۔ لیکن اس جدید دور میں داخل ہوتے ہوئے صدیاں لگیں۔ دوسری

اہم بات یہ ہے کہ عہدِ وسطیٰ کی ہر پراکرت سے آپ بھرنش پیدا ہوئی۔ اور اُن آپ بھرنشوں کی مزید تبدیلی کے بعد تدریجی طور پر جدید ہند آریائی زبانیں وجود میں آئیں۔ جن میں اُردو بھی شامل ہے۔ اس سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ شورسینی پراکرت سے شورسینی آپ بھرنش نکلی اور ایک مخلوط شورسینی آپ بھرنش اُردو سے پہلے سارے شمالی ہندوستان کی ادبی بولی بھی بنی۔

جدید ہند آریائی زبانوں کے ارتقاء کے سلسلے میں چند مُنکے اہمیت رکھتے ہیں۔

(الف) ہر بولی جانے والی پراکرت سے کئی جدید بولیاں پیدا ہوئیں۔ ان کے اصل کے لحاظ سے ان کی گروپ بندی کی جاسکتی ہے۔ اور ان کی مشترک خصوصیات رہنا بنتی ہیں۔ اسی طرح قدیم ہند آریائی بولیوں کی جڑ سے کئی شاخیں پھوٹی تھیں اور پراکرتوں کا وجود ہوا تھا۔

(ب) ہندوستان کی لسانی تاریخ میں یہ دلچسپ بات ہوتی رہی ہے کہ کوئی نہ کوئی بولی ہر دور میں دوسری بولیوں پر فوقیت حاصل کر لیتی ہے۔ اُسوکا سے پہلے مغربی بولی فائق رہی اور اُسوکا کے زمانہ میں مشرقی اُردھ ماگدھی نے سبقت و سیادت حاصل کی۔ پھر کوشن عہد میں مغربی اور وسطیٰ بولیوں کی اہمیت اور ہندوستان گیری عود کر آئی۔ بعد کے دوروں میں مغربی آپ بھرنش کا عروج ہوا۔ پھر برج بھاشا سب بھاشاؤں پر چھائی اور آخر الامر ہندوستانی اُردو کی نوبت آئی۔ گویا عام طور پر مغربی اور وسطیٰ بولیوں کو ملک بھر میں اہمیت اور وسعت



حاصل ہوتی رہی ہے۔

(ج) کوئی بھی جدید ہند آریائی زبان ایسی نہیں جسے ہم صرف کسی ایک وسطی ہند آریائی بولی کی خالصتاً اور براہ راست ترقی یافتہ شکل کہہ سکیں۔ ہندوستان اپنی وسعت کے باوجود ایک اکائی ہے۔ اس کے مختلف حصوں کے درمیان مرسل رسائل، ربط و تعلقات، آمد و رفت کے سلسلے ہمیشہ قائم رہے ہیں۔ یہاں کی لسانی زندگی میں باہمی اثر و تاثر سدا ہوتا رہا ہے۔ لسانی لہریں باہم دگر بھیدہ قاش بنانی رہی ہیں۔ اس سبب سے اکثر نئی ہند آریائی بولیوں کی ارتقائی منزلیں اُلجھی ہوئی نظر آتی ہیں۔ کبھی کبھی تو اس اُلجھن کو دور کرنا اور لسانی فارموں کی گتھی کو بسلجھانا ناممکن ہو جاتا ہے۔ نئی بولیوں کے 'تد بھاو' الفاظ کے ہیئت ارتقا میں اتنا تنوع اور اُلٹ پھیر ہے کہ اُن کے آغاز و اصل کا قطعی تصور قائم کرنا محال ہو جاتا ہے۔ یہ اندرونی تنوع اور اختلاف ہمسایہ اور ایک تہ سے نکلی ہوئی بولیوں کے اثرات کی وجہ سے زیادہ پیدا ہوا ہے۔ لیکن اس کے باوجود جدید ہند آریائی زبانوں کے ارتقا کے مرکزی خطوط عموماً واضح ہیں۔

(د) جدید ہند آریائی زبانوں کا ترکیبی و صرفی ارتقا مجموعی طور پر یکساں ہوا ہے۔ ان جدید ہند آریائی زبانوں کی باہمی مشابہت اتنی قریبی ہے کہ اس سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ وسطی ہند آریائی بولیوں کے درمیان بھی یگانگت پائی جاتی تھی۔ اور یہ مشابہتیں جدید ہند آریائی عہد کے آغاز تک باوجود بولیوں کے

کے فرق کے موجود تھیں۔ جدید ہند آریائی زبانوں کی ترکیب و قماش (MORPHOLOG) میں ان کی صوتی کیفیات کی بہ نسبت زیادہ قدیم مواد کا توڑ جوڑ اور الٹ پھیر نظر آتا ہے۔ اس بارے میں قدیم ہند آریائی بولیوں (ویدک اور سنسکرت) کا براہ راست اصلی ورثہ بہت ہی کم ہے۔

(۵) جدید ہند آریائی زبانوں کا ذخیرہ الفاظ چار عناصر پر مشتمل ہے۔ (۱) تنسَم،

(۲) تَنَد بھاؤ۔ (۳) دِلِسی۔ (۴) و دِلِسی۔

(۱) تنسَم۔ وہ الفاظ جو سنسکرت اصل کے ہیں، ان کی ہیئت بھی سنسکرت جیسی ہے۔ اور ان میں کوئی صوتی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ جیسے سَنَدَر، دَبو، دِلش۔ بعض تنسَم لفظوں میں تھوڑی صوتی تبدیلی یا تلفظ میں ترمیم ہوئی ہے۔

(۲) تَنَد بھاؤ۔ تَنَد بھاؤ کا عنصر عوامی اور مقامی عنصر ہے۔ یہ وسطی

ہند آریائی اور جدید ہند آریائی بولیوں کا فطری سرمایہ ہے۔ یہ سرمایہ قدیم ہند آریائی سنسکرت یا براہ راست ویدک سے ہی حاصل ہوا ہے۔ مگر اس پر زمانہ کی کھرا د اور شکست و ریخت کا گہرا اثر پایا جاتا ہے۔ جدید ہند آریائی زبانوں کے الفاظ کی نمایاں اکثریت تَنَد بھاؤ عنصر کی ہی ہے۔ یہی عنصر نئی بولیوں کا وسطی دھارا ہے۔ اور پر اکرتوں میں بھی یہی گویا سب کچھ تھا۔ تنسَم الفاظ صدیوں کی نت نئی تبدیلیوں کے بعد بھانت بھانت کے تَنَد بھاؤ الفاظ میں فطری طور پر بدل گئے ہیں۔

مشاہدہ تھا (کتاب الہند) نیز پرافسر جیولس بلاک (JULES BLOCH) کی رائے اس کی تائید

کرتی ہے۔ (انڈو ایرین اینڈ ہندی، چٹرجی ص ۱۲۳۔)

یہ الفاظ زندہ، رواں دواں، خود شکن، خود گر، اور تازہ کار ہیں۔ یہ زبان کا جیتا جاگتا، چوچال، بہتا، بل کھاتا، سکرٹا، پھیلتا اور نئی لہروں میں بٹ جانے والا دھارا اپنے منبع سے نکل کر صدیوں کا سفر کرتا ہوا، خزانے ٹٹاتا اور زندگی کو شاداب و پرمعنی بناتا ہوا ہم تک پہنچا ہے۔ نئی بولیوں کے دوسرے عناصر خواہ تشتم الفاظ ہی کیوں نہ ہوں محض اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تشتم لفظ حرفی کمی بیشی، رد و بدل اور صوتی تبدیلیوں کے بعد تدبھاو بنے ہیں۔ یہ تدبھاو لفظ ہمیشہ چولا بدلتے رہے ہیں اور ان کا چولا بدلتا لسانی دور اور علاقائی بولیوں پیدا کرتا ہے۔ ان کی چمک داری سے جدت، نیرنگی اور کثرت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ ان لفظوں کی اصل ایک ہے۔ لہذا اس کثرت میں وحدت کی جلوہ گری ہے۔ تدبھاو کی مثالیں لاکھوں ہیں۔ مثلاً ماں، باپ، بھائی، بہن، روتی، پانی، کھانا، پینا، آنا، جانا، سونا، پیٹر، پودے، کھیت، ندی، تاؤ، ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، ناک، جینا، مرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ مثالیں تو اردو ہند کی (ہندوستانی) کی مثالیں ہیں۔ انہیں لفظوں کے متوازی اور مماثل الفاظ ہرنی ہند آریائی زبان میں پائے جاتے ہیں۔ جو ان زبانوں کی تدبھاو پونجی ہے اب ذرا تشتم کی شکست و ریخت کا نقشہ دیکھئے۔ یہی تبدیلی کی منزلوں کا مشاہدہ آنکھیں کھولنے والا ہوتا ہے۔ پُتر، تشتم سنکرت) ← پُتر ← پُت ← پوت پُت ← پُتا یا بُتا ← بیٹا +

دوہتر (سنکرت) ← دوہیت ← دیہیتا ← دھیتا ← دھیدا

← دھمی آ (دھیا) ← دھمی (دھدی) ← بھیا ← جھی (بنگالی)

دھیتا ← دھیدیا ← بھیتا ← بیٹیا ← بیٹی -

اسی طرح بھراتر سے بھائی، ماتر سے مان، پتر سے باپ، دیوش سے دن، ددرش سے دیکھنا وغیرہ وغیرہ

(۳) دیسی - جدید ہندوستانی زبانوں میں الفاظ کی بہت بڑی

تعداد ایسی ہے جسے آریائی ماخذ سے وابستہ نہیں کیا جاسکتا۔ ایسے الفاظ کول اور ڈراوری عہد سے منتقل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچے ہیں یہ اُن عوامی بولیوں کی یادگار ہیں جو آریائی بولی کے اثر و نفوذ سے پہلے ملک بھر میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس سے پہلے باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ کول ڈراوری الفاظ ویدک دور سے ہی آریائی بولی میں داخل ہونے لگے تھے۔ یہ عمل وسطی ہند آریائی دور میں بھی جاری رہا۔ اور جدید ہند آریائی زبانوں میں کول ڈراوری الفاظ کا ایک بڑا ذخیرہ فطری طور پر شامل ہے۔ مثلاً پھل، بیج، روپ، نیلا، کٹیا وغیرہ۔

دیسی الفاظ کی دوسری قسم آہنگ دار (ONOGATO POETIC)

لفظوں پر مشتمل ہے۔ مثلاً کٹکٹکٹانا، تپتپتپانا، جھلانا۔ لہلہانا وغیرہ۔

(۴) ودیشی - جدید ہند آریائی زبانوں میں بہت سے لفظ

غیر ملکی ہیں۔ یوں تو آریائی لفظوں کو بھی غیر ملکی کہا جاسکتا ہے۔ بہر کیف دیسی اور ودیشی کی اصطلاحیں اضافی ہیں اور بس۔ ورنہ ڈراوری، آریائی،

فارسی، عربی، وغیرہ سبھی الفاظ ودیشی کے جا سکتے ہیں۔ جدید ہند آریائی زبانوں میں اُن لفظوں کو نسبتی طور پر ودیشی کہا جاتا ہے۔ جو نہ تو آریائی ہیں (تسم اور تند بھاؤ) اور نہ دیسی کول ڈراوری۔ اُردو کے علاوہ کم و بیش سبھی ہند آریائی زبانوں میں ایسے بہترے بدیشی الفاظ ہیں۔ اس گروہ کے سب لفظوں کے متعلق یہ کہنا بہت مشکل بلکہ بعض اوقات ناممکن ہے کہ یہ کب اور کس طرح زبان میں داخل ہوئے۔

اُردو زبان اُس دور کی پیداوار ہے جب دوسری جدید ہند آریائی زبانیں آپ بھرنشوں سے پیدا ہو رہی تھیں۔ اُردو بھی اُسی جدید ہند آریائی دور کی پیداوار ہے۔ لیکن دوسری جدید ہند آریائی زبانوں کے مقابلہ میں اس کی تخلیق زیادہ مرکب، پیچیدہ، بالبدہ اور ارتقا یافتہ انداز میں ہوئی ہے۔ اُردو بلاشبہ ایک جدید ہندوستانی زبان ہے۔ لیکن صفت ”آریائی“ پر غیر متوازن اور حقیقت و حق اور ہندی تہذیب کے جلوہ صد رنگ کے خلاف ہے۔ یہ تاکید ساری جدید ہند آریائی زبانوں کے ارتقا کو پیش نظر رکھتے ہوئے صحیح نہیں۔ نہ تو ملک ہند خالصتاً یا بہ اعتبار اکثریت ”آریہ ورت“ ہے۔ اور نہ یہاں کی کوئی جدید ہند آریائی زبان خالصتاً آریائی کہلانے کی مستحق ہے۔ خاص کر اُردو کو اپنے ڈراوری ورثہ پر وہی فخر ہے۔ اسے اپنے ہند آریائی یا سامی یا ہند ایرانی ورثہ پر ہے۔

دوسری اہم بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ”قدیم اُردو“ یعنی ابتدائی

”ریختائیں“ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پیدا ہوتی رہی ہیں۔ یوں تو ہر جدید ہند آریائی اور ہر جدید ڈراویری زبان پر عربی اور فارسی زبانوں کا اثر پڑا ہے۔ لیکن اُردو زبان کے ارتقا میں عربی و فارسی زبانوں کا خاص اثر پڑا ہے۔

تیسری اہم بات یہ ہے کہ اُردو زبان کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک علاقائی اور دوسری ہندوستان گیر۔ اس عمل ارتقا کا اظہار بہت ہی مرکب اور پیچیدہ حرکت کے ساتھ ہوا ہے۔ اس راہ میں ”قدیم اُردو“ کے مختلف ساپنچوں کی منزلیں آئی ہیں۔ اور ان منزلوں میں ایک اہم ترین منزل ”کھڑی بولی“ کے ساپنچے سے بننے والے ریختہ کی منزل تھی۔ بعد ازاں اس معیاری ساپنچے کے مستحکم ہو جانے کے بعد عہدِ وسطیٰ میں ”معیاری اُردو“ کے ہندوستان گیر بننے کی مختلف منزلیں آئیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُردو کی تخلیق کے سلسلہ میں ”کھڑی بولی ریختہ“ کا مرکب ساپنچہ نگاہِ فطرت میں منزلِ مقصود کی حیثیت رکھتا تھا۔ ہر کیف جدید ہند آریائی زبانوں میں زبانِ اُردو کو نمایاں انفرادیت حاصل ہے۔ اور یہ انفرادیت لسانی اُردو ادب کے مزاج کو بھی منفرد و مشخص بنانے میں مدد و معاون ہوئی ہے۔

اُردو زبان و ادب کے سلسلہ میں کسی مقامی نظریہ کی تائید سائنسی حقیقت اور صداقتِ محض کے خلاف ہے۔ اُردو زبان کی پیدائش کے متعلق کسی جزوی یا سادہ تصور کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اس کے بجائے اب اہلِ خبر و نظر کُل حقیقت اور بالیدہ و مرکب قماش کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ حیات کی جس رُونے، تہذیب کی جس

تحریک نے، اور تاریخ کے جس دور نے اردو زبان کو پیدا کیا وہ بہت ہی وسیع،  
تدار و مرکب کیفیت زندگی تھی۔

ویدک اور سنسکرت یا قدیم ہند آریائی زبان کا دور پندرہ سو سال قبل  
میسج سے پانچ سو سال قبل میسج تک ہے۔ وسطی ہند آریائی زبان کا عہد قریباً  
پچھ سو سال قبل میسج سے ہزار سال بعد میسج تک اور جدید ہند آریائی کا زمانہ  
ہزار سال بعد میسج سے آج تک۔ وسطی ہند آریائی زبان کے عہد میں پراکرتوں  
کا دور دورہ تھا۔ پراکرتوں کے تین دور ہوئے ہیں۔ آخری بحوری دور کا  
نام 'آپ بھرنش' ہے۔ جتنی پراکرتیں بھین اتنی ہی 'آپ بھرنشائیں' دراصل  
یہ پراکرتوں کی بدلی ہوئی صورتیں بھین۔ یہی 'آپ بھرنشائیں' بعد میں بھاشاؤں  
کے الگ ناموں سے یاد کی جانے لگیں۔

تین بڑی پراکرتیں ارض ہند میں پھیلی پھولی ہیں۔ شورسینی، مہاراشٹری اور  
ماگدھی۔ شورسینی، وسطی مغربی علاقہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ مہاراشٹری جنوبی علاقہ  
میں اور ماگدھی مشرقی علاقہ میں۔ یہ تینوں پراکرتیں ایک دوسرے کو متاثر کرتی  
رہی ہیں۔ اور ان کے اثرات ہند کی دوسری پراکرتوں پر بھی پڑتے رہے  
ہیں۔ مگر عام طور پر لسانی لہریں مغرب سے مشرق کی طرف جاتی رہی ہیں مغربی  
اور وسطی زبانوں کی حیثیت اکثر و بیشتر معیار ہی رہی ہے۔ لیکن موریہا خاندان  
کے عروج کے زمانہ میں تہذیب اور زبان کی لہریں مشرق سے مغرب کی  
طرف بڑھنے لگیں۔ لہذا ماگدھی پراکرت کے اثرات شورسینی اور مہاراشٹری پر

زمانہ تک پڑتے رہے۔ تاہم خود پالی ایک ایسی اُردو ماگدھی زبان تھی جس پر مغربی پراکرتوں کا نمایاں اثر پڑا۔ یہ بھی نہایت اہم حقیقت ہے کہ ہمارا شری <sup>مٹ</sup> پراکرت صرف شوریسی سے فیضیاب نہیں، بلکہ اسی کی ایک شاخ تھی۔

مذکورہ بالا حالات میں یہ کہنا کہ بعد کی آپ بھرنشائیں۔ یا بھاشائیں خالص رہی ہوں گی۔ صحیح نہیں۔ ساخت و ترکیب میں یہ بھاشائیں خصوصاً ان کی ادبی شکلیں قریبی اور دوسری ترقی یافتہ بھاشاؤں سے بہت متاثر ہوتی رہی ہیں۔ راجستھانی پنگل (ادب شعری کی زبان) کھڑی بولی سے متاثر رہی۔ برج بھاشا کا اثر دوسری بھاشاؤں پر پڑتا رہا۔ اور وہ خود بھی دوسروں سے اثر قبول کرتی رہی۔ بہار کی میتھل بھاشا نے بنگالی بھاشا کو متاثر کیا۔ اور خود اس کے اثر میں آئی۔ اسی طرح اودھی اور بھوجپوری نے ایک دوسرے کو متاثر کیا۔ راجستھانی پنگل نے بہت سی بھاشاؤں کی ادبی زبان پر اپنا سکہ جمایا۔ یہاں تک کہ دور دراز کی بنگالی پر بھی (چڑھی)۔ اُردو کی پیدائش کے سلسلہ میں یہ بحث کہ اس کا بنیادی لسانی سانچہ کون سا ہے، اہم ضرور ہے۔ اور اس امر کا تعین لازمی ہے۔ لیکن ابتدائی یا بنیادی سانچے کو حد سے زیادہ قطعیت دے دینا صحیح نہیں ہوگا۔ تھوڑی خلط ملط کی گنجائش رکھنی ہوگی۔ کیونکہ قدیم ہند آریائی عہد سے لے کر جدید ہند آریائی زمانہ تک

۱۔ ملاحظہ ہوں وولنر، لاؤ اور چڑھی کی کتابیں۔ ۲۔ انڈیا ایرین اینڈ ہندی۔ چڑھی ص ۸۶-۸۵  
دکھنی ریختہ بھی کھڑی بولی ہندوستانی پنجابی ریختہ کی شاخ ہی تھی۔



لسانی ساچنے خلطِ ملط ہوتے آئے ہیں اور آج تک ہو رہے ہیں۔

اُردو زبان بھاشا اور فارسی و عربی کے میل سے بنی ہے۔ اس ریختہ اُردو پر ارتقا کے کئی دور گزرے ہیں۔ میں ان ادوار کا مختصراً جائزہ لینا چاہتا ہوں۔ میں نے اپنے کئی مقالوں میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ میں ریختہ یعنی ”قدیم اُردو“ کی صرف ایک شکل تسلیم نہیں کرتا۔ بلکہ میرا یہ نظریہ ہے کہ جتنی ”بھاشائیں“ ہند میں تھیں، اتنی ہی ریختائیں بنیں۔ ان مختلف ”ریختاؤں“ کے عہد کو ”اُردوئے قدیم“ کا عہد کہنا چاہیے۔ جبکہ اُردو زبان کا لسانی ساچنہ متعین نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد اُردوئے وسطیٰ کا عہد آتا ہے۔ پھر اس دور کی تکمیل کے بعد میاری اُردو کی منزل آتی ہے۔ اور اُردوئے مُعلّیٰ کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ جو آج تک منتهی ہے۔

ابتدائی اُردو، یا اُردوئے قدیم کا تصور میرے ذہن میں یوں ہے کہ کم و بیش ملک کے ہر خطے میں وہاں کی مقامی بھاشا کے ساتھ عربی و فارسی الفاظ ملتے رہے۔ اور اس آمیزش سے ریختہ کی ابتدائی قماشیں پیدا ہوئیں۔ ”دورِ آمیزش“ بھی ایک وسیع دور تھا۔ قطیعت کے ساتھ تو کہا نہیں جاسکتا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس عمل میں بھی چند صدیاں لگیں۔ اس کے بعد ”دورِ ترکیب“ شروع ہوا۔ یعنی

۱۔ (الف) ’بولیوں کا سنگم‘: ۱۹-۳۸ تحقیق و تنقید از اختر اورینوی۔

(ب) ’سور داس اور ملی داس پر اُردو کاغذ‘: ۱۸۷-۱۹۸ تحقیق و تنقید۔ بیٹا

(ج) ’اُردو زبان کا ارتقا‘ سالنامہ ادبِ لطیف، لاہور ۱۹۵۳ء ص ۹۱-۹۷ بیٹا۔

ریختائیں اب آمیزہ نہیں مرکب تھیں۔ اس عہد میں بھاشاؤں اور عربی و فارسی کے امتزاج میں اب گول مرچ نمک کے میل کی صورت نہیں تھی بلکہ شیر و شکر کے بالکل گھل مل جانے کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ ملکی اور غیر ملکی الفاظ از دواج کی کامیاب منزل طے کر کے ایک خاندان کے اراکین بن گئے تھے اور اب ایک متحدہ کنبہ کی تخلیق ہونے لگی تھی۔ صورت حال یہ تھی کہ سندھی، ملتان، پنجابی، ہندوستانی (کھڑی بولی)، برج، راجستھانی، گجراتی، مراٹھی، ہریانوی، بندیلی، اودھی، بھوجپوری، گئی، میتھلی، بنگالی ریختائیں وجود میں آچکی تھیں۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ نئے ہندو آریائی لسانی دور میں بھی ریختہ کی لسانی لہر مغرب سے مشرق کی طرف بڑھی ہے۔ سندھ، پنجاب اور گجرات میں ریختہ کا سیال مرکب پہلے تیار ہونا شروع ہو گیا۔ اودھ، بہار، اور بنگال میں کچھ عرصہ کے بعد۔ ہاں مختلف وجوہ سے بعض علاقوں میں یہ عمل امتزاج ادھورا رہ گیا اور بعض میں ”ریختہ“ کی حالت تو پیدا ہو گئی مگر معیاری اردو کا رواج دیر میں ہوا یا خال خال ہوا۔ ریختاؤں کا مرکب بننے کا عمل اردو کے قدیم کے مختلف طبقوں میں ہوا اور ایک حد تک اس کے اثرات ”اردوئے وسطیٰ“ اور معیاری اردو تک قائم رہے۔ اسی دور میں لسانی عمل و رد عمل کا ایک اور پہلو شروع ہو گیا تھا۔ یعنی علاقائی ریختاؤں کو کھڑی بولی کی ریختہ متاثر کر رہی تھی۔ اس سطح پر بھی سارے ملک میں کم و بیش لسانی تبدیلیاں ہو رہی تھیں۔ شہروں اور قصبات میں پہلے اور

دیہاتوں میں بہت آہستہ آہستہ۔ اُردوئے وسطیٰ کے دور میں یہ رُو اور تیز ہو گئی اور کھڑی بولی ہندوستانی ریختہ کا معیاری زبان اور ادبی حیثیت سے غلبہ ہونے لگا۔

میں اُردوئے وسطیٰ کا دور اُسے کہتا ہوں۔ جب ہر لسانی علاقہ میں علاقائی ریختہ کے ساتھ کھڑی بولی ریختہ مل رہی تھی۔ اور ایک طے جملے ساپنجوں کی زبان استعمال ہونے لگی تھی، خصوصاً ادب کی تخلیق اور تہذیبی بول چال میں۔ یہ دور بھی تباہ دیرسپال حالت میں رہا۔

۱۔ دکن میں ایک حد تک حضرت خواجہ بندہ نواز کے زمانہ میں اُردو کا وسطیٰ دور شروع ہو گیا تھا۔ خود حضرت کے رسالے ”معراج العاشقین“ کی زبان ملی جلی ہے۔ اُردو شہ پارے، جداول ص ۲۰-۱۹ میں ڈاکٹر محی الدین زور لکھتے ہیں :

”سایناتی تحقیق کے لحاظ سے یہ (معراج العاشقین) ایک اہم چیز ہے۔۔۔۔۔ اس کی زبان کئی لحاظ سے قدیم دکنی سے مختلف ہے۔ اس کی صورت کھڑی بولی سے زیادہ متاثر معلوم ہوتی ہے۔ اور اس کے برخلاف دکنی نثر کی صورت کم دبیش پنجابی سے مشابہ ہے۔ حضرت خواجہ بندہ نواز نے کوئی ساٹھ برس دہلی میں بسر فرمائے (اور شاہجہان) لازمی طور پر آپ کی تحریر اُس زبان میں ہونی چاہیے، جو وہاں بولی جاتی تھی۔۔۔۔۔ حضرت خواجہ بندہ نواز کی زبان کھڑی سے متاثر اُردو ہے۔ اور اس کے برخلاف دکنی قدیم اُردو کی قدرتی طور پر ترقی یافتہ صورت جس میں بہت سی اصلی صفات و خصوصیات موجود ہیں۔“

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نے گلبرگہ (دکن) میں توطن اختیار کر لیا تھا (بقیہ ملاحظہ)

رفہ رفہ ہر لسانی علاقہ میں کھڑی بولی ریختہ ادبی اور متمدن سماجی فضا پر چھا گئی اور علاقائی ریختہ محض عوامی زبان کی حیثیت سے مروج رہی۔ علاقائی اور مقامی ریختائیں ادب العالیہ کی محفل سے اٹھ گئیں، تہذیبی مجلسوں سے بھی چلی گئیں۔ اور صرف لوک ساہتیہ اور دہقانی عوامی بولیوں میں اپنی پھین دکھانے پر اکتفا کرنے لگیں۔ میں اس دور کو معیاری اردو کا عہد کہتا ہوں۔ یہ فارم بڑی پیچیدہ منزلوں سے گذر کر مستحکم ہوا ہے۔ اردو زبان کے ابتدائی سانچے تو کئی ہیں۔ لیکن اس کا معیاری سانچہ کھڑی بولی یعنی بقول گریسن ”ورنکلر ہندستانی“ کی بنیاد پر قائم ہے۔

زبان کا معیاری سانچہ کیوں پیدا ہوا؟ یہ ایک دلچسپ سوال ہے لیکن اس کا جواب ہندستان کی لسانی تاریخ سے مل جاتا ہے جب بھی ہندستان میں کوئی ہندگیر تہذیب قائم ہوئی اور جب بھی ملک کے نظام میں کسی نوع کی مرکزیت پیدا ہوئی تو علاقائی زبانوں میں سے کوئی ایک زبان مختلف اسباب و علل سے آگے بڑھی اور ملک کے بڑے حصہ میں تہذیبی اور معیاری طور پر پھیل گئی۔ ایک زمانہ میں سنسکرت نے یہ فرض انجام دیا۔ پھر شورتسینی اور پالتی پراکرت نے، پھر مغربی آپ بھرنشوں نے۔ نئے ہند آریائی عہد میں داخل ہونے کے بعد علاقائی بھاشاؤں

---

(بقیہ حاشیہ منہ) ”نثر اردو کی تاریخ آٹھویں صدی ہجری سے شروع ہوتی ہے“ (سکسینہ)۔ یہ نوٹے چھوٹے چھوٹے مذہبی صوفیانہ رسالوں کی صورت میں ہیں۔ مثلاً شیخ عین الدین گنج العلم (متوفی ۷۹۵ھ) کے رسالے اور معراج العاشقین مصنفہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز گلبرگوی (متوفی ۸۲۵ھ)۔

میں ہندوستان کی صدارتِ لسانی کے لئے خاموشی سے مقابلہ شروع ہو گیا۔ لیکن یہ مقابلہ بیشتر مغربی بھاشاؤں کے درمیان ہی ہوا۔ اس عبوری دور میں زبانوں کے ہیولے دُغانی حالت میں تھے۔ پھر وہ ملی جلی سیال حالت میں آئے اور رفتہ رفتہ ساپنوں کا انجماد شروع ہوا۔ کبیر داس کی زبان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت معیاری ہندوستانی زبان کی تخلیق کا خیر اُٹھنے لگا تھا۔ مگر کبیر کی مقبول زبان ابھی سیال اور پینج میل تھی۔ اس زبان پر اودھی، کھڑی ہندوستانی اور برج بھاشاؤں کا اثر تھا۔ کبیر کی زبان کے بعد برج بھاشا کرسیِ صدارت پر بیٹھ گئی۔ اور اگرہ کی مرکزیت کا سہارا پا کر سارے ہندوستان میں تہذیبی، ادبی اور معیاری طور پر پھیلی۔ سور داس اور عبدالرحیم خاننانا جیسے عظیم فن کار اسے مل گئے اور یہ محسوس ہونے لگا کہ ہندوستان کی نئی متحدہ عظیم تہذیب کی معیاری زبان کا فیصلہ برج بھاشا کی ریختہ کے حق میں ہو گیا۔ لیکن ابھی تاریخ کو حرف آخر لکھنا باقی تھا۔ اگرہ کی مرکزی زبان کے ساتھ ”زبانِ دھلوی“ بھی دکن میں ترقی کر رہی تھی اور آخرش دھلی کو اگرہ پر فوقیت حاصل ہو گئی۔ اگرہ، اکبر اور جہاں گیر کی راجدھانی تھا اور شاہجہاں نے دہلی کو نئے سرے سے دارالسلطنت بنایا، اور اس واقعہ نے ہندوستان کی لسانی تاریخ کو گہرے طور پر متاثر کیا۔ اس سبب کے علاوہ اور بھی اسباب تھے جن کے نتیجہ میں ”زبانِ دھلوی“ معیاری ہندوستانی زبان بنی۔

”زبان دہلوی“ کیا تھی؟ زبان دہلوی کی دو حیثیتیں تھیں۔ ایک مقامی، اور دوسری ہندوستان گیر۔ جیسا پہلے ذکر آچکا ہے اس عبوری عہد کی کھڑی بولی ہندوستانی روحِ عصر کی ترجمان بن کر نکھرنے لگی تھی۔ اور وہ بھی پنجابی، برج اور اودھی کے ساتھ ریختہ کا روپ اختیار کر رہی تھی۔ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ”زبان دہلوی“ کوئی منہج اور ساکن چیز نہیں تھی بلکہ سیال اور متحرک۔ صدیوں میں اس کا معیار می سا پتہ متعین ہوا ہے۔

امیر خسرو (متوفی ۷۴۵ھ) شیخ باجن (متوفی ۹۱۲ھ) اور ابوالفضل نے ”زبان دہلوی“ کی منفرد حیثیت تسلیم کی ہے۔

دہلی کا شہر کھڑی بولی، ہریانی (بانگڑو)، برج اور میواتی (راجستھانی) بولیوں کے علاقوں کے مقام اتصال پر واقع ہے۔ راجپوتی عہد میں دہلی کی زبان پر میواتی راجستھانی اثر زیادہ تھا۔ ترکوں کے زمانہ سے لے کر شاہجہاں کے ابتدائی دور تک دہلی کی زبان پر لاہوری پنجابی اور ہریانی کا اثر زیادہ رہا۔ لیکن ساتھ ساتھ برج اور کھڑی بولی کے اثرات بھی ملے جھلے ہوئے تھے۔ تا آنکہ رفتہ رفتہ کھڑی بولی ہندوستانی ریختہ کا رواج سب پر چھا گیا۔ ترک فاتحین کے ساتھ جو زبان دکن گئی تھی وہ پنجابی اور ہریانی سے زیادہ متاثر تھی۔ لیکن اُس کی بنیادیں بھی کھڑی بولی سے فیضیاب تھیں۔ یعنی اُس عہد کی ”زبان دہلی“

عالم تاریخ زبان اردو۔ مسعود حین ص ۱۳۷ بحوالہ تاریخ ہند۔ ایلٹ اور ڈوسن ص ۵۶۲ جلد سوم

ہی دکن گئی تھی نہ کہ پنجابی۔ ہاں ”زبان دہلوی“ اُس وقت تک سیال حالت میں تھی اور اُس دور میں دہلی کی ہندوستانی زبان پر پنجابی اثر نمایاں تھا۔ ”زبان دہلوی“ کا آخری مَذہب ساپنج کھڑی بولی ہندوستانی کا فارم تھا، جو کچھ ترمیم و اصلاح کے بعد اُردو کا معیاری ساپنج بنا، اور مرکز کے علاوہ سارے ملک میں اس کے سکے چلنے لگے اور علاقے کے علاقے اس کی قلم رُو میں داخل ہوتے گئے۔

اس امر سے تو کسی کو انکار نہیں کہ اُردو اور ہندی کا معیاری بنیادی ساپنج کھڑی بولی ہندوستانی کی ہی اصلاح یافتہ شکل ہے۔ جو تَز بِلَاک، گَرِیرَسَن، گارِسان دَناسی، بَیمَنز، سونیتی کمار چٹرجی، محی الدین زور، محمود شیرانی، احتشام حسین، مسعود حسین اور شوکت سبزواری یہ سب مذکورہ بالا صداقت کو مانتے ہیں۔ لیکن قدیم اُردو کے اولین فارموں کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے میں اس پر بعد میں مختصر محاکمہ کروں گا۔ پہلے کھڑی بولی کے متعلق تھوڑی دُضا<sup>حت</sup> لازمی ہے۔

شورِ سینی پر اکر ت سے شورِ سینی اُپ بھرنش نکلی۔ اس شورِ سینی اُپ بھرنش نے مغربی ہندی کو جنم دیا جو سنسکرت کے قریب مستقل لسانی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ مگر یہ تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ مختلف بولیوں میں بٹ جاتی ہے۔ شورِ سینی اُپ بھرنش، مغربی ہندی (گَرِیرَسَن)، اور مَدھ دیشیا (چٹرجی) گویا ہم معنی ہیں۔ چٹرجی نے مَدھ دیشیا بھاشا کی مندرجہ ذیل تقسیم کی ہے۔

## شورسینی

تَنوَجی	مُندیلی	برج بھاشا	ہندستانی کھڑی بولی	بانگڑو یا ہریانی
بالائی	مُندیل کھنڈ	بریلی	انبالہ ضلع سے	جنوب مشرقی
دوآبہ	اور	آگرہ	رام پور تک	پنجاب
برج سے	وسطی ہند	متھرا	برج کے علاقہ	
پورب	کاکچھ حصہ	علی گڑھ	سے شمال	

{ رامپور، بجنور، مراد آباد، مغربی ریلکھنڈ، میرٹھ، مظفرنگر،  
سہارن پور، دہرہ دون اور مشرقی انبالہ }

گریسن نے اس کھڑی بولی کو ”درنکتر ہندستانی“ کا نام دیا ہے۔  
چٹرجی کے نزدیک شورسینی کی شاخ کھڑی بولی (ہندستانی) اُردو اور ہندی کا  
معیاری سانچہ ہے۔ (انڈو ایرین اور ہندی ص ۱۹)

اب میں اُردو کے قدیم ترین فارم کے بارے میں اپنا محاکمہ پیش کرنا چاہتا  
ہوں۔ اُردو کے قدیم بنیادی فارموں کے سلسلہ میں ڈاکٹر محی الدین زور کی  
ہندستانی لسانیات، پرافسر محمود شیرانی کی پنجاب میں اُردو، ڈاکٹر مسعود حسین  
کی تاریخ زبان اُردو، ڈاکٹر شوکت سہرواری کی اُردو زبان کا ارتقا، بڑی  
اہمیت رکھنے والی کتابیں ہیں۔ ان کے علاوہ علامہ سلیمان ندوی کا مجموعہ  
مضامین ”نقوش سلیمانی“ اور پرافسر حشام حسین کا ترجمہ ”ہندستانی لسانیات  
کا خاکہ“ (بیمز) مسئلہ زیر بحث پر روشنی ڈالنے والی کتابیں ہیں۔ زبان انگریز



میں متعلقہ لسانی مسائل پر معیاری کتابیں گریسن کی لنگوئسٹک سروے آف انڈیا اور سوینیٹی کمار چٹرجی کی ”انڈو ایرین اینڈ ہندی“ ہیں۔ ڈاکٹر محی الدین زور نے پچھلے دنوں زبان اُردو کے مسئلہ پر ایک مقالہ بعنوان ”اُردو اور پنجابی“ لکھا ہے (رسالہ نقوش، لاہور، جولائی ۱۹۵۲ء)۔ میرے خیال میں چند لسانی نظریے اہم ہیں۔ ڈاکٹر زور اور پرافسر شیرآنی پنجابی کو اُردو کا بنیادی فارم بتاتے ہیں۔ دوسرا نظریہ ڈاکٹر مسعود حسین کا ہے جو ہریانی (بانگڑویا جاٹو) کو اُردو کا بنیادی فارم قرار دیتے ہیں۔ تیسرا نظریہ برج بھاشا کو اُردو کا بنیادی ساچنہ بتاتا ہے۔ محمد حسین آزاد نے ’آب حیات‘ کے مقدمہ میں اسی خیال کا اظہار کیا ہے۔ چوتھا نظریہ کھڑی بولی ہندوستانی میں اُردو کا بنیادی ساچنہ پاتا ہے اور معیاری ساچنچے میں بھی اسی کی ساخت کو کارفرما بتاتا ہے۔ گریسن، بیمنر اور چٹرجی اسی امر کے قائل ہیں۔ علامہ سلیمان ندوی، سندھی بھاشا میں اُردو کا قدیم ترین فارم ڈھونڈتے اور پاتے ہیں۔ ڈاکٹر شوکت سمنواری شورسینی کی بجائے پالی کو اُردو زبان کی اصل قرار دیتے ہیں۔

میں اُردو کے قدیم فارم کے بارے میں اپنا خیال پہلے پیش کر چکا ہوں اور اسی سلسلہ میں لسانی نظریوں کا محاکمہ درپیش ہے۔ میری نظر میں اُردو کے قدیم فارم بہت سے ہیں۔ ہر بھاشا سے ریختہ بنی تھی۔ یہ تو تدریجی انکشافات پر منحصر ہے کہ اُردو کے قدیم فارم کہاں کہاں ملتے جاتے ہیں۔

ہاں ارتقائے زبان کے وسطی مرحلوں میں دہلی کے ارد گرد کی بولیوں، ہندوستانی کھڑی بولی، برج بھاشا اور ہریانی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ نیز مختلف لب و لہجے اور سانچے کی پنجابی بولی کی بھی اہمیت ہے۔ یہ بات پیش نظر رکھنے کے قابل ہے کہ پنجابی کے سوانینوں مذکورہ بولیاں شورسینی آپ بھرنش کی شاخیں نہیں اور خود پنجابی (مشرقی اور وسطی) پر شورسینی کا اثر مختلف دوروں میں پڑتا رہا تھا۔ عہد وسطی کے بعد رفتہ رفتہ ریختہ کا معیاری سانچہ کھڑی بولی کے فارم کے مطابق ڈھلتا گیا اور کچھ پنجابی اور برج کے سانچوں کے درمیان مفاہمت قبول کرنا گیا۔ اردو زبان کا معیاری سانچہ سو فی صد کھڑی بولی (درنظر ہندوستانی) کے مطابق نہیں۔ ہاں اردو کے معیاری سانچے کی ساخت بہت زیادہ کھڑی بولی سے مطابقت رکھتی ہے۔ کچھ اثرات پنجابی اور برج کے ہیں۔ کچھ متمیز مراکز اردو کی تراش و خراش، ترمیم و اضافہ، کھرا د اور پالش ہے۔

برج بھاشا کی بنیادی اہمیت کا نظریہ اب پیش منظر میں نہیں رہا۔ زور و شیرانی کا نظریہ اور مسعود حسین کا نظریہ زیادہ توجہ کے قابل ہے۔ زور صاحب کا جدید ترین خیال حسب ذیل ہے :

”زبان اردو کا پنجابی سے جتنا قدیم اور جتنا گہرا تعلق ہے۔ اتنا کسی اور زبان سے نہیں .. .. بعض لوگ غلط فہمی یا مقامی تعصب کی وجہ سے اردو کو ہندی یا سندھی یا برج بھاشا

یا کھڑی بولی کی بیٹی سمجھ لیتے ہیں۔“

(نقوش لاہور۔ جولائی ۱۹۵۲ء)

ڈاکٹر زور نے پرافسر محمود شیرانی کی کتاب ”پنجاب میں اُردو“ اور اپنی تحقیقات کا حوالہ دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اُردو سرزمین پنجاب میں پیدا ہوئی اور اس نے وہیں لسانیاتی نشو و نما حاصل کیا۔ یہاں تک کہ وہ اسے مستحکم اور مسلم الثبوت نظریہ بتاتے ہیں۔ میرا مطالعہ یہ ہے کہ پرافسر شیرانی نے کہیں بھی یہ نہیں لکھا کہ اُردو کا معیاری ساپنجہ پنجابی بھاشا کے ساپنجہ سے لیا گیا ہے۔ لیکن اُردو کے قدیم کے سلسلہ میں وہ پنجابی بھاشا کو بنیادی ضرورت قرار دیتے ہیں۔ شیرانی کے نزدیک نہ صرف مشرقی پنجاب کے اثرات اُردو کے قدیم پر ہیں بلکہ گتانی (مغربی پنجابی) کے بھی۔ لیکن وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وسطی اور معیاری اُردو میں پنجابی اثر کم ہوتا گیا۔ لکھتے ہیں :

”ظاہر ہے کہ اُردو اور پنجابی زبانوں کا وہ عنصر جو قدیم سے ان میں مشترک تھا، رفتہ رفتہ اُردو زبان سے خارج ہوتا رہا ہے۔“  
(پنجاب میں اُردو)

نیز یہ کہ :

”دھلی میں یہ زبان برج اور دوسری زبانوں کے دن رات کے باہمی تعلقات کی بنا پر وقتاً فوقتاً ترمیم قبول کرتی رہتی ہے

اور رفتہ رفتہ اُردو کی شکل میں تبدیلی ہوتی جاتی ہے۔“

قدیم اُردو میں پنجابی اثرات سے کون انکار کر سکتا ہے۔ سندھ کے بعد پنجاب ہی وہ علاقہ ہے جہاں مقامی بھاشائیں ’ریختہ پن‘ پیدا ہوا ہوگا۔ بلکہ قاسموں سے زیادہ غزنویوں کے عہد میں ملی جلی زبان کی ترکیب، تشکیل اور ترویج ہوئی ہوگی۔ پھر سندھ، گجرات یا مالابار کے اثرات وہیں تک رہے۔ وہ براہ راست اتنی وسعت اور شدت کے ساتھ دہلی، دکن اور ہند کے دوسرے علاقوں میں نہیں پہنچے جتنے پنجاب کے اثرات پہنچے۔ غریبوں، تنقلوں اور غلیبوں کے دور میں پنجابی ریختہ کا دباؤ دہلی، دکن اور بہار نے محسوس کرنا شروع کیا۔ مگر یہ یاد رہے کہ پنجابی ریختہ منجھ اور ریختاؤں کے ایک ریختہ ہے۔ پنجابی بھاشا سے کم سی لیکن دوسری بھاشاؤں میں بھی ریختہ پن پیدا ہونا شروع ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کا تہذیبی اثر ان کے سیاسی اثر سے زیادہ وسیع تھا۔ پرتھی راج راسو میں عربی و فارسی الفاظ ملتے ہیں۔ غرض یہ کہ ہر بھاشا کی ایک ریختہ بنی اور ہر ریختہ کا اپنا علیحدہ وجود ہے۔ پھر یہ ریختاؤں خلطِ ملط ہوئیں اور اس اختلاط و امتزاج کے لئے دہلی کا شہر سب سے بڑا مَعل تھا۔ پرافسر محمود شیرانی کو خود ان باتوں کا احساس ہے۔ مگر ارتقائے اُردو کا صاف نقشہ ان کے تصور میں نہیں۔ وہ لکھتے ہیں :

”ساتویں صدی ہجری میں اس میں وہ خصوصیات نظر آتی ہیں

جو ایک طرف اس کو پنجابی سے اور دوسری طرف برّج سے  
میز کرتی ہیں۔“ (پنجاب میں اُردو)

”پنجاب میں اُردو“ کے اقتباسات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیرانی بھی  
آخر یہ ماننے پر مجبور ہوئے ہیں کہ پنجابی ریختہ اور ”اُردو کی شکل“ میں فرق نمایاں ہے۔  
نیز یہ کہ زبان اُردو کا آخری معیاری ساچہ کئی منزلوں اور مرحلوں کے بعد جا کر  
معیّن و مشخص ہوا ہے۔

ڈاکٹر محی الدین زور کے ہاں تھوڑا تضاد اور ابہام ہے۔ نقوش، لاہور والے  
مقالہ ”اُردو اور پنجابی“ میں وہ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں :

”اُردو، ہندی اور پنجابی تینوں زبانوں کے ارباب کو معلوم ہوگا  
کہ یہ تینوں زبانیں باہم دگر کتنی پیوست ہیں۔ اور یہ کہ سرزمین پنجاب  
نے ہندی اور اُردو کی شکل میں ہندستان اور پاکستان کو کیسی  
عظیم الشان نعمتیں عطا کی ہیں۔“

زور، صاحب ”ہندستانی لسانیات“ میں فرماتے ہیں :

”اُردو کا سنگ بنیاد دراصل مسلمانوں کی فتح دہلی سے بہت پہلے ہی رکھا  
جا چکا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اس نے اس وقت تک ایک مستقل زبان  
کی حیثیت نہیں حاصل کی جب تک مسلمانوں نے اس شہر کو اپنا پایۂ تخت  
نہ بنالیا۔ اُردو اس زبان سے مشتق ہے جو بالعموم نئے ہند آریائی دور  
میں اُس حصہ ملک میں بولی جاتی تھی جس کے ایک طرف عہد حاضر کا

شمال مغربی سرحدی صوبہ ہے۔ اور دوسری طرف الہ آباد ... ”

(ہندوستانی لسانیات ص ۸۹-۸۸)

اس بیان میں کتنا ابہام ہے۔ اوڈھیہ، مدھ دیشیا اور پراچیہ بھاشاؤں میں ہمیشہ فرق رہا ہے۔ یہ فرق نئے ہند آریائی دور میں مٹا نہیں۔ صوبہ سرحد اور مشرقی اتر پردیش میں بڑا فرق ہے۔ مگر آگے چل کر زور صاحب اکثر محققین کے خیال سے متفق ہو جانے ہیں۔ لکھتے ہیں :

” شمالی ہندوستانی پر کھڑی کا ایسا گہرا اثر مرتب ہوا کہ اس کی بہت سی ابتدائی یا اصلی خصوصیتیں مفقود ہو گئیں اور جو کچھ باقی رہی، وہ سب شدہ حالت میں ہیں “

(ہندوستانی لسانیات)

زور صاحب پنجابی اور کھڑی کے ابتدائی فرق کے بارے میں یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ” ابتدا میں وہ صرف ایک اندریجی تغیر ہوگا “ (لسانیات ص ۹۰) پھر لکھتے ہیں کہ :

” اُردو، نہ تو پنجابی سے مشتق ہے اور نہ کھڑی بولی سے۔ بلکہ اُس زبان سے جو ان دونوں کی مشترک سرچشمہ تھی اور یہی وجہ ہے کہ وہ بعض باتوں میں پنجابی سے مشابہ ہے اور بعض میں کھڑی سے۔ لیکن مسلمانوں کے صدر مقام صدیوں تک دہلی اور آگرہ رہے ہیں۔ اس لئے اُردو زیادہ تر کھڑی بولی ہی سے متاثر ہوتی گئی “ (لسانیات ص ۹۰-۸۹)

نیز لکھا ہے کہ :

” اُردو پر بانگڑ ویا ہریانی زبان کا بھی قابل لحاظ اثر ہے “ (ص ۹۰)

مذکورہ بالا اقتباسات پر غور کرنے سے زور صاحب کے بیانات میں تضاد معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت حال تک پہنچ جانے کے باوجود وہ اُردو کو پنجابی مصدر سے نکلتا ہوا بتاتے اور دوسرے قدیمی منبعوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

اب میں مسود حین کے نظریہ سے بحث کرنی چاہتا ہوں۔ میں مسود حین کو نظریہ کو زور اور شیرانی کے نظریہ کا مُصلح قرار دیتا ہوں۔ لیکن انہوں نے بھی ترازو کے دوسرے پلے پر زیادہ زور ڈال دیا ہے۔ ”مقدمہ تاریخ زبان اُردو“ میں مسود حین لکھتے ہیں :

”مسلمان پنجاب سے فارسی آمیز یا جدید پنجابی بولتے دہلی میں داخل ہوتے ہیں۔ دہلی میں اور اس کے پاس پاس ان کی مڈ بھڑکی بولیوں سے ہوتی ہے۔ اس پاس کے علاقوں میں ایک طرف پرانی ہریانی اور دوسری طرف پرانی کھڑی بولی، بولی جاتی تھی۔ چونکہ کسی قدیم زمانہ میں مشرقی پنجابی خود انہیں دونوں بولیوں کے زیر اثر پیدا ہوئی تھی۔ اس لئے پنجابی بولنے والوں کو برج بھاشا کی بہ نسبت کھڑی بولی اور ہریانی اپنے سے زیادہ قریب دکھائی دی۔ انہوں نے اس کی صوتیات اور صُوت و نحو کو پنجابی سے ملتا جلتا پایا۔ اس لئے ان کی نظر انتخاب (غیر شعوری طور پر) برج کی بجائے انہیں بولیوں پر پڑی جسے وہ بہت جلد بولنا سیکھ گئے۔ اور جس کی ابتدائی شکل کو انہوں نے اپنے پنجابی کُتب و لہجہ اور محاورے سے متاثر بھی کیا۔ اُردو کی نہ میں جو

بنیادی بولی ہے اس کا تعلق تو نواحِ دہلی ہی سے ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ سلاطینِ دہلی کے عہد میں اس پر اہل پنجاب کی زبان کا گہرا اثر رہا ہے۔ جس کی وجہ سے دو تین صدیوں تک اس کا اپنا کینڈا متعین نہ ہو سکا۔ اسی خام اور غیر متعین زبان کو مسلمان دکن لے گئے تھے۔ جہاں کچھ عرصے بعد اجنبی زبانوں کے ماحول میں اس کا اپنا معیار قائم ہو جاتا ہے (۱۳۹-۱۳۸) پھر لکھتے ہیں :

”سلاطینِ دہلی کے ابتدائی عہد میں چونکہ فوج میں پنجابیوں کی کثیر تعداد تھی، اس لئے سرزمینِ پنجاب کے لسانی اثرات حاوی تھے۔ لیکن بہت جلد بازار کی زبان فوج پر حاوی آگئی۔ جہاں تک بازار کی زبان کا تعلق ہے تحقیق سے کہا جاسکتا ہے کہ اس پر دہلی کے جنما پار والے مضافات کا اثر غالب رہا ہے“ (مقدمہ تاریخ زبان اردو ص ۱۲۲، بحوالہ پرافسر جلیس بلاک : بلیٹن اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز جلد ۵-۱۹۲۸)

نیز یہ کہ :

”موجودہ پنجابی ایک ”ملوان“ زبان ہے جو دو آبہ کی بولیوں کے زیر اثر بہت بعد کو ظہور پذیر ہوئی ہے۔ اور جس کے مقابلہ میں

مل : ”جب شمال کے مسلمانوں نے دکن پر حملہ کیا تو وہاں ان کے ساتھ وہی زبان گئی جو ابھی خام تھی۔ اور جس پر نواحِ دہلی کی زبان کا پورا اثر پڑنے نہیں پایا تھا۔ یہ غیر محظوظ زبان دکن میں پھیل گئی اور بالکل نئے اصول پر نشوونما پانے لگی۔ وہ اب بہت سے محظوم ری جوشمال میں اردو کی تشکیل کر رہے تھے۔ اور جن کی وجہ سے وہاں اردو رفتہ رفتہ کھڑی بولی سے قریب ہوتی جا رہی تھی“ (ہندوستانی لسانیات) مل گریسن نے بھی مشرقی پنجابی کو ملوان زبان قرار دیا ہے۔ لسانیاتی تبصرہ ہند : جلد نہم حصہ اول ص ۱۹



متھرا، دہلی اور ہریانہ علاقوں کی بولیاں زیادہ قدیم ہیں۔ یہ بڑی دلچسپ حقیقت ہے کہ قدیم اُردو کی جن خصوصیات کو پنجابی سے منسوب کیا جاتا ہے، وہ دراصل اُس قدیم زبان کی خصوصیات ہیں جسے ہم اُپ بھرنش کی جدید شکل کہہ سکتے ہیں اور جو کسی زمانہ میں راجپوتوں کے سیاسی اقتدار کے تحت شمالی ہند کی مسئلہ ادبی زبان بن گئی تھی۔“ (ص ۱۳۵)

میرے خیال میں اس تحقیقات پر زیادہ اعتماد نہیں کیا جاسکتا کہ بازارِ دہلی پر ہریانہ کا اثر زیادہ تھا۔ مسعود حین پہلے تو فوج پر پنجابیوں کا اثر زیادہ مانتے ہیں اور بعد میں پروفیسر جو لیس ہلاک کا یہ قول پیش کرتے ہیں کہ سلاطینِ دہلی کے لشکر میں پنجابیوں سے زیادہ ہریانہ علاقہ کے جنگی اور اکھڑ لوگوں کی تعداد بھٹی میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے پاس ایسے کون سے تاریخی دلائل ہیں جن سے تشفی بخش طور پر یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ سلاطینِ دہلی کے عہدوں میں کب کون سے علاقے کے لوگ فوج شاہی میں زیادہ تھے۔ خود ہریانہ کا علاقہ جنوب مشرقی پنجاب میں واقع ہے۔ سائبانی اثرات کے اعتبار سے ہریانہ پر مشرقی پنجاب کی دوسری بولیوں کا اثر ضرور پڑتا رہا ہوگا۔ خود مسعود حین لکھتے ہیں :

”جنابا کر کے پنجاب میں داخل ہوئے تو جنوب سے شمال کی طرف

جو اضلاع ملتے ہیں حسب ذیل ہیں۔ دہلی، کرنال، انبالہ .... دہلی

(قطع نظر شہر دہلی) اور کرتال کے اضلاع کی زبان ہندوستانی نہیں ہے۔  
یہاں مغربی ہندی کی ایک دوسری بولی جس کا نام بانگڑو یا جاٹو ہے  
بولی جاتی ہے۔ اس پر راجستھانی اور پنجابی کی گہری چھاپ نظر  
آتی ہے۔ ضلع انبالہ تک پہنچتے پہنچتے راجستھانی کے اثرات زائل ہو  
جاتے ہیں“ (ص ۹۳)

مسعود حسین مشرقی انبالہ اور ٹپالہ کی بعض تحصیلوں کی زبان کو ہندوستانی  
بتاتے ہیں۔ جو پنجابی سے بہت زیادہ متاثر ہو گئی ہے۔ اس کے باوجود وہ اس  
خیال کی تکرار کرتے ہیں کہ ”قدیم اُردو جہنا پار کی ہریانہ بولی سے قریب تر تھی“  
مشرقی پنجابی اور ہریانہ میں بہت سی متحد باتیں تھیں۔ اُردو کے قدیم کی بعض  
شکلوں پر پنجاب کا براہ راست اثر ہے یا ہریانہ کے واسطے سے یہ کمنا مشکل  
ہے۔ بہر حال اُردو کے معیاری فارم پر کھڑی بولی کے ٹھپہ کو مسعود حسین بھی تسلیم کرتے  
ہیں۔ دراصل اٹل اور ناقابلِ ترمیم بات اس سلسلہ میں اس لئے نہیں کہی جاسکتی  
کہ عصرِ قدیم میں بولیاں آپس میں خلط ملط تھیں اور دہلی کے نواح کی بولیوں (ہریانہ  
اور ہندوستانی) کے قدیم نمونے ناپید ہیں“ مسعود حسین بھی اور دوسری بھاشاؤں  
سے بنے ہوئے اُردو کے قدیم نمونوں کی طرف سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ لیکن حقیقت  
اپنی طرف بہر حال کھینچتی ہے۔ لکھتے ہیں کہ :

”در اصل اُردو زبان کے ارتقا کے سلسلہ میں دارالسلطنت اگرہ  
اور برج بھاشا نے جو حصہ لیا ہے اس پر بہت ہی کم زور دیا گیا ہے

اُردو زبان اور اس کے محاورے اور تلفظ کی وہ نئی شکل جس کی تکمیل  
بعد کو لکھنؤ جا کر ہوئی ہے۔ اُس کا بیج آگرہ ہی میں اکبر کے عہد میں  
ڈال دیا گیا تھا ۱ (ص ۱۷۱)

محمد حسین آزاد اور نصیر حسین خیال نے نو برقع ہی کو بنیاد اُردو کا۔ بات  
یہ ہے کہ ماہرین افراط و تفریط کے شکار ہو گئے ہیں۔ بعد کے اہل نظر ایک معیاری  
حقیقت تک پہنچے بھی ہیں تو ان میں سے اکثر ارتقاء اُردو کے مختلف مرحلوں  
منزلوں اور مقاموں میں سے کسی ایک کی طرف زیادہ ریجھ گئے ہیں۔  
قدیم اُردو کے ارتقاء کی مرکب در مرکب قماش کو سمجھنے کے لئے ”دکنی“ کا  
مطالعہ بھی ضروری ہے۔ دکنی زبان کے متعلق اس امر میں کسی کو اختلاف نہیں  
کہ وہ شمال ہندوستان سے ہی اُس دیار میں گئی تھی۔ مگر بعض باتیں تشریح طلب  
ہیں۔ اُردو کے قدیم کو اہل دکن ”زبان دہلوی“ بھی کہتے ہیں۔ ”ریختہ“ بھی ”دکنی“  
بھی، اور ”زبان ہندوستان“ بھی۔ ملاحظہ ہو :

”آغاز داستان، زبان ہندوستان۔ نقل۔ ایک شہر تھا۔ اس کا  
ناؤں سیستان۔ اس سیستان کے بادشاہ کا ناؤں عقل دین و دنیا  
کا تمام کام اس لئے چلتا۔ اس کے حکم باج ذرا کیں نہیں ہلتا۔۔۔۔۔“  
(سب رس : وجہی)

۱۷۱

شیرانی کہتے ہیں کہ :

”ایک دلچسپ امر یہ ہے کہ جب اہالی دکن نے اُردو کا نام دکنی

رکھا، ابالی گجرات نے اس کا نام ”گجراتی“ یا ”گوجری“ رکھ دیا۔  
میرے خیال میں اس امر کی بنیادی وجہ موجود تھی۔ یعنی یہ کہ ہندوستانی ریختہ  
کا اثر دکنی یا گجراتی ریختہ کی زمین پر ہی پڑا تھا اور عہد وسطیٰ تک مقامی اثرات  
صاف نظر آتے تھے۔ کہیں تیسری منزل پر پہنچ کر کھڑی بولی ہندوستانی کا غلبہ  
ہوا ہے۔ یہ تیسری منزل ہر علاقے میں الگ الگ وقتوں میں آئی ہے۔

سب رس کے مقدمہ میں مولانا عبدالحق یوں رقم طراز ہیں :  
”اگرچہ وہی گو لکھڑہ کا ہے۔ اور گو لکھڑہ اور حیدر آباد لکھڑے  
میں ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ مڑی مثل تو ایک جگہ لکھڑا  
ہے۔ اور ایک آدھ گجراتی لفظ اور شعر بھی استعمال کرتا ہے۔ مگر  
کہیں تنگی مثل یا فقرہ یا لفظ (سوائے درا یا درائی کے جس  
کے متعلق ابھی مجھے شبہ ہے) اس کتاب میں نہیں آیا۔ اہل ہند  
سے مراد مصنف کی ہمیشہ شمال ہند والے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ لکھڑا  
ہے: ’بقول اہل ہند‘ پیاسا کیا منگتا پانی،۔ اسی طرح جب اہل دکن  
کی مثل یا قول کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے تو لکھڑا ہے: ’جون  
دکن میں چلیا ہے‘ (ص ۱۳۶) یعنی جیسا دکن میں مشہور ہے یا ’مثلاً  
بے دکن میں‘ (ص ۱۵۶) یا دکنی دھرا (ص ۲۲۶) اس سے صاف معلوم  
ہوتا ہے کہ مصنف شمالی ہند اور دکن کی زبان میں فرق کرتا ہے۔“  
(مقدمہ سب رس ص ۴)

اس فرق کی تین وجہیں ہو سکتی ہیں۔ اول تو یہ کہ دکن کی زبان پر مرہٹی اور گجراتی بھاشاؤں کا اثر تھا اور دوسرے یہ کہ غالباً اس وقت تک شمال ہندوستان کی اردو پر سے پنجابی اثر کم سے کم ہو گیا تھا۔ اور دکن میں ابھی تک پنجابی اثر کافی موجود تھا۔ تیسرے یہ کہ ہر علاقہ میں مقامی کہاوتیں مروج ہوتی ہیں۔ عبدالحی صاحب کو تنگی اثر نہ ہونے پر تعجب ہے۔ لیکن یہ بات کوئی ایسے تعجب کی بھی نہیں۔ دکن میں مرہٹواری علاقہ ہی شمال کا اثر زیادہ قبول کر سکتا تھا۔ خصوصاً شوریسی زبان کی شاخوں کا اثر، کیونکہ مرہٹی خود کسی قدیم شوریسی کی شاخ تھی اور تنگی ڈرواری زبان ہونے کی وجہ سے شمال ہند کی زبان سے میل نہیں کھا سکتی تھی۔ یوں تنگی کا ہلکا پھلکا اثر ہو سکتا تھا۔ میرے خیال میں دراصل مرہٹی بھاشا سے بنی ہوئی ریختہ جس پر پنجابی اور کھڑی بولی ہندوستانی ریختاؤں کے اثرات پڑے ”دکنی“ کہلائی اور گجراتی بھاشا سے پیدا شدہ ریختہ جس پر کچھ پنجابی، ہریانی کھڑی بولی ہندوستانی اور راجستھانی اثرات پڑے ”گجراتی“ یا ”گو جری“ کہلائی۔ یہ سب قدیم اردو کی مختلف شکلیں ہیں۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شمال ہندوستان خصوصاً دہلی سے جو زبان دکن گئی وہ کسی رشتہ دار بولیوں کا آمیزہ تھی۔ صرف پنجابی آمیز

۱۔ (۱) دکنی پر مرہٹی و گجراتی اثر - وائے وقت، بمبئی - (۱۱) مرہٹی کے بعض اسماء حروف

اور افعال دکنی میں مستعمل ہیں۔ مثلاً کیتک = کئی ایک؛ بسلا = بیٹھا؛ بسلا نا = بیٹھا نا؛ نکو = نہیں؛ یا زور اور تاکید کے لئے ”پج“ کا استعمال..... (تاریخ زبان اردو - مسعود حسین صاحب)

۲۔ ڈاکٹر من موہن گھوش کے حوالہ سے چترجی نے اپنی کتاب انڈو ایرین اینڈ ہندی ص ۸۶-۸۵ میں مذکور خیال

دہلوی یا ہندوستانی یا ہریانہ نہ تھی۔ خود مسعود حین آخرش یہ لکھتے ہیں :  
 ”مکن ہے کہ دکن میں بھی شمالی ہند کی ایک بولی نہ گئی۔ بلکہ کئی بولیاں  
 پہنچی ہوں۔ جن کی آمیزش سے بعد کو دجی اور قلی قطب شاہ کی  
 معیاری دکنی متشکل ہوتی ہے“ (تاریخ زبان اردو ص ۲۵۶)

وجہی اور قطب شاہ کے بہت پہلے سے دکنی کا ارتقا ہو رہا تھا۔ اُس  
 قدیم دور میں مرہٹی کی پنو پر مرہٹی ریختہ بنی اور بعد ازاں شمال ہند کی بولیوں  
 کی آمیزش سے عہد وسطیٰ کی دکنی بنی جسے پھر معیاری اردو نے اپنے مقام  
 سے ہٹایا۔ مشکل یہ ہے کہ جو لسانی نمونے ملتے ہیں وہ ادبی ہیں۔ قدیم ترین دکنی  
 بول چال کی زبان کا سراغ نہیں ملتا۔ لیکن موجودہ مرہٹی بولیوں کے مطالعہ سے  
 بہت کچھ معلوم کیا جاسکتا ہے، جن میں ریختہ پن موجود ہے۔ لیکن دکنی دیر  
 تک کھڑی بولی کے اثرات سے نہ بچ سکی۔ وئی کے عہد تک کھڑی کا غلبہ  
 دکن میں بھی ہو گیا۔

ڈاکٹر زور نے علامہ سلیمان ندوی کے بعض مقالوں پر تبصرہ کیا ہے۔ جس میں  
 پیدائش و ارتقاء اردو سے بحث ہوئی ہے۔ میں یہاں پر اس تبصرہ پر بھی تنقید  
 کرنی چاہتا ہوں۔

علامہ سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ :

”قرین قیاس یہی ہے کہ جس کو ہم آج اردو کہتے ہیں، اس کا ہیولی اس  
 وادی سندھ میں تیار ہوا ہوگا“ (نقوش سلیمانی ص ۳۱)

نیز یہ کہ :

”یہ مخلوط زبان سندھ، گجرات، اودھ، دکن، پنجاب اور بنگال ہر  
جگہ کی صوبہ وار زبانوں سے مل کر ہر صوبہ میں الگ الگ پیدا ہوئی“  
(نقوش سلیمانی ص ۲۵)

ان بیانات کے متعلق ڈاکٹر زور لکھتے ہیں :

”واضح ہو کہ مولانا سلیمان ندوی کے یہ عجیب و غریب و متضاد بیانات  
پنجاب میں اُردو، اور ہندوستانی لسانیات کی اشاعت کے بعد  
شائع ہو رہے ہیں، جن میں اس مسئلہ کو پوری طرح واضح کر دیا گیا  
تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے ان تحقیقی اور لسانیاتی کتابوں  
کے مطالعہ کی زحمت ہی گوارا نہ فرمائی“ (نقوش لاہور جولائی ۱۹۵۲ء)

میرے خیال میں مولانا سلیمان ندوی کے بیان میں کوئی تضاد نہیں۔ وضاحت  
و تشریح کی کمی ضرور ہے۔ پنجابی ریختہ کی اہمیت مسلم، مگر اس میں کیا شک ہے کہ  
سندھی ریختہ کو پنجابی ریختہ پر تقدم حاصل ہے، خصوصاً نئے ہند آریائی عہد میں۔  
کیونکہ عربی و فارسی بولنے والے پہلے پہل باضابطہ طور پر سندھ میں آئے اور دو سو  
سال تک جم کر رہے۔ سندھی بھاشا پر عربی و فارسی اثرات پڑے۔ لہذا یہ کہنا  
دور از قیاس نہیں کہ نئے ہند آریائی دور کے لگ بھگ اُردو کا ہیولی سندھ  
میں بنا۔ عین ممکن ہے کہ یہ ”ریختہ“ کا اولین ہیولی ہو۔ مولانا سلیمان ندوی نے  
کافی تاریخی دلائل پیش کرنے کے بعد لکھا ہے کہ :

”اس تشریح سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کی عربی و فارسی سب سے پہلے ہندستان کی جس دیسی زبان سے مخلوط ہوئی وہ سندھی اور ملتانى ہے۔ پھر پنجابی اور بعد ازاں دہلوی۔ سندھی پر اس اختلاط کی شہادت آج بھی اسی طرح نمایاں ہے ... ..  
 ... .. سندھی، ملتانى اور پنجابی آپس میں بالکل ملتی جلتی ہیں ... .. واقعہ یہ ہے کہ موجودہ اُردو ان ہی بولیوں کی ترقی یافتہ اور اصلاح شدہ شکل ہے۔ یعنی جس کو ہم اُردو کہتے ہیں اس کا آغاز ان ہی بولیوں میں عربی و فارسی کے میل سے ہوا، اور آگے چل کر دارالسلطنت دہلی کی بولی سے جس کو دہلوی کہتے ہیں، مل کر معیاری زبان بن گئی اور پھر دارالسلطنت کی بولی معیاری زبان بن کر تمام صوبوں میں پھیل گئی۔“

(نقوش سلیمانی ص ۳۴)

یہ واضح ہے کہ مولینا سلیمان ندوی نے اُردو کے ”ریختہ پن“ والے پہلو پر زور دیا ہے اور اس کے معیاری سلچنے کے بارے میں یہاں کچھ نہیں لکھا۔ اُنہوں نے ارتقائے زبان کی منزلیں غلط طور پر نہیں پیش کیں۔ لیکن زبان کی مختلف منزلوں خصوصاً منزلِ دہلی کی قماش و ساخت سے بحث نہیں کی۔ میں نے پچھلے صفحات میں حتیٰ الوسع اس مسئلہ کی وضاحت کی ہے۔ ڈاکٹر زور نے مولینا سلیمان ندوی کو بیانات کو اچھی طرح نہیں سمجھا۔ آخر الذکر نے ارتقائے اُردو کی کئی سچائیائیں



کی ہیں۔ مگر مجھے علامہ موصوف سے تھوڑا سا اختلاف ہے۔ اول تو میرا یہ خیال ہے کہ عربی و فارسی الفاظ مسلمانوں کے منظر عام پر آنے سے بہت پہلے ہی بھاشاؤں سے ملنے لگے تھے بلکہ یہ عمل پراکرتوں کے دور سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ ہندستان کے سرحدی اور ساحلی علاقوں میں عمل امتزاج تیز تر رہا تھا۔ علامہ ندوی نے خود عرب و ہند کے تعلقات قبل از اسلام پر ایک تحقیقی کتاب لکھی ہے۔ یہ عمل دو طرفہ تھا۔ قرآن حکیم میں ہندی الاصل الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ دوسرا اختلاف مجھے یہ ہے کہ اسلام کے بعد جب عربی و فارسی بولنے والوں کے اثرات بھاشاؤں پر پڑنے لگے تو وہ کسی ایک علاقہ میں محدود نہیں رہے۔ وقتاً فوقتاً ایک علاقہ مرکز کی حیثیت ضرور اختیار کر گیا۔ لیکن خالص سیاسی وجوہات کی بنا پر نہ صحیح، سماجی و تہذیبی اثرات کے تحت ہی سارے ملک میں کم و بیش مخلوط زبان پیدا ہونے لگی۔ لہذا میں اس باب میں قطعی قسم کی اولیت کا قایل نہیں۔ بعض خطوں کی اہمیت کا اقرار ضرور کرتا ہوں۔ تبسرا اختلاف مجھے یہ ہے کہ معیاری اردو کا سانچہ اس معنی میں ہرگز دہلوی نہیں کہ وہ اس علاقہ کا تھا جس میں شہر دہلی آباد ہے۔ دہلی کا شہر جیسا ذکر ہو چکا ہے، کئی علاقوں کے سنگم پر آباد تھا اور پھر مختلف دوروں میں اس کا جائے وقوع بدلتا رہا

---

۱۔ عرب و ہند کے تعلقات قبل از اسلام، علامہ ندوی ص ۷

بحوالہ حافظ ابن حجر و حافظ سیوطی۔ مثلاً ”مسک“ (’موشکا‘، ہندی سے بمعنی ’مشک‘۔ ”کافور“ (’کپور‘

ہندی سے بمعنی کافور) اور ’زنجبیل‘ (’زربنجیرا‘، ہندی سے بمعنی ادرک) ۷

ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں اُردو کے معیاری سانچے کو دہلوی کہنے لگے اور اس شہرِ تمدن و علم میں یہی کھڑی بولی کا سانچہ صدر مملکت ہوا۔ ان اہم امور کی وضاحت کرنی تھی، سو علامہ موصوف نے نہیں کی۔ یہ صحیح ہے کہ آخر الامر کھڑی بولی پر ڈھلی ہوئی زبان کو صدارت، قیادت اور عوامیت نصیب ہوئی

بہر کیف مذکورہ گذارشات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر زور نے صحیح فیصلہ نہیں فرمایا۔ اُردو کے قدیم کے سلسلہ میں سندھ کی اہمیت بھی مسلم ہے۔ مگر دوسرے خطوں کی اہمیت بھی قابلِ لحاظ ہے۔ ”اُردو کے قدیم“ ہندوستان گیر طور پر پیدا ہوئی اور ”معیاری اُردو“ کا بنیادی سانچہ بیشتر ہندوستانی کھڑی بولی ہے۔ جو مختلف تہذیبی مراکز میں نکھر، سنور، سج کر مجوب عالم ہوئی۔ سوینیٹی کمار چٹرجی جیسا مسلم الثبوت ماہر لسانیات بھی کھڑی بولی (ہندوستانی) کو اُردو ہندی کا بنیادی اور معیاری سانچہ قرار دیتا ہے۔ ملاحظہ ہوں چٹرجی کی دوسرے آراء کتابیں ”بنگالی زبان کا آغاز و ارتقاء“ (۱۹۲۸ء) اور ”ہند آریائی اور ہندی“ (۱۹۳۰ء)۔ اپنے مذکورہ مقالہ میں زور صاحب نے چٹرجی کے جو حوالے دیئے ہیں ان سے صرف اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ پنجابی اور کھڑی بولی ہندوستانی ایک ہی منبع و مصدر سے نکلی ہوئی بھاشائیں ہیں اور ان میں قریبی رشتہ ہے۔ اور یہ کہ بعد میں اُردو کے قدیم کے مختلف نمونوں پر پنجابی کا اثر پڑتا رہا ہے۔ ان سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ چٹرجی بھر اُردو کا اصلی وطن پنجاب ہی کو قرار دینے کی طرف مائل ہوتے ہیں“ (زور) اس کے برخلاف وہ نہایت واضح طور پر شورسینی

کی ہندوستانی کھڑی بولی شاخ کو اردو اور ہندی کا بنیادی سانچہ اور ہیئت قرار دیتے ہیں۔

”پس ہمیں ایک عام پسند و عام فہم زبان مل گئی، جو مغربی ہندی کی ’آ‘، بولی سے ترقی پا کر تیرھویں صدی میں اور اس کے بعد بنی تھی اس پر ابتدائی پنجابی کا اثر بھی تھا۔ اس کی ایک شکل کا سنجیدہ ادبی استعمال سولہویں صدی میں رکن میں ہوا۔ اور اس نے برج بھاکھا سے مل کر شمالی ہند کے مستقبل کی ادبی زبان کو اس کی مختلف مرکزی ہیئتوں میں سے ایک ہیئت عطا کی“ (اند و ایرن اور ہندی صفحہ ۱۹)

اردو زبان کی اصل کے بارے میں تازہ ترین کتاب ڈاکٹر شوکن سہنوار کی ’اردو زبان کا ارتقاء‘ ہے۔ سہنوار کی تحقیقات کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے۔

(۱) ”تمام آپ بھرنشوں کا ماخذ ادبی پراکرتوں کو بنانا قیاس اور حقیقت دونوں کے خلاف ہے“ (صفحہ ۷)

(۲) ”اردو جس آپ بھرنش سے نکلی ہے اس کا ذکر ’ہیم چندر‘ نے اپنی گرامر میں کیا ہے۔ اس آپ بھرنش میں آسمان و صفات اردو کی طرح ’اے‘ پر منتہی ہوتے تھے“ (صفحہ ۸۲)

(۳) ”شورسینی برج بھاشا کی ایک قدیم تر صورت ہے؛ یہ درست ہے لیکن ’برج ہندوستانی‘ کی بہن ہے، یہ غلط ہے، اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ برج اور

ہندوستانی دونوں نے 'شورسینی' سے جنم لیا۔" (ص ۸۴)

(۴) اُردو کی صرفی و نحو کی خصوصیات پر ایک نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُردو کا ماخذ 'شورسینی'، پراکرت یا اُپ بھرنش نہیں۔" (ص ۸۵) "اُردو شورسینی پراکرت، شورسینی اُپ بھرنش اور اس سلسلہ کی موجودہ بولیوں یعنی 'برج'، 'ہریانی'، 'بندیلی' وغیرہ سے ماخوذ نہیں۔" (ص ۸۶)

(۵) "اُردو، ہندوستانی یا کھڑی قدیم ویدک بولیوں میں سے ایک بولی ہے جو ترقی کرتے کرتے یا یوں کہیے کہ اڈلتے بڈلتے، پاس پڑوس کی بولیوں کو کچھ دیتے اور کچھ اُن سے لیتے اس حالت کو پہنچی جس میں آج ہم اسے دیکھتے ہیں۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ میرٹھ اور اس کے نواح میں بولی جاتی تھی۔ پالی اُس کی ترقی یافتہ ادبی اور معیاری شکل ہے۔ 'اُردو' اور 'پالی' دونوں کا منبع ایک ہے۔" (ص ۸۷)

(۶) "اُردو، جس بولی سے متفرع ہوئی اس کا قدیم فارسی اور پہلوی سے بہت قریب کا تعلق رہا ہے۔" (۹۰-۸۹)

(۷) "اُردو، کا یہ اختتامیہ (۱۷) 'پراکرت' اور اُپ بھرنش کے جس رُوپ سے لیا گیا ہے اس کا ایرانی گروہ کی زبانوں سے تعلق ہے۔ اس لئے شام سندر داس کا یہ قیاس صحیح ہو سکتا ہے کہ (۱۷) پر ختم ہونے والے اسماء جس 'اُپ بھرنش' میں پائے جاتے ہیں اور جس کا ذکر ہم چندر کے حوالے سے اوپر کیا گیا وہ 'پے شاچی' سلسلہ کی زبان ہے۔" (ص ۹۱)

شوکت سنہواری کے خیالات کے کئی پہلوؤں سے اتفاق کیا جاسکتا ہے۔

مگر وہ 'شورسینی' پر اکرت اور 'آپ بھرنش' سے کئی طور پر رشتہ توڑ لینے پر مصر ہیں۔ یہ انتہا پسندی ہے۔ دوسری بات یہ کہ "پالی" خود ایک معجون مرکب ہے۔ اُس سو سے رشتہ جوڑنا نسلی مسئلہ کو صاف نہیں کرتا۔ بہر حال سہزواری نے اُردو کی گہری اور قدیم بنیادوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور ایک لطیف لسانی نکتہ کی وضاحت کے لئے بصیرت افروز دلائل اکٹھے کئے ہیں۔

سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ ہمارے پاس قدیم ہندو آریائی دور کی عوامی بولیوں کے نمونے نہیں۔ ہاں اُس دور کی ادبی زبان 'ویدی' اور پھر 'سنسکرت' کے نمونے ملتے ہیں۔ اسی طرح وسطی ہندو آریائی بول چال کے نمونے نایاب ہیں چٹانوں یا لاٹوں کے کتبے یا سنسکرت ڈراموں کی پراکرتیں ایک حد تک ادبی حیثیت ہی رکھتی ہیں۔ لہذا پالی پراکرت بھی ادبی زبان ہی کہلائے گی۔ سہزواری کو یہ تسلیم ہے کہ "پالی ادب" فن اور فلسفے کی زبان ہے اور ہندوستانی روزانہ بول چال، لین دین اور کاروبار کی " (ص ۷۷)۔ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ "بول چال کی زبان کے تغیرات کا پتہ چلانا آسان نہیں" اگر "تمام آپ بھرنشوں کا ماخذ ادبی پراکرتوں کو بتانا قیاس اور حقیقت دونوں کے خلاف ہے" تو پھر پالی پراکرت کو بھی یہ حیثیت نہیں دی جاسکتی۔

میرے خیال میں اگر کھڑی بولی ہندوستانی کا منبع پالی کے مصدر سے ملتا ہے، تو کئی جہتوں سے شورسینی کے فخرج سے بھی جا ملتا ہے۔ سہزواری ہرگز یہ ثابت نہیں کر سکے کہ کھڑی بولی کی گرامر کو پالی گرامر سے نسبتاً زما

قربت ہے۔ ہاں یہ واضح ہوا ہے کہ بعض باتوں میں کھڑی بولی، شورسینی گرامر سے مختلف ہے اور پائی یا سنسکرت سے ملتی ہے۔ غالباً کھڑی ہندوستانی، شورسینی اور پائی کی جڑ ایک تھی اور یہ تنے اور شاخیں ہیں۔ سونیتی کمار چٹرجی بھی یہ نہیں مانتے کہ جدید ہند آریائی زبانوں کا ارتقا براہ راست ہوا ہے۔ شورسینی پر اگر ت 'مدھ دیش' کی اُس قدیم ہند آریائی بولی سے نکلی تھی۔ جس کی بنیاد پر کلاسیکی سنسکرت کی عمارت اس سے پہلے اٹھائی گئی تھی۔ دوسری پراکرتیں مختلف قدیم ہند آریائی بولیوں سے براہ راست نکلیں۔ یہ کہنا بالکل صحیح نہیں کہ پراکرتیں سنسکرت سے نکلی ہیں۔ سنسکرت پراکرتوں کی مان نہیں، بڑی بہن ہے اور نسبتاً زیادہ مذہب۔ اسی طرح جدید ہند آریائی بولیوں کو بھی ہم کسی ایک آپ بھرنش یا پراکرت کی بیٹی نہیں کہہ سکتے۔ لسانی شاخیں بہت ہی پیچیدہ طور پر کچھ قبل، کچھ بعد تنوں سے نکل نکل کر پھیلی بھی ہیں اور ایک دوسرے میں گتھم گتھا بھی ہوئی ہیں۔

شوکت سبزواری اس حقیقت کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں کہ پائی اور شورسینی بہت قریب کی زبانیں ہیں۔ اول تو پائی ملوان ادبی زبان ہے اور اس کا فائق حصہ شورسینی ہی کی کوئی قدیم شکل تھی۔ شورسینی، اور 'اردھ ماگدھی' کے مجموعے کو پائی کہتے ہیں۔ اس پر بودھی سنسکرت کی بھی پٹ پڑی ہے۔ نیز خود پائی میں ارتقائی کیفیت پائی جاتی ہے۔ یعنی پائی میں رد و بدل بھی ہوا ہے۔ غرض یہ کہ پائی کے لسانی فارم کی کوئی مستقل حیثیت نہیں جن صرفی و نحوی قاعدوں میں کھڑی

بولی بعد کی شورسینی سے مختلف نظر آتی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ قاعدے قدیم شورسینی میں ہوں۔ یہی پالی کا منبع ہے۔ شورسینی پر پشاپچی کا اثر بھی تو پڑا ہے۔ مثلاً (کے ۱) کی آواز قبول کرنے میں۔ عہد آشوک میں اُردھ ماگدھی کے اثرات بھی پڑتے رہے ہیں۔

بہر کیف شوکت سنہواری اُردو کے سانچے کو کھڑی بولی کا سانچہ ہی قرار دیتے ہیں۔ اور یہی ماہرینِ لسانیات کی رائے ہے۔ شوکت صاحب کی تحقیق سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ خود کھڑی بولی کی اصل کے بارے میں لطیف لسانی زاویوں کی طرف توجہ منحطف ہوئی۔ ظاہر ہے کہ 'کھڑی بولی ہندوستانی' پر 'شورسینی' پر اکرت کے علاوہ پشاپچی اور اُردھ ماگدھی پر اکرت کے قدیم اثرات بھی ہیں۔ اُردھ ماگدھی 'مدھ دیشیا' اور 'ماگدھی پر اکرت' کے درمیان مفاہمتی شکل ہے۔ اس طرح بہار کی قدیم بولی کا کسی نہ کسی حد تک کھڑی بولی ہندوستانی یعنی اُردو کی بُنیادوں کے قیام میں بھی دخل ثابت ہوتا ہے۔ سنہواری کی تحقیقات سے اس حقیقت کو تقویت پہنچتی ہے۔ سنہواری کی تحقیق نے اُردو، فارسی رنجتہ کا ایک قدیم جواز بھی پیش کر دیا ہے۔

میں اپنے محاکمہ کو مکمل کرنے کے لئے چند آخری معروضات پیش کرتا ہوں :-

میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ماہرینِ و مبصرین نے افراط و تفریط سے کام لیا ہے۔ اور دوسروں کے نقطہ ہائے نظر کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ ارتقاے

کے سلسلہ میں مسئلہ کے دو منفرد پہلوؤں کو غلط ملط کیا گیا ہے۔ قدیم اُردو کے مختلف سانچوں کا ریختہ پن ایک الگ پہلو ہے اور معیاری اُردو کے سانچے کا تعین ایک دوسری جہت ہے۔ گریسن، زور، شیروانی، ندوی، چٹرجی، مسعود حسین اور سبزواری نے ان دو پہلوؤں کو شرح و بسط کے ساتھ نہیں پیش کیا۔ نیز اس امر کا لحاظ بھی طرح نہیں رکھا گیا کہ خالص یک رنگی بھاشا کا وجود بولیوں کے عبوری دور میں ناممکن تھا۔ اس لئے لسانی سانچوں کے متعلق ذمہ دار حضرات نے بھی کٹر پن کے ساتھ باتیں کی ہیں۔ قدیم آپ بھرنش اور قدیم اُردو کے قدیم ترین نمونے جو اب تک ملے ہیں۔ اُن کی بُنیاد پر حرفِ آخر پیش کرنے کی عجلت غلط ہے۔ تحقیقات کا میدان وسیع ہے۔ نئے انکشافات سے فیصلہ بدلتے ہیں۔ اس لئے علوم میں کٹر پن کی گنجائش نہیں۔ اُردو کا ارتقا نہایت ہی پیچیدہ، مرکب، نازک و نیرنگ سامان لسانی قماشیں پیش کرتا ہے۔ مبصر و محقق کو ان تہہ دار نازک پردوں کے اٹھانے میں چابکدستی، لطافت و نفاست سے کام لینا چاہیئے۔

مختصراً، مسئلہ کے اہم پہلو یوں ہیں :

اول یہ سوال کہ جدید اُردو زبان کی اصل قماش اور اس کا انفرادی سانچہ نئے ہند آریائی دور کی کس بھاشا سے زیادہ قریب ہے؟ میری رائے میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستانی کھڑی بولی معیاری اُردو کا خاص تنا ہے۔ مگر کھڑی بولی کی اصل کا دو ٹوک تعین بہت مشکل اور مشتبہ ہے۔ دوم یہ کہ قدیم ترین ”ریختہ“ بھاشا سے بنی؟ اب تک کی تحقیقات کے لحاظ سے اس سوال کا تشفی بخش جواب



نہیں ملتا اور غالباً جواب ملنا ممکن بھی نہیں۔ ہند کی ہر آریائی اور غیر آریائی بھاشاؤں میں قدیم ”ریختہ“ کے نمونے ملتے ہیں۔ ہاں اس بارے میں پنجابی ریختہ، سندھی ریختہ، گجراتی ریختہ، ہریانی ریختہ اور دکنی ریختہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مگر سرحدی ریختہ، کھڑی بولی ہندوستانی ریختہ، برج ریختہ، اودھی ریختہ، گہی اور بنگالی ریختہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ نیز یہ کہ میباری اُردو کے فارم پر کھڑی بولی کے لسانی سانچے کے علاوہ چند اور بولیوں کے سانچوں کا بھی اثر ہے۔ مثلاً پنجابی، برج اور اودھی۔ بعض اہم ریختاؤں کے وسطی دور میں ہریانی یا پنجابی اثر نمایاں ہے، مگر علاقائی خصوصیات کے ساتھ یوں کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ قدیم اُردو کے قدیم ترین نمونے جواب تک لے ہیں۔ اُن کے بیشتر حصہ کو ”پنجابی ہریانی ہندوستانی“ آمیختہ کہہ سکتے ہیں۔ مگر رفتہ رفتہ ہندوستانی (کھڑی) ریختہ سب پر غالب آیا۔

# بَابِ اَوَّل

## بہار میں اردو زبان

### تمہید

عہد قدیم میں بہار، اوپنیشد کے برہم و دیا کا گوارہ تھا۔ چین دھرم اور بودھ مت نے یہیں پرورش پائی۔ اور عہد وسطیٰ میں صوفیائے کرام نے یہاں اسلام کا نور پھیلا یا۔

چھٹی صدی قبل مسیح سے پانچویں صدی بعد مسیح تک ایک ہزار سالہ دور ایسا گذرا ہے کہ سارے ملک ہند کی تاریخ پاٹلی پتر کے مرکز کے گرد گھومتی ہے۔ اور اس عظیم شہر کے سیاسی زوال کے بعد بھی اس کا تہذیبی اقتدار دورِ ازل تک قائم رہا۔ نہ صرف ملک کے اندر بلکہ ملک سے باہر بھی۔

جنوب مشرقی ایشیا اور مشرق وسطیٰ تک بودھ دھرم اور بہاری تہذیب کا اثر تھا۔ نالندہ اور وکرم شیلہ کی یونیورسٹیاں ایشیا میں علم و ثقافت کا مینار تھیں۔ علامہ سلیمان ندوی نے اپنی کتاب ”عرب و ہند کے تعلقات“ (۱۳۳-۱۳۲) میں یہ اہم تحقیق پیش کی ہے کہ عباسی عہد کا مشہور برہمنی خاندان بودھ تھا اور معبدِ نو بہار دراصل ”نو دیہارا“ تھا۔ ابن ندیم نے لکھا ہے کہ ”اسلام سے پہلے خراسان کا مذہب بودھ تھا“۔ بلخ خراسان کا ایک شہر ہے۔ معبدِ نو بہار اسی شہر میں واقع تھا۔ وہ مجوسیوں کا آتشکدہ نہیں بلکہ بودھوں کا ”دیہارا“ تھا۔ برآمدہ اسی معبد کے پجاری تھے جو ہارون الرشید کے عہد میں اسلام لاکر وزارت کے عہدہ تک پہنچے۔ بلخ حضرت عثمان کے عہد میں فتح ہوا تھا اور نو بہار کا متولی اُسی عہدِ سعادت میں مشرت بہ اسلام ہوا تھا۔ برہمن دراصل سنسکرت ہے یعنی ”پرکھ“۔ ڈاکٹر زخاؤ جو سنسکرت کے ماہر ہیں اس کے معنی ”برہمن“ مرتبہ والا کے کرتے ہیں۔ ”پرکھ“ سے ”پرہم“ اور پھر ”برہم“ ہو گیا۔

اوپر کی گزارشات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایران و عرب سے بہار کا تہذیبی تعلق بہت پرانا ہے۔ ایسی حالت میں بہار کی بھاشاؤں پر عربی و فارسی زبانوں کا اثر بودھ عہد خصوصاً دورِ نوریا سے ضرور پڑنے لگا ہوگا۔ اور یہی ریختہ کی بنیاد ہے۔ جسے ڈاکٹر اس۔ سی۔ سرکار ”پروٹو اردو“ کہتے ہیں۔ یاد ہے بارہویں صدی عیسوی تک نالندہ اور وکرم شیلہ کی یونیورسٹیوں میں

ایشیا کے طلباء جمع ہوتے تھے۔ ترک و تاتار و کشمیر کے علاقے اُس عہد تک بودھ دھرم کے پیرو تھے۔ میں زمانہ تاریخ نئی ہند آریائی زبانوں کی تاسیس کا دور ہے۔ یعنی بہار میں اسلامی اثر پہنچنے کے پہلے ہی یہاں کی پراکرت اور پھر اپ بھرنش پر عربی و فارسی زبان کے اثرات ضرور پڑنے لگے تھے۔ صوبہ بہار کا نام بودھ مہبہ ”ویہارا“ سے ہی حاصل ہوا ہے۔ اور اسی صوبہ کے نام کے ماخذ نے مشرق وسطیٰ میں ”نو ویہارا“ یا ”نو بہار“ کی بنا ڈالی۔

صوبہ بہار کا ترہٹ ڈیویزن کم و بیش میقتلہ ادیش کی پوحدی کے مطابق ہے۔ میقتلہ کے زوال کے بعد ویشالی کی طاقتور عوامی حکومت برسرِ اقتدار آئی۔ پٹنہ ڈیویزن قدیم سلطنت مگدھ سے تعلق رکھتا ہے اور بھاگلپور ڈیویزن کو کم و بیش ریاست آنگہ سے مطابقت حاصل ہے۔ آریائی اقتدار سے پہلے علاقہ بہار میں کول ڈراوری حکومتیں تھیں۔ چھوٹا ناگپور کا علاقہ تو عہد وسطیٰ کے استحکام تک آدمی باسی، کول ڈراوری قبائل کے ہاتھوں میں رہا۔ بہار پر آریائی قبائل کا قبضہ پہلے شمالی حصے میں ہوا ہے۔ لہذا آریائی ویدک اور سنسکرت زبانوں کی نشر و اشاعت پہلے شمالی بہار میں ہوئی۔ جنوبی بہار اس کے بعد بھی زمانہ تک غیر آریائی (کول ڈراوری) تہذیب و تمدن کا گوارہ رہا۔ مگر عصرِ اوپانشد کے اختتام کے قریب مگدھ ویش میں برہمنوں کی نوآبادیاں قائم ہونے لگیں۔ مگدھ کی پہلی راجدھانی ”راج گرہہ“ یعنی راجگیر تھی۔ رامائن میں اس کا تذکرہ آتا ہے۔ واسوچیدیا اوپاریچارانے اس کی

بنا ڈالی تھی۔ مہابھارت میں اس کے بیٹے برہمہ کا ذکر ہے۔ برہمہ کا  
 کا بیٹا جراسنڈھا شری کرشن مہاراج اور پانڈوؤں کا ہم عصر تھا۔ یہ بڑا طاقتور راجہ  
 گذرا ہے۔ بعض علمائے تاریخ کا خیال ہے کہ جراسنڈھا ڈراوڑی راجہ تھا۔  
 اس نے منٹھرا کے راجہ کنس سے اپنی بیٹی کی شادی کر کے شمالی ہند پر قبضہ کرنا  
 چاہا۔ بھیم (پانڈو) نے اسے قتل کیا۔

مگدھ دیش کا شاندار دور چھٹی صدی قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ یہ  
 بمبھارا اور اجات شترو کا عہد زریں تھا۔ شمال ہند میں مگدھ کی طاقت سب  
 سے بڑی اور سب پر فائق تھی۔ اس کی تہذیبی اور مذہبی اہمیت اس کی سیاسی  
 حیثیت سے بہت زیادہ تھی۔ مہاویر اور گوتم بدھ نے اپنی زندگیوں کا بڑا  
 حصہ یہاں بسر کیا۔ مہاویر کا انتقال بہار شریف کے پاس پاواپوری میں ہوا۔  
 اور گوتم بودھ راجگیر اور بودھ گیا میں تلاش حق و جستجوئے معرفت کرتے رہے۔  
 بودھ گیا میں ہی آپ کو نور ہدایت حاصل ہوا۔ بودھ دھرم کی چار بڑی مجلس  
 مشاورت میں سے دو بہار میں منعقد ہوئیں۔ ایک راجگیر میں اور دوسری  
 پاٹلی پتر میں۔

پاٹلی پترا (پٹنہ) ہندوستان کا پہلا شہنشاہی دارالسلطنت تھا۔ اجات شترو  
 نے یہاں ایک قلعہ تعمیر کیا تھا۔ اودیین نے پاٹلی پترا کا شہر بسایا اور راجگیر سے  
 راجدھانی وہاں منتقل کر دی۔

پاٹلی پترا نے نند راجوں کے زمانہ میں بڑی ترقی کی۔ یہ ہمارے سولہ

ہندوستان پر غلبہ حاصل کر چکے تھے۔ عہدِ موریہ میں تو پاٹلی پتہرا ایک ایسی سلطنت عظمیٰ کا مرکز تھا جس کی سرحدیں کوہِ ہندوکش اور میسور کے کہستانوں تک وسیع تھیں۔ شہنشاہ اشوکا کے شاندار دور میں پاٹلی پتہرا سارے ایشیا کا سیاسی، تجارتی، تہذیبی اور ذہنی صدر مقام تھا۔

سلطنتِ موریہ کے زوال کے بعد باختر کے یونانیوں اور ساکا قوم (تورانیوں) مگدھ کو تاخت و تاراج کیا۔ ظاہر ہے کہ اس دور میں بھی یونانیوں کے ذریعہ ایرانی اثرات اور ساکا قوم کے ذریعہ تورانی اثرات مگدھ کی پراکرت پر ضرور پڑتے رہے ہوں گے۔ یونانی ایران میں رہ کر یہاں آئے تھے۔

پاٹلی پتہرا نے گپتا عہد میں نئے سرے سے ترقی حاصل کی۔ پانچویں صدی عیسوی میں گپتا سلطنت کی راجدھانی پاٹلی پتہرا سے اوتھین منتقل ہو گئی۔ ہیون سانگ (چینی سیفر) نے اس شہر کو ویران پایا (۶۴۵ء-۶۴۷ء)۔ غالباً ہن قوم کے حملوں نے اس شہر کو لوٹ کر ویران کر دیا۔ اور یہاں کے مالدار تجارت پینہ شہری جاوا، سماترا اور بآلی جزائر شرقِ ہند میں جا بسے۔

ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی میں بہار پر مختلف مغربی ہندوستانی سلطنتوں کے حملے ہوئے، اور وقتاً فوقتاً اُن کا اقتدار قائم ہوا۔ سانی اعتبار سے یہ پراکرتوں کا تیسرا دور تھا۔ یعنی آپ بھرنشوں کا عہد۔ اس دور میں مگدھی آپ بھرنش پر مغربی آپ بھرنشوں کا اثر ضرور پئے بہ پئے پڑتا رہا۔ یہ مرحلہ بھی بہار میں مغربی بولی کے اثر و نفوذ کی ایک اہم منزل ہے۔

طوائف الملوکی کے اس دور کے بعد گوپال، دھرم پال اور دیو پال کے زمانہ میں بہار، خصوصاً مگدھ کو پھر استقلال و استحکام حاصل ہوا۔ پال (بودھ) عہد میں نالندہ، وکرم شیلہ اور اودنت پوری کی یونیورسٹیوں کے ذریعہ اس دیار کو پھر ایک باریشیا کی ذہنی رہبری کا مقام حاصل ہوا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب نئی ہند آریائی زبانوں کی ناسیس ہونے لگی تھی۔ ظاہر ہے کہ بہار کی اپ بھرنشوں پر نہ صرف مغربی اپ بھرنشوں کا اثر پڑ رہا تھا۔ بلکہ شمال مغربی ایشیا کی زبانیں بھی مگدھ کی بھاشا پر اثر انداز ہو رہی تھیں۔

اسلامی عہد شروع ہونے سے پہلے بہار پھر ایک بار ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پریشان و تباہ حال ہو رہا تھا۔ قطب الدین ایبک کے سپہ سالار اختیار الدین محمد بختیار خلجی نے جنوبی بہار فتح کر لیا (۱۲۰۴ء)۔ بہار کا ایک بڑا علاقہ دہلی کے سلطانوں کے ماتحت ہو گیا۔ شاہ آباد، پٹنہ، بہار شریف، مونگیر اور بھاگلپور کے اضلاع ان کے زیر نگیں پہلے ہوئے۔ غیاث الدین تغلق کے عہد میں میتھیلہ (شمالی بہار) مفتوح ہوا (۱۳۲۴ء)۔ سولہویں صدی عیسوی میں بہار افغانوں اور مغلوں کے رقیبانہ مجادلہ کی آماجگاہ بنا۔ ترکوں اور افغانوں کے عہد میں بہار شریف دار السلطنت تھا۔

۱۔ اب پرافسر حسن عسکری نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ شمالی بہار عہد غلامان میں ہی سلطنت دہلی کے ماتحت ہو گیا تھا۔ مالک محروسہ میں درجہ جنگہ کا نام تاریخ میں ملتا ہے۔ اس عہد میں دہلی سے بنگال جانے والی فوجیں شمالی بہار سے آزادانہ گزرتی تھیں۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ جنوبی بہار پر دہلی کا اثر و اقتدار زیادہ تھا۔

شیر شاہ سوری افغان نے ۱۵۴۱ء میں پٹنہ کو اپنی سلطنت کا صدر مقام بنایا۔ اکبر اعظم نے ۱۵۴۲ء میں افغانوں سے بہار چھینا، پٹنہ فتح کیا اور بارہنیک بڑھتا چلا گیا۔ وہ خود اس مہم کی قیادت کر رہا تھا۔ راجہ ٹوڈر مل اور صوبہ دار بہار منعم خاں نے صوبہ کو مختلف علاقوں کو مفتوح کیا۔ مغل حکومت چھوٹا ناگپور (بھارٹھنڈ) تک وسیع ہوئی۔ یہ عہد جہانگیر کا واقعہ ہے۔ مگر ۱۶۳۹ء تک کے سال قبائل بھارٹھنڈ کو زیر کرنے میں لگے۔ اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے پوتے عظیم الشان کو اٹھارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں صوبہ دار بہار مقرر کیا۔ شہر پٹنہ کا نام عظیم آباد رکھا گیا۔ ۱۷۳۳ء میں بہار اور بنگال کو ملا دیا گیا۔ ۱۹۱۲ء تک یہی عالم رہا۔ تا آنکہ برطانوی عہد میں بہار بنگال سے علیحدہ ہوا۔ ۱۹۴۷ء تک بہار پر مرہٹہ گردی بھی رہی۔ ۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی کی جیت کے بعد انگریز بنگال اور بہار پر قابض ہو گئے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اس صوبہ کے سپوتوں نے حصہ لیا۔ مگر یہ سحر آئرنے دوبارہ اسے فتح کر لیا۔

مسلم عہد میں بہار کے دار الخلافہ پٹنہ کی بہت بڑی سیاسی اور تہذیبی اہمیت پیدا ہو گئی تھی۔ بڑے بڑے شاہزادے یہاں صوبہ دار مقرر ہو کر آتے رہے ہیں۔ اکبر اعظم خود پٹنہ آیا۔ جہانگیر کا بیٹا شہزادہ پرویز یہاں کا صوبہ دار مقرر ہوا (۱۶۲۶ء)۔ شہزادہ عظیم الشان کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ نواب علی وردی خاں کا بھتیجا اور داماد نواب ہیبت جنگ ۱۷۳۸ء تک صوبہ دار بہار رہا۔ جنگ پلاسی کا مجاہد سراج الدولہ، نواب ہیبت جنگ کا بیٹا تھا۔ راجہ رام نرائن لعل ۱۷۵۲ء تک



نائب صوبہ دار بہار رہا۔ سلطنت دہلی کے نہایت ہی جلیل القدر اُمراء صوبہ بہار کے گورنر مقرر ہوا کرتے تھے۔ مثلاً راجہ مان سنگھ اور سیف خاں (۳۳-۶۱۶۲۸ھ) سیف خاں نے دریائے گنگا کے کنارے بہت بڑی مسجد اور مدرسہ تعمیر کیا۔ یہ مدرسہ عربی تعلیم و تعلم کا ایک عظیم الشان مرکز بن گیا تھا۔ چھٹی گھاٹ، محلہ خواجہ کلاں میں آج بھی مدرسہ اور مسجد کی عمارتیں موجود ہیں۔ مدرسہ سیف خاں کے نزدیک عدہ شاہجہاں کی ایک یادگار چلستون کے نام سے مشہور ہے۔ یہ چالیس ستونوں کا ایک محل تھا۔ فرخ سیئر اور شاہ عالم ثانی کی تاج پوشی اسی محل میں ہوئی تھی۔ پٹنہ سیٹی کا چوک تھا نہ اسی عمارت کی جگہ واقع ہے۔ شیر شاہ کا بنایا ہوا قلعہ پٹنہ میں صوبہ داروں کی قیام گاہ ہوا کرتا تھا۔ آج یہ قلعہ ہاؤس، رادھا کرشن جلان کے تصرف میں ہے۔

عظیم الشان اُمراء کے علاوہ جلیل القدر صوفیاء بھی صوبہ بہار میں تشریف لائے اور یہ ”ہندوستان کے روحانی فاتح“ یہیں کے ہو رہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ ان بزرگ اصفیاء میں سب سے اہم اور قدیم نام حضرت مخدوم یحییٰ منیری اور ان کے صاحبزادے حضرت مخدوم شرف الدین منیری ثم بہاری کے ہیں۔ منیر پٹنہ سے بارہ میل مغرب میں ایک قصبہ ہے۔ ترکوں نے اس پر ۱۲۶۶ھ میں اختیار الدین بن بختیار کے حملہ سے پہلے قبضہ حاصل کر لیا تھا۔ حضرت یحییٰ منیری کا انتقال ۱۲۹۲ھ میں ہوا۔ آپ کی قبر بڑی درگاہ منیر میں ہے۔

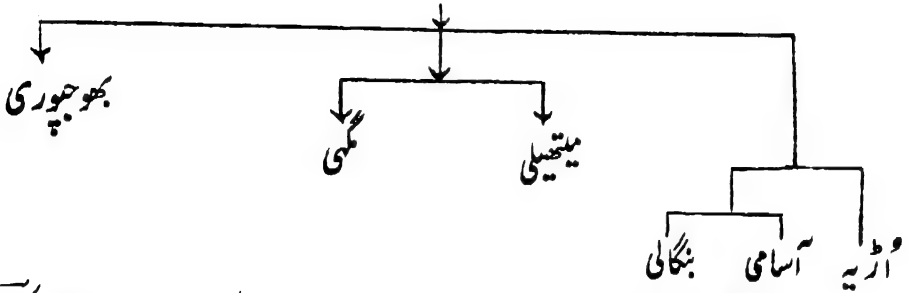
مذکورہ تاریخی حقائق سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صوبہ بہار کی زبان پر عربی و فارسی اثرات اور کھڑی بولی کے اثرات باضابطہ طور پر دہلی کے غلام خاندان کے سلطانوں

کے دور حکومت ہی میں پڑنے لگے تھے۔

علاقہ بہار کی قدیم ترین زبان تو کول اور ڈراوری یا اُن کا آمیزہ ہی تھی۔ آج تک چھوٹا ناگیور کے خطے میں آدی باسی قبیلے کول ڈراوری زبانیں بولتے ہیں۔ اور اُن کی اکثریت ہے۔ مگر چھوٹا ناگیور میں بھی آریائی زبان کا نفوذ بعد میں نمایاں طور پر ہوا۔ شمال بہار کے لوگ وہاں جا کر بسے ہیں۔ آریائی عہد میں بھی جنوبی بہار اور جھاڑکھنڈ (چھوٹا ناگیور) پر کول ڈراوری حکومتیں رہی ہیں۔ شمالی بہار پر بھی آریائی اقتدار ہندوستان کے وسطی اور شمال مغربی علاقوں پر غلبہ کے صدیوں بعد آیا۔ بہار کی قدیم ترین زبانیں آج بھی تبدیل شدہ شکل میں باقی ہیں۔ مثلاً اُڑاؤن، مُنڈا، ہو، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کول ڈراوری زبانیں زندہ اور قبائل چھوٹا ناگیور کے زیر استعمال ہیں۔

جب یہ کول ڈراور دیس آریائی قبضہ میں آیا تو ملک کے مشرقی علاقوں میں قدیم ہند آریائی بولی کی ایک خاص شکل مروّج ہوئی۔ اسے ”پراچیہ“ کہتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ اس پراچیہ بولی کی دو نمایاں شاخیں ہو گئیں۔ ماگدھی اور اُردھ ماگدھی پر اکرتیں۔ ان سے ماگدھی اور اُردھ ماگدھی آپ بھرنشیں بنیں۔ اُردھ ماگدھی آپ بھرنش سے اودھی، بھگیلی، اور چھتیس گڑھی بولیاں پیدا ہوئیں۔ اور ماگدھی آپ بھرنش کی مغربی شاخ سے بھوجپوری، وسطی شاخ سے گئی اور متھیلی اور مشرقی شاخ سے بنگالی، آسامی، اور اُڑیہ بولیوں نے جنم لیا۔ ملاحظہ ہو ذیل کا لسانی نقشہ۔ اس سے بہار کی آریائی بولیوں کا سلسلہ معلوم ہوتا ہے۔

## ماگدھی پر اکرت ماگدھی آپ بھرنش



مہاتما گوتم بودھ اور مہاویر کے وعظ و پند اصل میں پرآچہ بولی میں تھے۔ اُسوکا کے بعد اول الذکر کے مواعظ کو مغربی بولیوں میں منتقل کیا گیا۔ یعنی شوریسینی کے روپ میں ڈھالا گیا۔ مگر مشرقی ماگدھی اور اُردھ ماگدھی کا بنیادی اثر پختی سطح پر قائم رہا۔ یہی پائی زبان ہے۔ لہذا پائی زبان کے جتنے نمونے ملتے ہیں۔ اُن میں ہمیں بہار کی ماگدھی بولی کا سراغ ملتا ہے۔

خاص ماگدھی زبان کا قدیم ترین نمونہ رام گڑھ کی پہاڑی کے ایک غار میں ملتا ہے۔ اس غار کو جوگی مارا کہتے ہیں۔ یہ چھوٹا ناگپور کی سرگوجا ریاست میں واقع ہے۔ غار میں ایک عبارت بہ زبانِ گلی کندہ ہے۔ کتبہ کو ”سوتنوکا“ کتبہ کہا جاتا ہے۔ اس کا رسم الخط براہمی ہے۔ پتھر پر کندہ عبارت رقصہ سوتنوکا اور ایک بُت تراش دیودین کی غیر فانی محبت کی یادگار ہے۔ عبارت یوں ہے :

۱۔ ڈبلوگیگر: پائی گرامٹک۔

”سوتنوکا نام دیو داسیک اسی تم کم اسی تھ  
 بل فے اسی دیو دینے نام لوپ دکھے“

یعنی — سوتنوکا نام کی دیو داسی سے محبت کرتا تھا بنارس کا دیودین نامی  
 روپ بنانے والا۔

جوگی مارا غار کی عبارت تین سو سال قبل مسیح کی ہے۔ یہ دو ہزار سال  
 سے پہلے کی بہاری (مگدھی) زبان کا ایک نمونہ ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک کرطی وہ  
 براہمی مہر ہے جو پٹنہ میں دستیاب ہوئی ہے۔ یہ موریہ عہد سے قبل کی چیز ہے۔ اس  
 پر ”اگپس“ کندہ ہے۔ اسی طرح بودھ گیتا میں مہری ملی ہیں۔ یہ دوسری صدی  
 قبل مسیح کی ہیں۔ اسوکا کے کتبے بھی اسی سلسلہ کی کرطیاں ہیں۔ خصوصاً مشرقی اور وسطی  
 ہند کے کتبے۔ مگر اسوکا کے بعد ماگدھی بولی کی اہمیت گھٹتی گئی اور جیسے جیسے ہندیت  
 کی نشاۃ الثانیہ ہوتی گئی ماگدھی بولی نظروں سے گرتی گئی۔ کیونکہ اس میں غیر آریائی  
 ڈراورسی اثر دوسری ہند آریائی بولیوں سے بہت زیادہ تھا۔ یہاں تک کہ خود  
 ماگدھی اور اردھ ماگدھی علاقوں میں بھی شورسینی زبان ادبی حیثیت میں چل پکڑنے  
 لگی۔ خلعت تو ماگدھی اور اردھ ماگدھی بولتی تھی۔ مگر شورسینی ہی مہذب زبان سمجھی

۱۔ آثار قدیمہ ہند کے سروے کی سالانہ رپورٹ سن ۱۹۰۳ء و ۱۹۰۴ء۔ ص ۱۳۸۔ بحوالہ ”بنگالی زبان

کا آغاز و ارتقا: سونیٹی کار چٹرجی۔ چٹرجی نے عبارت کا سنسکرت فارم یوں دیا ہے۔

”سوتنوکا نام دیو داسیکا تم اکام ایشٹ وارالہ دیو دتو نام روپ۔ وکشہہ“

۲۔ ”بنگالی زبان کا آغاز و ارتقا: چٹرجی۔ اور تاریخ زبان اردو: مسعود حسین خاں، ص ۴۴

جاتی تھی اور پوربی شاعر بھی بجائے ماگدھی کے شورسینی اپ بھرنش ہی میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ دسویں تا تیرہویں صدی عیسوی کی قدیم ترین بنگالی نظمیں شورسینی اپ بھرنش میں لکھی گئی ہیں۔ ہاں ہمارے کے میتھلی علاقہ کے ایک شاعر ودیا پتی نے اپ بھرنش کے بعد کے فارم یعنی اپ بھرسٹ، میں شاعری کی ہے۔

۱۶۴۵ء تک ماگدھی بولیاں مُبیسر طور پر اپنی مختلف شاخوں میں نہیں بٹی تھیں۔ ہیون چیانگ، چینی سیفر (۱۶۴۵ء) نے ماگدھی کی شاخوں کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ یہ لسانی تفریق بعد میں عمل میں آئی۔ چٹرجی کا خیال ہے کہ مغربی ماگدھی اپ بھرنش ۱۶۵۰ء اور ۱۶۵۵ء کے درمیان منفرد و مشخص ہوئی ہے۔ اور اسی سبب دور کے معاً بعد ماگدھی ریختہ کا امتزاجی دور شروع ہوا۔ اوپر کے بیانات سے یہ بھی ظاہر ہو چکا ہے کہ شورسینی کا اثر بہت پہلے سے ہمارے پر پڑ رہا تھا۔ غرض یہ کہ کھڑی بولی کا اثر و نفوذ ادبی لحاظ سے یقینی طور پر بہت قبل ہمارے ہو چکا تھا اور ”پروٹو اردو“ کی تاسیس کے لئے عربی و فارسی کا اثر بھی دور قدیم سے پڑنے لگا تھا۔ لیکن اردو کے قدیم کی عمارت بارہویں صدی عیسوی کے آغاز سے اٹھنی شروع ہوئی۔

چٹرجی اس فیصلہ پر پہنچا ہے کہ مگھی بولی باضابطہ طور پر کبھی ادبی تخلیقات کے لئے استعمال نہیں کی گئی۔ لوک گیتوں اور عوامی کہانیوں سے قطع نظر ۱۶۵۰ء

۱۔ بنگالی زبان کا آغاز و ارتقا: چٹرجی ص ۹۱

۲۔ گریسن: لنگوٹ ملک سروے آف انڈیا، جلد پنجم، حصہ دوم۔

سے پہلے بہار میں بھی مغربی آپ بھرنشوں کے ادب پاروں کا ہی چلن تھا۔ گریسن اور بعد میں آرچر نے بہار کے لوک گیتوں کو جمع کیا تھا۔ آرچر کے مجموعہ کے پہلے حصہ میں چھوٹا ناگپور کے لوک گیت ہیں۔ دوسرا حصہ اب تک شائع نہیں ہو سکا۔ شکیلہ اختر نے رسالہ معاصر پٹنہ میں بہار کے مروجہ لوک گیتوں کے بارے میں ایک مضمون لکھا تھا۔ آج کل کے لوک گیتوں کے متعلق یہ کہنا مشکل ہے کہ ان کا کتنا حصہ قدیم ہے، کتنا وسطی اور کتنا جدید۔ ان گیتوں کے چند مشہور فارم یہ ہیں۔ بدیا، رسیا، پچیت، ساون، جھومر، ملہار وغیرہ۔ ان کے علاوہ شادی بیاہ کے گیت ہیں۔

بہار کی مقامی بولیوں میں میتھیلی نے ادبی لحاظ سے اپنی حیثیت قائم کی۔ میتھیلہ دلش کے مشہور شاعر ودیاپتی (نیرہویں صدی عیسوی) نے میتھیلی کے ساتھ ساتھ مغربی آپ بھرنش (اوہٹ) میں بھی شاعری کی ہے۔ اس سلسلہ میں اس کی دو کتابیں اہم ہیں۔ کرتی لتا اور کرتی پتا کا۔ ودیاپتی کی آپ بھرنش میں مروجہ مقامی زبان کی پٹ بھی ملتی ہے۔ وہ خود کہتا ہے، ”دلیسی بھاشا سب کو میٹھی لگتی ہے۔ اس لئے اس سے ملی ہوئی آپ بھرنش میں شاعری کرتا ہوں“ ودیاپتی کی پداولی بھی بہار کے لسانی ارتقا کو سمجھنے کے لئے ایک ضروری کتاب ہے۔

کرتی لتا میں ریختہ پن موجود ہے۔ آپ بھرنش کے بین بین فارسی اور

عربی الفاظ ملتے ہیں۔ مثلاً: خداوند (خداوند)، وحیر (وزیر)، صدر دارگہ (صدر درگاہ)،  
 نلج گہ (نماد گہ)، بارگہ، پھرمان (فرمان)، پاپوش، پادشا (پادشاہ)، رعیت،  
 مَجا (مزا)، محل، کباب، شراب (شراب)، پیدا (پیادہ) وغیرہ۔  
 کرتی تہا کرت سنگھ کا قصہ ہے۔ جسے ایک مسلمان امیر اسلان (غالباً  
 اسلان) نے شکست دی اور اُس کے حقوق تلف کئے۔ وہ فریادی بن کر متھیلا  
 سے جون پور گیا اور ابراہیم شاہ (غالباً شرقی) کے دربار میں حاضر ہو کر اپنی مظلومی  
 کی داستان کہ سنائی۔ بادشاہ نے مظلوم کی مدد کی۔ اور اسلان پر لشکر کشی  
 کی۔ کرتی تہا ابراہیم شاہ اور کرت سنگھ کی بہادری کی داستان ہے نمونہ کلام  
 درج ذیل ہے :-

کھن اک من دے سنو بیگن  
 کچھو بوؤں ترکانوں لکھن  
 تنو بے کمارو پیٹھے بجاری  
 جین لکھ گھوڑا مو نگا بجاری  
 کھریدے کھریدے بہوتا گلامو  
 ترز کین ترز کین انیکو سلامو

ترجمہ :- ذرا جی لگا کے ایک اچھا بیان سنو۔ کچھ ترکوں کے لچن میں  
 بتاتا ہوں۔ وہاں دو کمار بازار میں داخل ہوئے، جہاں  
 لاکھوں گھوڑے اور ہزاروں ہاتھی تھے۔ بہت سے غلام

خریدے گئے۔ تُرک تُرک کو خوب سلام کرتے ہیں۔  
 اب ذرا اُس عہد کے فاتح ترک کی خصوصیتیں سُنے۔ ہو سکتا ہے کہ اس  
 بیان میں تعصب کی کارفرمائی بھی ہو:-

اَبے بے بھڑنتا سدا با پیونتا  
 کلیما کنتا کلامے جُینتا  
 کَیدہ کُنتا مَید ا بھرتا  
 کَیتبا پھرتا تَرُ کا اَنتا

ترجمہ:- (تُرک) اَبے اَبے بولتے ہیں، شرابیں پیتے ہیں۔ کلمہ  
 پڑھتے ہیں۔ کلام (شریف) سے جیتے ہیں۔ کشیدہ کاری  
 کرتے ہیں، مسجدیں بھرتے ہیں۔ کتابیں پڑھتے ہیں بہترے  
 تُرک۔

مندرجہ ذیل دوہے میں ابراہیم شاہ کی تعریف ہے:-  
 ابراہیم ساہ پوان او پوہی نریر کون سہ  
 گر سار پار اُبار نہیں رعیت بھیلن جیب رہ  
 ترجمہ:- ابراہیم شاہ جب چلتا ہے تو اس پر تھوی کے راجہ  
 (کے حملہ) کو کون سہہ سکتا ہے؟ پہاڑ اور ساگر پار  
 کر کے بھی پہنچنا مشکل ہے۔ اُس کی رعیت بن جانے سے  
 ہی جان (سلامت) رہتی ہے۔



مندرجہ بالا دو ہوں میں مغربی آپ بھرش اور فارسی و عربی الفاظ کا ریختہ بن چکا ہے۔ بازار، ہزار، خریدنا، غلام، سلام، شراب، کلمہ، کلام، کشیدہ، مسجد، کتاب اور رعیت کا استعمال ملاحظہ ہو۔ بہار میں کچھی بولی کے اثرات بھی واضح ہیں۔

قدیم دور کے بھوجپوری ادب کے نمونے بھی کچھ مل جاتے ہیں۔ مثلاً کبیر داس (پندرہویں صدی عیسوی) نے بھوجپوری بولی میں چند نظموں لکھیں۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے :

کنوا پھڑاے جوگی، جٹوا بڑھو لے  
 داڑھی بڑھایے جوگی ہوئی گیلے بکرا  
 کہہ ہئی کبیرا سُنو بھائی سادھو  
 جَم دَر جَوَا باندھل جھیبے پکڑا

ترجمہ :- کان پھڑوا کے جوگی نے جٹا بڑھایا ہے۔ داڑھی بڑھا کے جوگی بکرا ہو گیا ہے۔ کہتا ہے کبیر سُنو بھائی سادھو، جَم کے دروازے پر تم پکڑ باندھ کر لے جائے جاؤ گے۔

آخری مصرع میں ”دَر جَوَا“ یعنی ”دروازہ“ کی آمیزش ریختہ پن کا پتہ دیتی ہے۔ کبیر بھوجپور علاقے کا رہنے والا تھا۔ بنارس بھوجپور میں ہے۔ گراؤں نے زیادہ تر اودھی، برج اور ملی جلی آپ بھرش میں شاعری کی ہے۔

مندرجہ بالا نمونہ کو پتہ چلی نے بھوجپوری قرار دیا ہے۔ لیکن میں صاف طور پر اس میں  
 گئی بولی کے اثرات بھی پاتا ہوں۔ مثلاً ”کہہ سہی“ اور ”باندھل جیلے“ ”سنو  
 بھائی سادھو“ تو واضح طور پر پچھی بولی ہے۔ اُس بھوری دور میں بولیاں خلط ملط  
 ہو رہی تھیں۔ مغربی اثرات مشرق کی طرف آرہے تھے اور مشرقی اثرات مغرب  
 کی جانب بڑھ رہے تھے۔ عہد قدیم میں بودھ بھکشوؤں، اشوک اعظم اور جین جوگیوں  
 کے ذریعہ مشرقی لسانی اثرات ہند کے وسطی اور مغربی علاقوں پر پڑتے رہے اور  
 دکن تک ان کی آواز بازگشت پہنچی۔ عہد وسطیٰ میں بودھ سدھوؤں اور بعد از  
 اُن کبیر داس کے واسطے سے مشرق اور مغرب کا اتصال ہوا۔

میتھلا اور بھوجپور کے ادبی اور لسانی میلانات کا جائزہ لیا جا چکا۔  
 لیکن نگہ یا نگدہ خاص میں ایسی بنا ہی آئی تھی کہ تہذیب و تمدن اور ادب  
 و فن کو پرانی بنیادوں پر نئے سرے سے اٹھانا بہت ہی مشکل تھا۔ ہرش ورہن  
 اور ترکوں کے درمیانی عہد میں طائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ اسی دور میں وحشی  
 ہن قبائل کا حملہ پاٹلی پترا پر ہوا۔ اس وحشیانہ بورش میں قلبِ نگدہ یعنی شہرِ پاٹلی پترا  
 اور سارا علاقہ تباہ و برباد ہو گیا۔ اس آفت کے علاوہ اور بلائیں بھی نازل ہوتی رہیں۔  
 سیلاب اور آتشزدگی نے بھی بڑی تباہی مچائی۔ اہل شہر اپنا وطن چھوڑ کر دور  
 دیسوں کو چلے گئے۔ بعض تاجر پیشہ لوگ تو جاوا و سماٹرا کی طرف جانکلے۔ غرض یہ  
 کہ تمدن اور فنون کی بنیادیں ہل گئیں اور ساری عمارت ڈھ گئی جس غارتگری کو  
 متعصب یا ناظم اور کم سواد تاریخ نویسوں نے ترکوں کے سرمنڈھا ہے وہ حقیقتاً

ہن حملہ آوروں کی لائی ہوئی تھی۔ دوسری وجہ مگدھ کی بربادی اور مگی زبان کی کس پرسی کی یہ بھی ہوئی ہے کہ موریہ بودھوں کے زوال کے بعد برہمنی احیاء شروع ہوا۔ برہمنی دھرم اظہر بودھ دھرم کو ماننے والوں کو درمیان سخت طور پر ملک بھر میں تصادم ہوتا رہا۔ یہ تصادم اتنا تشدد تھا کہ ہند کی نو آبادیوں یعنی جاوا و سماٹرا میں بھی ہندوؤں اور بودھوں کے درمیان آدیزش و پیکار جاری رہا۔ چڑچڑی لگتا ہے کہ پاٹلی پترا اور مگدھ کی مکمل تباہی کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ میرے نزدیک ہن بربریت اور خانہ جنگی مگدھ کی بربادی کے دو موری اسباب ہیں۔ پاٹلی پترا ایشیا میں تہذیب کا مینار تھا اور بودھ دھرم کا مرکز۔ بربریت اور عصبیت کے طوفان اس کے خلاف اٹھے اور مگدھ بھی تہذیب مٹ گئی۔ اس کی روشنی طبع اس کے لئے بلا بنی۔ بغداد کی تباہی کے اسباب بھی اسی قسم کے ہوئے جیسے پاٹلی پترا کے تھے۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے مگدھی اور اردھ مگدھی پراکرتیں اسوکا کے عہد میں ہندوستان گیراہیت کی مالک تھیں۔ اس کے نمونے اسوکا کے کتبوں میں ملتے ہیں۔ سنسکرت ناکلوں میں بھی مگدھی پراکرت کی مثالیں ملتی ہیں۔ پنج ذات کے کرداروں سے یہی زبان بلوائی گئی ہے۔ یہ عوامی بولیوں کے زوال و انحطاط کا دور تھا۔ اور برہمنی سنسکرت کے نشاۃ الثانیہ کا۔ چونکہ مگدھی پراکرت میں ڈھاری اور دیسی عنصر زیادہ تھا۔ لہذا اسے پنج کہا گیا اور یہ زبان سب سے زیادہ تباہی کا شکار

ہوئی۔ اس کے بعد مختلف آپ بھرنشوں کا دور آیا۔ ماگدھی آپ بھرنش یا مگھی بھاشا کا رواج ہوا۔ مگر ایسے ادبی اہمیت خاص حاصل نہیں ہوئی۔ راجپوتوں کے عہد سے ابتدائی سلاطین دہلی کے زمانہ تک (۱۱۹۲ء تا ۱۲۰۶ء) ایک خاص لسانیاتی دور گذرا ہے۔ یقینی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہند کی جدید زبانوں کی ابتداء کب سے ہوئی اور آپ بھرنشیں کب ختم ہوئیں۔ اس زمانہ کے قریب بودھ دھرم کی بگڑی ہوئی شکل ہند کے پوربی علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ بودھ راہبوں کی خانقاہوں میں نالندہ اور وکرم شلا دو بڑی درسگاہیں مشہور تھیں۔ صوبہ بہار خصوصاً ان بودھ سداہوں یا پھکشوؤں کا مرکز تھا۔ ان راہبوں نے مغربی آپ بھرنش ملی ہوئی دیسی بولی میں بھی دوہے لکھے ہیں۔ ان میں چوراسی سداہوں کی بڑی شہرت ہے۔ لسانی حیثیت سے بودھ سداہوں کے دوہے ابتدائی بہاری مسلم صوفیوں کے دوہوں کے پیش رو ہیں۔

سب سے پرانے سداہ ”سرہ“ ہیں جو ۱۳۳۳ء کے آس پاس گذرے ہیں۔ نمونہ کلام حسب ذیل ہے :

جی من پون نہ پنچرئی ، روی سسی ناہیں پولیس  
تہی بٹ پت بسام کرو ، سرہے کرہی آ اولیس  
گھور اندھارے چند منی جی ، آجوا کرئی  
پر مہا سودا یکھو کنے دُری آ اشیش ہرئی

بہی پانامی ایک سڈھ ۳۷۷ کے لگ بھگ گزرے ہیں۔ دوہے کا نمونہ  
حسب ذیل ہے :

ڈٹ کری اہا سوہ پیری مان  
لوئی بھئی گرو پوچھیا جان

برو پاسڈھ (۳۷۷ء) اور تاتی پاسڈھ کے دوہوں میں بھی زبان کا  
یہی رنگ ہے ”چونکہ یہ سڈھ زیادہ تر ملک کے پوربی علاقوں میں اپنے مذہب  
کی تبلیغ کرتے تھے۔ اس لئے وہاں کی مقامی بولیوں سے متاثر ہونا ناگزیر تھا۔“  
ان دوہوں سے اس دور کی بہاری بولیوں کا اندازہ ملتا ہے۔ اختیار الدین  
بن بختیار خلجی کی فتوحات سے جب بودھ سڈھوں کے مراکز زیر ہوئے تو یہ  
راہب ملک کے مختلف حصوں میں پھیل گئے اور ان کے ذریعہ ان کا لسانی  
اثر بھی پھیلا۔ جی، ہتی، کرہی، آ، کنے، دُری، ا، کری ا کا لگنی پن ملاحظہ ہو  
آج بھی لگنی بولی اسی طرح بولی جاتی ہے۔

ترک بہار پر باضابطہ رنگ میں بارہویں صدی عیسوی کے اواخر اور تیرہویں  
صدی عیسوی کے اوائل میں قابض ہوئے۔ علامہ سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ: ”سلطان  
قطب الدین ایبک پہلا بادشاہ ہے جس کے بہادر سپہ سالار بختیار خلجی نے بنارس سے  
آگے بڑھ کر مگدھ دیس میں قدم جمائے اور بہار سے لے کر بنگال تک کی زمین اُس

۱۔ مقدمہ تاریخ زبان اردو، ڈاکٹر مسعود حسین، ص ۹۴

۲۔ ’بہار میں اردو‘ از علامہ سلیمان ندوی، ندیم، بہار نمبر ۱۹۳۳ء

کے فتوحات کے پاؤں کے نیچے آگئی۔ بختیار خلی المتوفی ۶۰۲ھ نے چھٹی صدی ہجری کے  
آخر میں منیر اور بہار پر قبضہ کیا۔

’پوٹوں مرد شجاع و دلیر بود بطرف زمین منیر و بہار می دو انید...‘

تمامت آں حصار در شہر مدرسہ بود و بہار بخت ہندوی اسم مدرسہ

’باشد‘

بہار میں اردو کے ارتقا کا یہ ایک اہم سنگ میل ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے  
بھی کھڑی بولی اور ریختہ کے لئے سازگار فضا پیدا ہو چکی تھی۔ بہار، خصوصاً مدھ کے  
اعلیٰ طبقات مثلاً برہمن، چھتری وغیرہ اکثر و بیشتر مغربی علاقوں سے آکر یہاں بسے  
تھے اور اپنے ساتھ کچھی بھاشائیں لائے تھے۔ شرفا برج بھاشا اور اودھی بولتے  
تھے عوام، جو آدی بآسی تھے، کول ڈراوری بولیاں بولتے تھے۔ اور دوسرے گئی  
بھوچوری یا میتھیلی بولتے تھے۔ ترکوں کی آمد کے بعد ملک کے مغربی علاقوں کے  
لوگ اور تیزی سے بہار آنے لگے۔ ان میں ہندو اور مسلمان دونوں تھے۔

پروفیسر گورکھ ناتھ سنہا نے فرامین، دستاویزات اور مختلف خاندانی روایات  
کی بنیاد پر یہ تحقیق کی ہے کہ بہار کے اکثر راجپوت گھرانے ترکوں اور مغلوں کی افواج  
کے ساتھ اس دیار میں آئے، یہاں کے پُرانے رجاؤں اور قبیلوں سے لڑے  
انعام میں دہلی کے بادشاہوں سے جاگیریں پائیں، یہیں بس گئے اور یہیں کے ہوئے۔

۱۔ بحوالہ طبقات ناصری منہاج سراج ۱۴۵۸ھ : تالیف ۶۵۸ھ

۲۔ ’بنگالی زبان کا آغاز و ارتقا‘ از سونیتی کمار چٹرجی ۱۴۵۸ھ۔

۳۔ سابق صدر شعبہ معاشیات، پٹنہ کالج۔ آپ بعد میں پرنسپل، پٹنہ کالج اور پھر دارالکتر تعلیمات بہار مقرر ہوئے۔

ہمارے گاہوں اور قصبات ایسے ہیں جہاں مسلم اور راجپوت خاندان جاگیر اور جائیداد کے شریک داروں کی حیثیت سے اب تک ساتھ ساتھ بھائیوں کی طرح رہے ہوئے ہیں۔

اردو زبان کی ترویج و ترقی میں سیاسی اثرات سے زیادہ اہم سماجی اثرات ہیں۔ ہمارے نہ صرف سپہ سالار اور ان کی فاتح فوجیں مغربی علاقوں سے آئیں بلکہ بہ کثرت خاندان شمال مغربی ہند اور ایران و عرب سے آکر یہاں آباد ہوئے اور انہیں مختلف تہذیب و تمدن اور زبان و ادب کو گہرے طور پر متاثر کیا۔ آج بھی سارے صوبہ ہمارے میں سادات، شیوخ عربی (صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی، جعفری، وردا وغیرہ) پٹھان، ترک، بلک، مغل اور مرزا آباد ہیں۔ مختلف ہماری خاندانوں کے نسب نامے اس کی گواہی دیتے ہیں۔ نیز شہروں کے پرانے محلوں، قصبوں اور گاہوں کے نام اس بات کے شاہدِ ناطق ہیں، مثلاً شہر پٹنہ کے محلے لودی کٹرہ، مغل پورہ، لوہانی پورہ، لودھی پورہ وغیرہ۔ سارے اثرات میں اہم ترین اثر صوفیائے کرام کے ذریعہ پڑا۔ ان کی تبلیغ و تلقین سے بہ کثرت اہل ہمارے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ نو مسلم خاندان سارے صوبہ میں پھیلے ہوئے تھے۔ اُن کی اولاد اب بھی حلقہ جُوش اسلام ہے۔ نو مسلموں کے حلقے ریختہ اور کھڑی بولی کی ترویج کے دائرے بن گئے۔ عہد وسطیٰ میں صوفیائے عرب و عجم دہلی ہوتے ہوئے ہمارے آئے۔ اور بڑی تعداد میں آئے۔ اُن کے فیض سے وہ روحانی، اخلاقی، تہذیبی اور ادبی غلا برہوا، جو صدیوں سے پاٹلی پترا کی تباہی کے بعد چلا آ رہا تھا۔ ہمارے شریف اور پھر

پٹنہ اس عہد کی نئی ترقی پسند ایشیائی تہذیب کا مرکز بنا اور سارے بہار میں اُجالا ہو گیا۔

وِدیانتی اور کبیر سے پہلے صوفیائے بہار نے اس دیار کی بولیوں میں کلام کیا ہے۔ ہر چند کہ اس عہد کے بہت کم نمونے ملتے ہیں۔ مگر ان اصقباء کے کلام منظوم و منثور دونوں موجود ہیں۔ پروفیسر سید حسن عسکری نے اپنے ایک گرانقدر مقالہ میں مغلیہ عہد کے قبل کے ان اثرات کا ذکر کیا ہے جو اسلامی تصوف نے صوبہ بہار پر ڈالے اور اپنے پائندہ نقوش چھوڑے۔ اسلامی تصوف کے چشمہ روحانی نے بہار کی سرزمین کو سیراب کیا اور اس وسیع المشترب اور روادارانہ تحریک نے ہندو منسکرتی اور مسلم تہذیب کو متحد کرنے میں بڑی مدد دی۔ اس کا ایک اور اہم نتیجہ یہ نکلا کہ بہار میں ”بہاری ریختہ“ اور پھر زبان اردو کی ترویج و ترقی بڑی محبت اور ہم آہنگی کے ساتھ ہوئی اور یہاں کے ہندو و مسلم عوام و خواص نے مل کر متحدہ تہذیب اور متحدہ زبان کی آبیاری کی۔ بہار کے ایک بڑے صوفی حضرت قاضی شطاری کا مقبرہ ویشالی شمالی بہار میں بساڑھا اسٹوپ کے نزدیک ہے۔ یہاں ہر سال ایک بڑا میلہ اہنگ لگتا ہے۔ خواجہ اجیری کے جانشینوں میں سیدین خلگوار تھے۔ ان کے تین اعزہ بہار آئے۔ سید حسن خلگوار جن کا مقبرہ پٹنہ ضلع میں ہے۔ دوسرے سید احمد اور ان کے بھانجے سید محمد۔ آخر الذکر دونوں صوفی ماموں بھانجہ کے نام سے یاد کئے جاتے

۱۔ 'قرون وسطیٰ کے بہار میں اسلامی تصوف کی تاریخی اہمیت' از پروفیسر سید حسن عسکری، پٹنہ، ۱۹۵۲ء۔



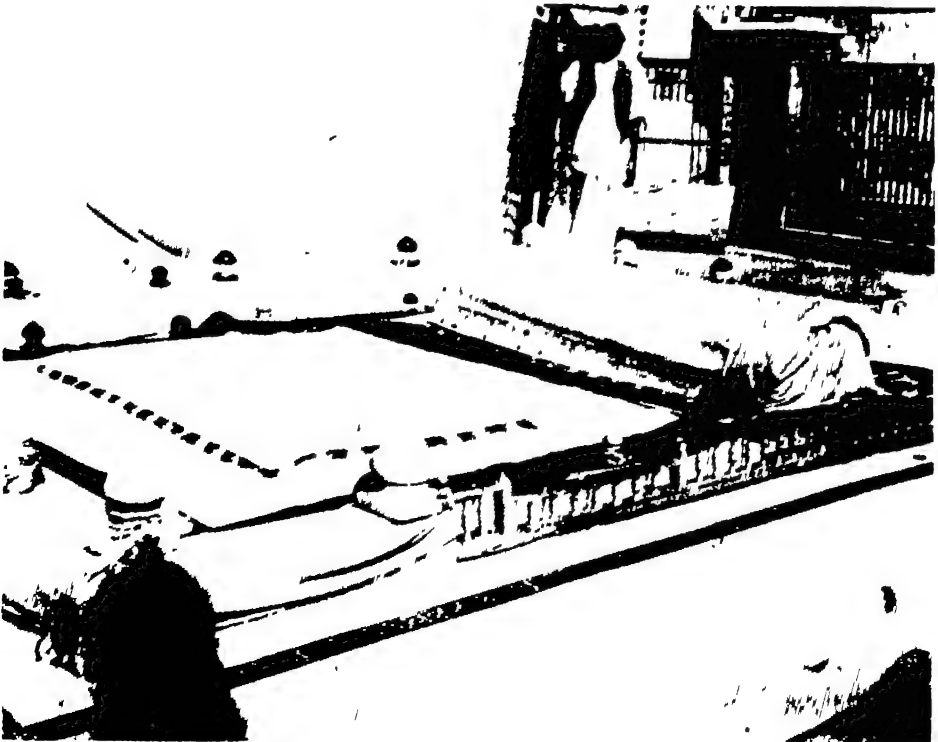
ہیں۔ یہ دونوں حاجی پور (ترہٹ) کے موضع جرومہ میں شہید کئے گئے۔ جرومہ کا مقبرہ اب شکستہ حالت میں ہے۔ اسی طرح شیخ فتوٰ اور شیخ برہان فیروز شاہ تغلق کے دور میں سلیم آباد آئے اور شمالی بہار میں شہید ہوئے۔ کا کو ضلع گیا کے شیخ آزا اور احمد بہاری بھی بڑے صوفی گذرے ہیں۔ دہلی کے علماء ظاہر کی ترغیب پر فیروز تغلق نے ان کے لئے سزائے موت تجویز کی۔ حضرت شرف الدین احمد مینری کے قریبی رشتہ دار ”مناقب الاصفیا“ کے صوفی مصنف سے روایت ہے کہ جب حضرت شرف الدین احمد مینری بہاری نے یہ خبر سنی، تو انہیں نہایت صدمہ ہوا۔ اور آپ نے فرمایا کہ ایسے ”پاکان“ کا خون رنگ لا کر ہی رہے گا۔

غزنویوں نے بنارس تک لشکر کشی کی تھی۔ ممکن ہے کہ غزنویوں اور غوریوں نے مشرق کی جانب اور دور تک حملے کئے ہوں۔ ان کے حملے ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں۔ لیکن صوفیائے کرام نے اُس قدیم عہد میں بھی بہار پر ضرور حملے کئے ہوں گے۔ یہ بلند مقام درویش مسلمان فاتحین کے لشکروں کے پیچھے پیچھے نہیں چلتے تھے۔ بلکہ وہ محبت و دردمندی کے جذبات سے سرشار ہندوستانی دلوں میں گھر کر لے اور اُن کے پریم کو جیتنے سلطانوں کی فوجوں سے بالکل مستغنی ہو کر آگے آگے چلتے تھے۔ بہار نے ان صوفی درویشوں کو

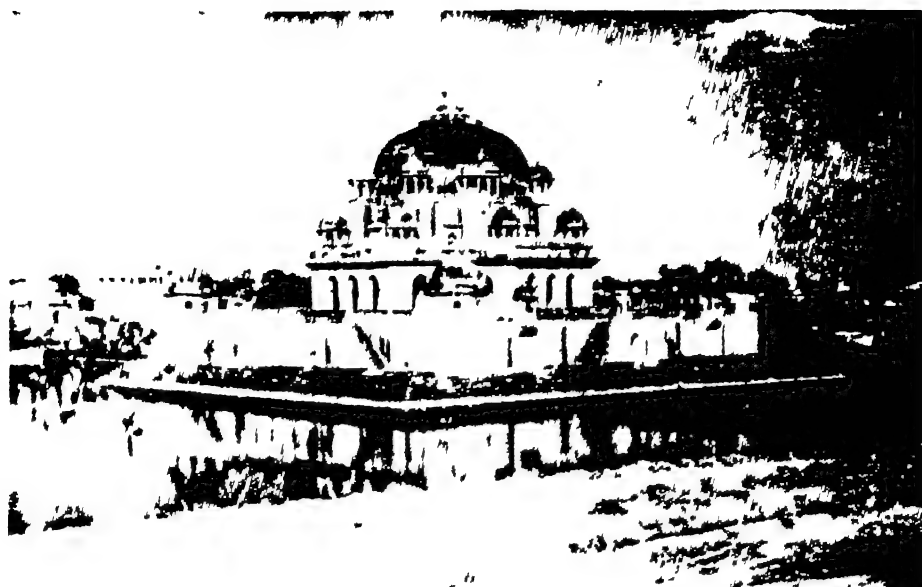
۱۔ ’بنگال پاسٹ اینڈ پریزنٹ‘ میں مقبرہ جرومہ کے متعلق حسن عسکری کا مقالہ ملاحظہ ہو۔



[ ١ ]



[ ٢ ]



[ ۳ ]



[ ۴ ]

سرورِ اوّل میں ہی اپنی طرف کھینچا۔ منیر شریف ضلع پٹنہ کی بڑی درگاہ کے  
 پچھلی دروازے کے پاس ایک مزار تاج الدین خاندان سے منسوب ہے۔  
 منیر میں ”تاج شاہی“ کے نام سے ایک مٹھائی اب تک بنتی ہے۔ مولانا محمد  
 موسوم بہ امام تاج فقیہ بیروشل (فلسطین) سے منیر، بہار، علیہ السلام تشریف  
 لائے۔ آپ بہار کے فردوسیہ اور سرور دیہ صوفیوں کے ہمارے تھے۔ آپ  
 کے فرزند اسرائیل، عبدالعزیز اور اسمعیل تھے۔ حضرت تاج فقیہ تو واپس  
 چلے گئے۔ مگر اپنے دو فرزندوں کو جو بی بہار میں رشد و ہدایات کے لئے چھوڑا۔  
 اور تیسرے اسمعیل کو شمالی بہار بھیجا۔ جناب اسمعیل بنیا بساڑھ کے صوفیوں  
 کے مورث تھے اور جناب اسرائیل حضرت مخدوم کجی منیری کے والد ماجد تھے۔  
 حضرت پیر شہاب الدین جگوت (موضع جٹھلی ضلع پٹنہ) کی بڑی لڑکی سے حضرت  
 مخدوم کجی منیری کی شادی ہوئی۔ اس مجمع البحرین سے وہ گرانقدر موتی پیدا ہوا  
 جو عالم روحانیت میں آفتاب وار چمکا۔ یعنی حضرت شیخ شرف الدین احمد منیری ثم بہار۔  
 حضرت مخدوم بہار اندرون ملک و بیرون ملک مشہور و مقبول ہوئے۔

بہار کے صوفیائے کرام کی ابتدائی تاریخ ”مناقب الاصفیا“ ہے۔ اس

۱۔ پروفیسر حسن عسکری کا مقالہ ”قرون وسطیٰ بہار میں اسلامی تصوف کی تاریخی اہمیت“ سالنامہ  
 ”ساختی“، پٹنہ، ستمبر ۱۹۵۲ء۔

۲۔ جٹھلی = جی اٹھلی۔ کہا جاتا ہے کہ پیر جگوت کی کرامت سے ایک مار گزیدہ نے نئی زندگی پائی  
 تو بول اٹھا ”جی اٹھلی“ یعنی ”میں جی اٹھا“۔ یہ کلمی زبان کا نمونہ ہے۔ ”جگوت“ اور ”جی اٹھلی“  
 کے الفاظ سے اس عہد کی زبان کا اندازہ ہوتا ہے۔

کے مولف حضرت مخدوم شیخ شعیب شیخواری (ضلع مونگیر) تاج فقیہ کے پوتے تھے۔  
 حضرت پیر جگوت (جٹلی) کی تین اور بیٹیاں تھیں۔ ان کے بطن سے مخدوم بید احمد  
 جرم پوش، تیم اللہ سفید باز (بہار شریف)، بی بی کمالو (کاکو، گیا)۔ اور  
 تاجپور ضلع پورنیہ (بہار) کے شیخ حسین دھڑ پوش کی والدہ پیدا ہوئیں حضرت  
 تاج فقیہ کے فرزند جناب اسمعیل کا سلسلہ شمالی بہار میں خوب پھیلا۔ صوبہ بہار  
 کے شطاریہ صوفی آپ ہی کے سلسلہ سے ہیں۔

بہار کے چند اور بزرگ صوفیائے قدیم کا نام لیا جاسکتا ہے۔ مثلاً  
 حضرات مولانا شمس مظفر جٹلی، حسن جٹلی، احمد سنگر دربار، بدر عالم (چھوٹی درگاہ  
 بہار شریف)، ابراہیم بن ابوبکر موسوم بہ ملک بیا (جو بہاری ملکوں کے جد امجد  
 تھے)، مداری صوفی سید جمال الدین (ہلسہ) شیخ برکت اللہ قتال، شیخ تاج الدین  
 مداری (درجننگ)، سید محمد (امجد شریف، گیا)، سید فضل اللہ گوسائیں (بہار شریف)  
 مخدوم شاہ شمس الدین (ارول، گیا)، سید احمد جاجنیری (ضلع مونگیر)، سید  
 احمد جان (اوڑین، مونگیر)، مخدوم سید حسن (حسن پورہ، ضلع سارن)، حضرت مخدوم  
 بہار شیخ شرف الدین احمد کے خلفاء میں حضرت منہاج راستی پھلواری اور حضرت  
 مظفر شمس جٹلی اہل صوفیوں میں سے گزرے ہیں۔ حضرت منہاج راستی کے  
 سلسلہ کے صوفیا پھلواری شریف، ضلع پٹنہ میں آباد ہوئے۔ مختصر یہ کہ چشتیہ،  
 سرور دیا، قادریہ، فردوسیہ، مداریہ، شطاریہ سلسلوں کے صوفیائے کرام  
 بہار میں موجود تھے۔ اور ان کے فیوض و برکات سے یہاں کی سرزمین سیراب

ہوتی رہی۔

شاہزادہ عظیم الشان، اورنگ زیب عالمگیر کے جانشین بہادر شاہ اول کا لڑکا تھا۔ وہ ایک عرصہ تک بہار کی صوبیداری پر مامور رہا۔ مولانا محمد نصیر علیہ رحمۃ نے شاہزادہ کی خدمت میں ایک عرضداشت پیش کی تھی۔ جس میں بہار کے ۴۴ مشائخ کے مقابر کی زبوں حالی کی طرف شاہزادہ موصوف کی توجہ منعطف کرائی گئی تھی، تاکہ حکومت کی طرف سے مالی امداد مل سکے ”افسوس ہے کہ عرضداشت کی اصل نقل میں شاہزادہ کی خدمت میں پیش کرنے کی تاریخ نہیں لکھی گئی ہے“

(شاہزادہ عظیم الشان کو ایک عرضداشت، از سید محمد مصطفیٰ شاہ بنگھوی۔  
صدائے عام، عید نمبر ۱۹۵ء)

عرضداشت میں حسب ذیل مقبروں کے نام درج ہیں :-

- (۱) مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد۔ بہار شریف۔ ۸۲ء
- (۲) شیخ شعیب بن شیخ جلال۔ موضع شیخ پورہ پرگنہ مادرہ میں مدفون ہیں۔
- (۳) سید محمد عظیم آبادی مدفون ہیں۔
- (۴) شیخ خلیل الدین عرف شیخ منگن و شیخ تاج الدین عظیم آباد۔
- (۵) سید سلیم۔ عالم گنج عظیم آباد۔
- (۶) درویش ارزاں۔ محلہ درگاہ، عظیم آباد۔
- (۷) شیخ محمد محمود و شیخ عین الدین حسینی مادرہ۔ لودھی کٹرہ عظیم آباد۔
- (۸) شیخ شہاب الدین جگجوت۔ موضع ..... محلہ حویلی بلدہ عظیم آباد۔

- (۹) شیخ آدم صوفی - موضع جھٹی علمہ پرگنہ حویلی بلدرہ عظیم آباد -
- (۱۰) سید محمد - قصبہ بہار -
- (۱۱) شیخ احمد چرم پوش (۱۷۷۷ء میں انتقال ہوا) قصبہ بہار -
- (۱۲) شیخ بدر عالم - موضع سَوہ، بہار شریف -
- (۱۳) حسین نوشہ توحید - حضرت مظفر علی کے بھتیجے - مقبرہ قصبہ بہار -
- (۱۴) شیخ حمید الدین، ولد شیخ آدم صوفی - قصبہ بہار -
- (۱۵) سید سلیم دانشمند - قصبہ بہار -
- (۱۶) مولانا حسام الدین - ”
- (۱۷) سید فضل اللہ - ”
- (۱۸) شیخ فرید طویلہ بخش - ”
- (۱۹) تیم اللہ سفید باز، بن شیخ حمید الدین - قصبہ بہار -
- (۲۰) شیخ سعادت - بہار -
- (۲۱) سید عطا - ”
- (۲۲) محمد ابراہیم ولد ابوبکر عرف ملک بیا - ۱۷۷۳ء - قصبہ بہار - پہاڑی پر
- (۲۳) خواجہ اسحق مغربی - موضع موٹو کھر - نزدیکی شیخ پورہ -
- (۲۴) شیخ یحییٰ منیری - قصبہ منیر -
- (۲۵) شیخ جلال - ”
- (۲۶) حاجی صفی الدین و حاجی نظام الدین - قصبہ منیر - پرگنہ شاہ پور -

- (۲۷) شیخ احمد - موضع بیا پور - پرگنہ شاہ پور۔
- (۲۸) شیخ دولت - قصبہ منیر۔
- (۲۹) مولانا نور - خواجہ قطب الدین دہلوی کے سگے بھائی - موضع کھکور۔  
پرگنہ سلیم آباد۔
- (۳۰) شیخ فتویش برہان - پرگنہ سلیم آباد سرکار۔
- (۳۱) سید فخر الدین موضع اوکھڑی محلہ پرگنہ حویلی سرکار۔
- (۳۲) سید صفی - صفی پور - پرگنہ بہم پور سرکار۔
- (۳۳) شیخ داؤد شطاری - قصبہ محب علی پور - پرگنہ محدقہ سرکار۔
- (۳۴) سید محمد عرف جن - ۱۲۵ھ - موضع ہلسہ، پرگنہ بلخ سرکار۔
- (۳۵) سید راستی خلیفہ شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری - قصبہ بھلپوری محلہ پرگنہ حویلی سرکار۔
- (۳۶) شیخ ضیاء الدین سرور دی - ۸۲۲ھ - موضع چندھوس۔
- (۳۷) شیخ شمس الدین چنائی - موضع تلوری۔
- (۳۸) شیخ کمال الدین - موضع ثنایاں۔
- (۳۹) سید محمد - پرگنہ کلیر سرکار سارن مضاف۔
- (۴۰) سید احمد غازی موضع امرتھ - پرگنہ بست ہزاری سرکار۔
- (۴۱) سید نوح - ۸۷۵ھ - موضع لوج پور۔
- (۴۲) شیخ سعد - قصبہ ابراہیم پور۔



(۴۳) حوض رانی ، محلہ پرگنہ حویلی بہار سرکار میں بہترے اولیاء مدفون ہیں ۔  
مثلاً: سید علاؤ الدین ہمدانی - سید رکن الدین - سید بیخود - سید موسیٰ - شیخ لدھا -  
قاضی شمس الدین - حافظ یوسف - سید عالم - سید قطب الدین ، سید محمد سعید ، سید  
جہانگیر ، سید محمد ، شیخ مدد ، شیخ ہدی ، بی بی مکہ - (۴۴) ادریس نافع - ضلع  
مونگیر سرکار - (۴۵) سید چاری بنیاسی - قصبہ مونگیر - (۴۶) شیخ مصطفیٰ - باسادیوپور -  
مونگیر - (۴۷) سید ابراہیم - قصبہ سورج گرہا - (۴۸) مولانا شاہباز - بھاگلپور -  
(۴۹) سید اولیاء - پرگنہ بلیا سرکار - (۵۰) شیخ عبدالحی - حاجی پور - (۵۱) شیخ  
محمد معروف بہ شیخ قاض - موضع بنیا بساٹھ ، حاجی پور - (۵۲) شیخ ابوالفتح بن شیخ  
محمد شمس - موضع تھکول ، حاجی پور - (۵۳) مولانا خواجہ علی - حاجی پور - (۵۴)  
شیخ برکت اللہ عرف شیخ قتال خلیفہ سید محمد گیسو دراز - قصبہ درہنگہ - (۵۵) شیخ  
سلطان حسین - درہنگہ - (۵۶) شیخ شمس الدین عرف شیخ ثمن درہنگہ - (۵۷)  
شیخ فلور حاجی حمید - موضع رتن سرائے - سارن - (۵۸) شیخ دلاور شیر سوار چاکلا  
لدوہی - سارن - (۵۹) میر عبدالمالک - بارہ سرکار ، سارن - (۶۰) شیخ محمد یوسف -  
قلعہ رہتاس کلاں - (۶۱) چند تن شہید معروف بہ چندن شہید - شہسرام - (۶۲) شیخ  
عثمان - جین پور - رہتاس (۶۳) شیخ عبد العظیم - مٹی ، چپارن - (۶۴) سید  
عمر شہید - آرہ (شاہ آباد) -

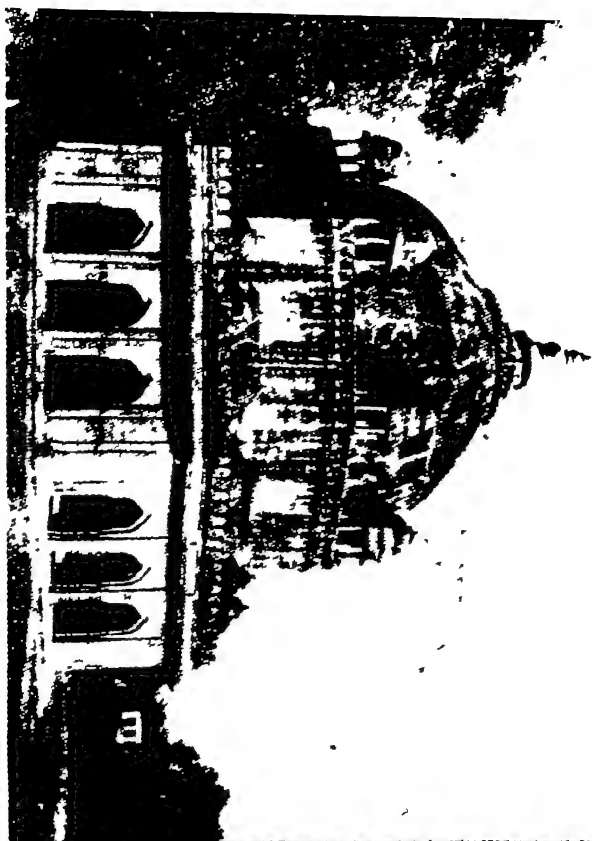
مولانا عبدالحی صاحب لکھتے ہیں۔ ”دلوں کو ہاتھ میں لانے کے لئے سب



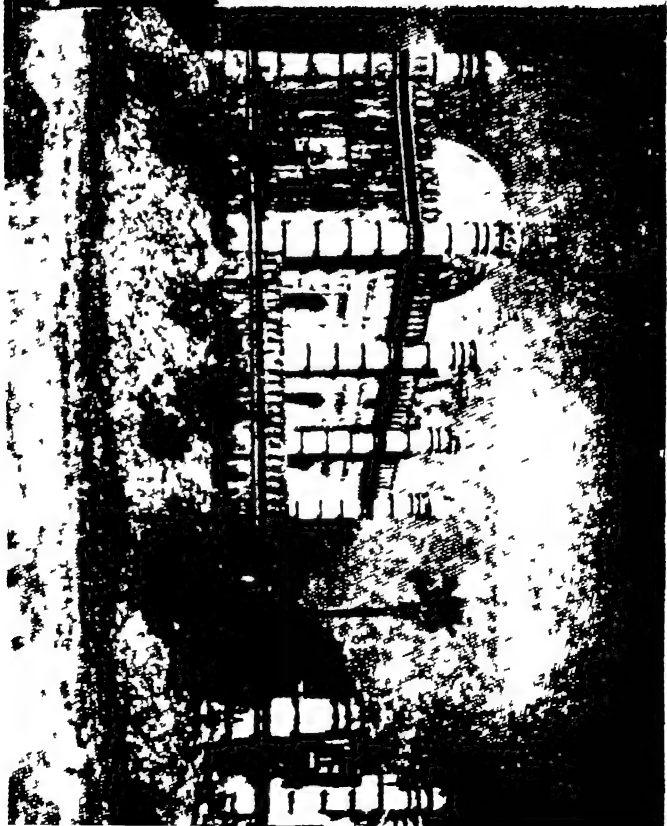
[ ० ]



[ v ]



[ 7 ]



سے پہلے ہم زبانی لازم ہے۔ ہم زبانی کے بعد ہم خیالی پیدا ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔  
 جتنے ادیباء اللہ سرزمین ہند میں آئے یا یہاں پیدا ہوئے وہ باوجود عالمِ عقل  
 ہونے کے (خواص کو چھوڑ کر) عوام سے انہیں کی بولی میں بات چیت کرتے  
 اور تعلیم و تلقین فرماتے تھے۔ ان صوفیاء نے بہار میں بھی مشترک "بہاری رنجیتہ"  
 اور پھر "کھڑی بولی رنجیتہ" یعنی ہندوستانی یا میاری اردو کی ابتدا و ارتقا میں نمایاں  
 حصہ لیا ہے۔ یہاں صوفی خانوادوں کی خانقاہیں چھٹی صدی ہجری میں میر شریف  
 بہار شریف، پھلواری شریف وغیرہ میں قائم ہو گئی تھیں۔

صوفیاء و امراء کے علاوہ بہار میں فارسی زبان کے شعراء بھی تشریف لائے  
 ادب انہوں نے یہاں قیام کیا۔ ایرانی شعراء اور فارسی ادبیات کا اثر بہار پر دہلی کے  
 ترک انخان سلطانوں کے وقت سے ہی پڑنے لگا۔ بہار، ایک اہم مشرقی صوبہ تھا۔  
 صوبہ داروں اور دوسرے امراء کے گرد اہل علم و فضل جمع رہتے تھے۔ مرزا محمد صادق  
 اصفہانی ۱۰۲۹ھ سے ۱۰۳۳ھ تک پٹنہ میں مقیم رہا۔ اپنی کتاب "عج صَاق"  
 میں اس نے لکھا ہے کہ پٹنہ کو ایرانی شعراء رشکِ ایران بنائے ہوئے تھے۔ مثلاً  
 کلیم عارف، مولانا آدم گیلانی، مولانا محمد حسین قزوینی، سیرتی۔ مولانا محمد مضر الدین یزدی  
 مولانا عبد الشکور، مرزا قاسم امامی، میر بجی قسمی۔ میر ہاشم وغیرہم۔ مرزا محمد صادق بن مرزا

---

۱۔ بہار اسکول کی اردو شاعری اور اس کی تخلیق کے اسباب : عبد المالک آروسی :  
 'نجمار' لکھنؤ۔ جنوری ۱۹۳۵ء۔

۲۔ خیم آباد میں ایرانی شعراء کی آمد : سید نجیب شرت ندوی۔ 'ندیم' گیا۔ بہار نمبر ۱۹۳۳ء

محمد صالح اصفہانی عمداً شہجہان کا ایک ممتاز مؤرخ ادیب اور شاعر گذرا ہے۔ صادق گجرات کے شہر سورت میں پیدا ہوا (۱۱۱۱ھ)۔ پٹنہ کے چار سالہ قیام میں وہ بہت سے فارسی شعراء سے ملا۔ تذکرہ ”صبح گلشن“ میں مولانا محمد حسین قزوینی کے بارے میں درج ہے کہ: ”مردتے در عظیم آباد و بنگالہ اقامت گزیدہ“ اور حکیم عارف لالہ جی کے متعلق ہے کہ: ”در عظیم آباد مسکن گرفته“

ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا شعراء سے پہلے اور بعد کثرت سے ایرانی ادباء و شعراء بہار آتے رہے ہوں گے اور ان کے اثر سے یہاں مقامی فارسی گو شعراء پیدا ہوئے ہوں گے۔ بہار میں فارسی گوئی کا مذاق طبقہ خواص میں عام رہا ہے۔ ہندو اور مسلم ادباء و شعراء فارسی کو زمانہ دراز تک ذریعہ اظہار بنائے رہے۔ اردو شاعری کے تذکرے بھی فارسی میں لکھے جاتے تھے۔ مثلاً: تذکرہ گلزار ابراہیم، تذکرہ شورش عظیم آبادی، تذکرہ عشقی، تذکرہ عمرتی (معراج الجنال، و ریاض الافکار) اور تذکرہ سفینہ خوشگو (بندربان داس خوشگو)۔ عمرتی، نو مسلم کا کٹھ تھے۔ متاخرین میں شیخ علی حزیں عظیم آباد آئے اور راجہ شتاب رائے کے یہاں رہے۔ بہار کے فارسی گو شعراء میں بیدل عظیم آبادی، شاہ ابوالحسن فرد، شاہ علی حبیب نصر، مولانا محمد سعید حسرت، شاہ اُلفت حسین فریاد اور حکیم عبدالمجید بیٹاں دور وسطیٰ اور عیا آخر میں گذرے ہیں۔

علامہ سلیمان ندوی لکھتے ہیں: ”ہندوستان نے ارباب کمال کو تمام اصناف

میں سے صرف دو کے نام زندہ رکھے ہیں، مشائخ و اولیاء اور شعراء کہ وقتاً فوقتاً ان کے باخلاص مریدوں اور معتقدوں نے ان کے ملفوظات و مکتوبات اور تذکرے لکھ کر ان کے فیوض و برکات اور زبانی و ذہنی الہامات کو قائم و باقی رکھا۔ مگر اس صوبہ (بہار) نے حضرت مخدوم الملک بہاری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقا کو چھوڑ کر ہندوستان کی اس رسم کُن کو بھی تازہ نہ رکھا۔ علامہ ندوی نے اس اظہارِ تاسف کے بعد چند بہاری باکمالوں کا ذکر کیا ہے۔ ان اہل فن اور علماء کے ذریعہ بھی بہار میں اردو زبان کی ترویج و ترقی ہوئی ہے۔

شیخ بڑٹھ یا بڈٹھ بہار میں ایک نامور طبیب اور ممتاز شیخ سلطان سلیم شاہ لودھی کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ شیر شاہ سوری کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ انہوں نے ملک العلماء دولت آبادی کی تصنیف ارشاد کی ایک شرح لکھی تھی۔ اکبری دور میں بہار میں محدثین کا ایک خانوادہ رہتا تھا۔ اس کے بعض ارکان کے نام یہ ہیں۔ مولانا حافظ شیخ عبدالرزاق بہاری، شیخ الوقت مولانا عبد البنی، مولانا عبدالمقتدر محدث وغیرہ۔ فتاویٰ عالمگیری کے لکھنے میں بہار کے علماء بھی شریک تھے۔ ملا محب اللہ بہاری جو مسلم اور مسلم کے مصنف ہیں۔ یہ صاحب عالمگیر کے عہد میں کابل کے قاضی اور بہادر شاہ اول کے

۱۔ نقوش سلیمانی ص ۴۰۵ - ۴۰۲

۲۔ تاریخ فرشتہ (احوال سلطنت سلیم شاہ) اور منتخب التواریخ بدایونی (مطبوعہ مکتبہ) جلد ۱ ص ۴۰۲ -

۳۔ ”ان کی دی ہوئی حدیث کی ایک سند پھلواڑی میں قلمی ملی ہے“ نقوش سلیمانی ص ۴۰۳ -

۴۔ سجنۃ المرجان اور آثار الکرام، آزاد بگڑائی -

دور حکومت میں کل ہند کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے۔ ان کے بعد ملا غلام یحییٰ بہاری (صاحب حاشیہ و مرید حضرت میرزا جاجاناں دہلوی)، مولانا ابراہیم آرومی وغیرہ دور متاخرین کے جت علماء میں شمار کئے جاتے ہیں۔

پروفیسر محمود شیرانی لکھتے ہیں :

”حقیقت یہ ہے کہ اردو جن طرح ہندوستان کے اور صوبوں میں اسی طرح پنجاب میں برابر بولی اور بھی جاتی رہی ہے۔ پنجاب سلطنت اسلامی کا ایک جزو تھا۔ اور سلطنت کا صوبہ ہونے کی حیثیت سے اردو کو یہاں اسی قدر دخل حاصل تھا، جیسا سلطنت کے اور صوبوں میں .. ..“

اب اس امر میں شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے کہ صوبہ بہار میں اردو کو سر دورہ اول سے ہی دخل حاصل رہا ہے۔ اس دیار میں بھی لسانی ارتقا کی وہی حرکت اور پھیلہ قماش ظاہر ہوتی ہے جو اور صوبوں میں ظاہر ہوئی۔ اور جس کا تفصیلی بیان قبل آچکا ہے۔

صوبہ بہار کی تین نئی ہند آریائی علاقائی بولیاں حسب ذیل ہیں : بھوجپوری، گئی، اور میتھلی۔ ان سب بولیوں میں ”ریختہ“ کی شکلیں پیدا ہوئیں۔ مگر پٹنہ (عظیم آباد) کی مرکزیت کی وجہ سے ”گئی ریختہ“ کی سب سے زیادہ اہمیت ہے۔ بہار میں یہی ریختہ اردو کی بنیادی زمین بنی۔ قابل ذکر امر یہ ہے کہ نالندہ، وکرم شیلہ اور پاٹلی پترا

کا حلقہ، تہذیب و تمدن کا گوارہ تھا اور اسی دائرہ پر مغربی آپ بھرنشوں بالخصوص شورسینی کی مختلف شاخوں (برج، کھڑی ہندوستانی) کا گہرا اثر مسلمانوں کی آمد کے بہت پہلے سے پڑ رہا تھا۔ مگہ اور بھوچپور کی علاقائی بولیاں نئے ہند آریائی دور کے آغاز میں خالص گئی اور بھوچپوری نہیں رہ گئی تھیں۔ بلکہ مگہ کے علاقہ میں گئی آپ بھرنش اور مغربی آپ بھرنشوں کا ایک آمیزہ تیار ہو چکا تھا۔ اور یہی حال بھوچپور کا تھا۔ ادبی لحاظ سے تو مگہ اور بھوچپور میں ایک خلا سا تھا۔ علاقائی بولیوں میں ادب پیدا نہیں ہو رہا تھا۔ اور ادبی ضروریات کے لئے ”پنگل“ یا برج بھاشا کا استعمال ہوتا تھا۔ میتھیلی کا حال ان سے بہتر تھا۔ مگر میتھیلی بھی مغربی آپ بھرنشوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ مجموعی طور پر میں ”بھاری آپ بھرنش“ کی ترکیب استعمال کروں گا۔ اور اس سے مراد بھاری بولیاں ہوں گی جن پر مغربی آپ بھرنشوں کا اثر مسلمانوں کی آمد بہار سے پہلے پڑ چکا تھا۔ اسی ”بھاری آپ بھرنش“ میں عربی و فارسی کے الفاظ ملنے لگے اور رفتہ رفتہ ”بھاری ریختہ“ بن گئی۔ پہلے ’آمیزش‘ کا دور آیا۔ اور بعد ازاں ’ترکیب‘ کا دور آگیا۔ اور ایک ملی جلی زبان گھل مل کر بن گئی۔ اسے ”بھاری ریختہ“ کہئے۔ یہ عہد باضابطہ طور پر ترکوں کی فتح بہار کے بعد شروع ہوا۔ پھر اس ”بھاری ریختہ“ پر بھی کئی دور آئے۔ پہلے دور کو میں بہار میں ’اردو‘ قدیم“ کا دور کہوں گا۔ اس دور میں ”ریختہ پن“ کے ساتھ کچھ کچھ لسانی پنجابیت بھی

۱۔ ’اردو کے ارتقا میں‘ پنگل کا بیان ہو چکا ہے۔ یہ راجپوت درباروں میں شاعری کا ذریعہ اظہار تھا۔ یہ ملی جلی مغربی آپ بھرنش تھی۔ بہار میں ایک محاورہ ہے ”پنگل بھاشا“۔ یعنی علاقائی بولی سے الگ زبان استعمال کرنا، تاکہ بڑے پن کا اظہار ہو۔ ’اورینوی‘



مٹی ہے جو دورِ وسطیٰ تک قائم رہی۔ لیکن دورِ وسطیٰ کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ بہاری ریختہ کو کھڑی بولی اور کھڑی بولی ریختہ "تیزی سے متاثر کرنے لگی تھی۔ اس عہد میں بہاری ریختہ اور کھڑی ریختہ سے مرکب زبان بہار کے ادبی حلقوں میں رائج ہو رہی تھی اور ایک حد تک بول چال کی زبان کو بھی متاثر کر رہی تھی۔ یہ تبدیلیاں پٹنہ (عظیم آباد) کے ارد گرد زیادہ نمایاں رنگ میں ہو رہی تھیں۔ مسلمانوں سے قبل مختلف مغربی آپ بھرنشوں کا اثر بہاری بولیوں پر پڑا تھا۔ مگر مسلمانوں کے بعد اختصاصی طور پر کھڑی بولی کا اثر پڑنے لگا۔ ہر چند کہ شاعری کی زبان سے برج اور اودھی اثر دیر میں مٹا۔ لیکن عہدِ عالمگیر کے بعد کھڑی بولی کا سکہ بڑی ساکھ کے ساتھ بہار میں چلنے لگا۔ "عہدِ وسطیٰ" کے بعد بہار میں بھی اردو کا "معیاری عہد" آیا۔ اس دور میں کھڑی بولی ہندوستانی ریختہ بہار کے اردو ادب کی فضا پر چھا گئی۔ بہاری بولیوں کی کچھ گونج اور لب و لہجہ آہنگ قدرے باقی رہ گئے۔ بہار میں معیاری اردو (کھڑی بولی ہندوستانی) کا عہد آج سے دو، ڈھائی سو سال قبل خاصا استوار ہو چکا تھا۔ مثالیں آئندہ باب میں پیش کی جائیں گی۔ میرا خیال ہے کہ بہار میں "معیاری اردو" کا غلبہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے آغاز سے ہی ہونے لگا تھا۔ "اردوئے وسطیٰ" کی ابتدا تو تعلقوں کے زمانہ سے ہو گئی تھی۔ اور یہ دور جہانگیر کے عہد تک رہا۔

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل حقائق قابلِ لحاظ ہیں۔ لکھا ہے کہ :

"سلطان فیروز شاہ ۷۵۲ھ تا ۷۹۰ھ نے اپنے عہد میں ایک لاکھ سے

زیادہ غلام دہلی میں جمع کئے تھے۔ جو زیادہ تر مشرقی ہندوستان سے علاقہ رکھتے تھے۔  
 فیروز شاہ کے جانشینوں کے عہد میں یہ لوگ اس قدر طاقتور ہو گئے تھے کہ سیاسی معاملہ  
 میں دخیل ہو کر ملک میں فتنہ و فساد برپا کرنے لگے۔ ناصر الدین محمد شاہ تغلق ۶۹۲ھ تا  
 ۷۰۵ھ نے تنگ آ کر دہلی سے ان کا اخراج عام کر دیا۔ پنجاب میں اردو: شیرانی  
 ۷۰۵ھ مقدمہ) ظاہر ہے کہ یہ لوگ ملک کے مشرقی علاقوں کی طرف ہی واپس گھر ہونگے  
 اور دہلوی زبان کے اثرات اپنے ساتھ بہار، جو مشرقی صوبہ ہے، لے گئے  
 ہوں گے۔

”سوریوں کو فارسی سے سخت دشمنی تھی“ (پ ۱: شیرانی مقدمہ ۷۰۵ھ)  
 اور ان سوریوں کا بہار میں غلبہ تھا۔ شیر شاہ سوری اور دوسرے پٹان بہاری بولیوں  
 کے استعمال و ترقی میں کوشاں ہوں گے اور اس کا لازمی نتیجہ ’ریختہ‘ کی ترویج میں  
 ظاہر ہوا ہوگا، جیسے ہمہنی سلطنت اور اُس کے ورثاء کے ذریعہ دکنی ریختہ کو ترقی  
 ہوئی تھی۔ ”عالمگیر کے عہد سے دیکھا جاتا ہے کہ مباحث کا عام رجحان اردو کی طرف  
 ہوتا جاتا ہے۔“ (مقدمہ پ ۱ ص ۷)

”عالمگیر کے عہد کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس عہد سے کچھ عرصہ پیشتر ایک نئی  
 تحریک وجود میں آئی ہے، جس کے ماتحت بچوں کی تعلیم کا ذریعہ ہندی زبانیں بن جاتی  
 ہیں۔ عالمگیر کے عہد میں یہ تحریک عام ہو جاتی ہے۔ اور بے شمار کتابیں بچوں کی تعلیم  
 کے لئے لکھی جاتی ہیں۔ جن میں اکثر و بیشتر منظوم ہوتی ہیں۔ یہ سلسلہ ہندوستان کے اکثر  
 صوبوں میں جاری ہو جاتا ہے۔“ (پ ۱: شیرانی، مقدمہ ۷۰۵ھ)

بہار کی ادبی فضا پر کھڑی بولی رنجیتہ یعنی اُردو کے غلبہ کے بعد بھی عوام کی بول چال کی زبان اب تک عہد وسطیٰ کی قماش پر ہے یعنی کھڑی بولی اور بہاری بولی کے مرکب سے بنی ہوئی رنجیتہ زبان زردغام ہے۔ دیہاتوں میں مقامی علاقائی اثر غالب ہے۔ اور شہروں میں کھڑی بولی ہندوستانی کا غلبہ ہے۔ مگر خواص کو درمیان ششہ مجلسوں میں اور قصبات کی تہذیب یافتہ صحبتوں میں معیاری اُردو ہی بولی جاتی ہے۔ اور اب معیاری ہندوستانی دھیرے دھیرے گاؤں کی طرف بھی جتنا میں پھیل رہی ہے۔

بقول شیرانی۔ ”تعلقوں کے زمانہ سے پیشتر ہی اُردو ایک علیحدہ اور مستقل زبان بن چکی تھی۔ اور اُس نے اپنی صرف و نحو کے قواعد علیحدہ مقرر کر لئے تھے۔ .... لیکن محمد تعلق کے جانشین سلطان فیروز شاہ متوفی ۷۵۰ھ کے بعد گجرات نے دکن کی تقلید کر کے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ اور تقریباً دو سو سال تک گجرات دہلی سے علیحدہ رہا۔ ۹۸۰ھ میں جلال الدین اکبر نے دوبارہ اس کو فتح کیا جس قسم کی اُردو گجراتیوں نے تعلقوں سے سیکھی تھی۔ وہ اسی پر قائم رہے۔ اس کے علاوہ دکن اور گجرات ہمسایہ ممالک ہیں۔ اور ان میں تعلقات بھی قائم تھے۔ قصہ مختصر، یہ وجہ ہیں جن کی بنا پر گجرات اور دکن میں ایک ہی زبان رائج ہے۔“ اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ ”تین سو پچاس سال کے ان علاقوں کا دہلی کے ساتھ الحاق ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں دہلی سے دکنیوں کا براہ راست کوئی تعلق نہیں رہا۔ اور

نتیجہ یہ نکلا کہ دکنی اردو، متعدد امور میں جو بعض صُرف و نحو سے تعلق رکھتے ہیں، اور بعض محاورے سے، مختلف ہو گئی۔“

صوبہ بہار دکن اور گجرات کے برخلاف قطب الدین ایبک کے وقت سے سلطنت مغلیہ کے اواخر تک اور پھر برطانوی عہد میں بھی سلطنت دہلی کے ماتحت رہا اور اس کا تعلق براہ راست مرکز سے مستحکم اور گہرا تھا۔ اس صورت حال کا لسانی نتیجہ یہ نکلا کہ دہلی اور نواح دہلی میں جو لسانی تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ پٹنہ اور بہار پر ان کا جلد اثر پڑتا گیا۔ عہد وسطیٰ کی بہاری اردو اور دکنی و گجراتی اردو میں فرق و امتیاز کے تین پہلو ہیں۔ یوں تو عہد اور رنگ زیب سے معیاری اردو زبان عالمگیر ہونے لگی۔ ہاں تھوڑی تھوڑی علاقائی خصوصیتیں پھر بھی باقی رہ گئیں۔

بہاری اردو کے قدیم کی سب سے پہلی خصوصیت تو یہ ہے کہ اس کی زمین بہاری آپ بھرنشیں ہیں۔ یعنی مگھی، بھوچوری اور میتھیلی۔ جب ان بولیوں میں درجیتہ پن، شروع ہوا، تو اس کے ساتھ ساتھ دھلی کے واسطے سے وسطیٰ بہاری اردو پر بھی پنجابی بولی کا اثر پڑا جیسے دکن اور گجرات پر پڑا تھا۔ اس کے شواہد ملتے ہیں۔ لیکن اب تک بہار میں تحقیقات و انکشاف کا کام اس منزل پر نہیں پہنچا جس مقام پر دکن میں پہنچا ہے۔ عہد قدیم اور دور وسطیٰ کے لسانی نمونے بہار میں بہت کم ملے ہیں۔ اور جو ملے ہیں وہ اتنے پرانے نہیں جتنے دکن اور گجرات کے ہیں۔ لیکن قرآن یہ بتاتے ہیں کہ عہد وسطیٰ کی بہاری اردو پر اتنا

پنجابی اثر نہیں پڑا ہو گا جتنا خود دہلی کی زبان پر اور دہلی کے ذریعہ دکن اور گجرات پر پڑا تھا۔ کیونکہ اس دور دراز علاقے میں پنجابی بڑی تعداد میں نہیں آئے ہوں گے اور دوسرے یہ کہ بہاری بولیوں میں پنجابی اثر قبول کرنے کا وہ مادہ نہیں تھا جو قربت لسانی کی وجہ سے ہریانہ، دہلی، مغربی اوتڑ پردیش، راجستھان وغیرہ میں تھا۔ بہاری اردو کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ دہلی سے مسلسل ربط و تعلق کی وجہ سے وہ لسانی تبدیلیاں جو دارالسلطنت میں ہو رہی تھیں دکن اور گجرات کی بہ نسبت جلد تر بہار میں رونما ہوئیں یعنی جب دہلی کی زبان پر مختلف اسباب سے کھڑی بولی ہندوستانی کا غلبہ کامل ہوا تو بہار میں بھی بڑی تیزی سے کھڑی بولی ہندوستانی رواج پانے لگی۔ اس دیار میں علاقائی اور پنجابی اثرات جلد محو ہو گئے اور معیاری اردو زبان تہذیبی اور ادبی طور پر پھیل گئی۔

میں اپنی تازہ ترین تحقیقات کی بنا پر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ عہد اورنگزیب لانی عالمگیر (۱۶۵۷ء تا ۱۷۰۷ء) کے اختتام تک شمالی ہند میں لسانی یکسانی پھیل رہی تھی اور اس کا اثر دکن اور گجرات پر بھی نمایاں طور سے پڑنے لگا تھا۔

اس امر میں ایک اہم مذہبی کتاب فقہ ہندی کے چند نسخوں کی گواہی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ ۱۳ جون ۱۹۵۴ء کو مجھے فقہ ہندی کے دو نسخے شاہ مجتبیٰ حسین صاحب کے خاندانی کتب خانہ واقع بہار شریف، ضلع پٹنہ میں ملے۔ دونوں نسخے قدیم ہیں، کرم خوردہ، قلمی۔ قدیم تر نسخے کے آخری صفحہ پر لکھا ہے :

”تمام شد نسخہ فقہ ہندی واقعہ بتاریخ ہشتم شہر رجب ۱۲۱۸ھ فصلی۔“

فقہ ہندی کا دوسرا نسخہ مخطوطات کے مجموعوں کی دوسری جلد میں ہے۔ اس کا کاغذ نسبتاً صاف ہے اور اتنا ربودہ بھی نہیں۔ اختتام کے بعد درج ہے کہ :

”تمام شد نسخہ فقہ ہندی واقعہ بتاریخ سیدوم رجب المرجب ۱۲۲۵ھ فیصلہ“

از خط خام عاصی گنام سید نور علی احتتام یافت “

میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ فقہ ہندی کے دونوں مذکورہ نسخے کسی قدیم تر بہاری نسخے سے ہی منقول ہیں کیونکہ ثنوی کے ان نسخوں کی زبان پر بہاریت کا صاف اثر ہے۔ ثنوی فقہ ہندی عہد عالمگیر کی تصنیف ہے۔ مجھے اب تک فقہ ہندی کے پانچ نسخوں کی اطلاع ملی ہے، ایک پنجاب میں، دوسرا گجرات میں، تیسرا اودھ میں اور چوتھا وپانچواں بہار میں۔ بنیادی طور پر یہ سب نسخے ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں۔ اُن کی زبان ایک ہے۔ ہاں تھوڑا مقامی بولیوں کا اثر موجود ہے۔ لیکن فقہ ہندی کے ہر نسخے پر پنجابی بولی کا اثر بھی ہے۔

سب سے پہلے فقہ ہندی کا نسخہ اسپرنگر کو کتب خانہ اودھ میں ملا تھا۔ اُس نے فرست کتب خانہ اودھ میں اسے محشر نامہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ وہ اس رسالے کے ناظم کا نام محمد جیون عرف محبوب عالم متوطن ججہ بیان کرتا ہے۔ چند اشعار جو نقل کئے گئے ہیں اُن میں کچھ فقہ ہندی کے دوسرے نسخوں سے ملتے ہوئے ہیں۔ پرافسر شیرانی کو فقہ ہندی کا ایک دوسرا نسخہ مملوکہ پرافسر سراج الدین آذر ام۔ اے ملا جو ۱۲۳۳ھ کا نوشتہ ہے۔ اسپرنگر کا افتتاحی شعر کسی اور رسالہ کا

کا معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے نسخوں میں وہ شعر مرگز نہیں۔ اُسے مصنف کے نام میں بھی غلطی لگی ہے۔ فقہ ہندی کا مصنف عبدی ہے، نہ کہ محمد جیون۔ عبدی کا نام مثنوی کے مندرجہ ذیل شعر میں آتا ہے۔ ۷

کہتے مسلہ دین کے عبّی کہے امین : فقہ ہندی زبان پر بوجھو کر ولیقین  
ایک ہندوستانی زبان میں فقہ اسلامی کے مسائل پیش کر کے فقہ ہندی  
کے مصنف نے بڑا انقلابی قدم اٹھایا تھا۔ اُس کا یہ عمل بہت مقبول ہوا۔ پنجاب کے  
علاوہ ہریانہ، گجرات، اودھ اور بہار میں اسے شہرت اور مقبولیت حاصل  
ہوئی۔

فقہ ہندی کا گجراتی نسخہ علامہ سلیمان ندوی کو سفر گجرات کے دوران ملا  
تھا۔ علامہ نے مثنوی کے اشعار کے حوالے بھی درج کئے ہیں۔ اس نسخہ میں تصنیف  
کا سال ۱۰۵۷ھ لکھا ہے۔

فقہ ہندی کون مومنان کرو زبان پر یاد مسائل آویں دین کے کبھو نہ ہوے فساد  
سنہ ہزار کچھتر بیچہ ماہ رمضان تمام اورنگ شاہ کے دور میں نسخہ ہوا تمام  
اس نظم کا وزن عربی و فارسی اوزان میں سے نہیں، بلکہ ہندی وزن کی  
پیروی میں ہے۔

ہماری نسخوں کے ابتدائی اشعار حسب ذیل ہیں :-

حمد ثابہ رب کون خالق کلّ جہان لایق حمد و ثنا کی اور نکوئی جان

۷۔ 'سفر گجرات کی چند یادگاریں'؛ نقوش سلیمانی ص ۲۷۶

علم شریعت نال کی بھیجا پاک رسول جو کچھ بھیجا رب نے سبہ ہم کیا قبول

کیتی مسئلہ دین کی عبت و کی امین فقہ ہندوی زبان پر بوجھو کر موقیقین  
مطلب مسئلہ بوجھنا جو کوچہ ہوئی زبان عربی ترکی فارسی ہندوی یا افغان  
علم شریعت بوجھنا فرض عین کی جان بالغ جو رو مرد کون جو ہوئی مسلمان  
فقہ ہندی خاصا بڑا رسالہ - کل ۳۲ اوراق بہاری نسخہ نمبر ۱ میں  
موجود ہیں اور ہر صفحہ پر کم و بیش ۶ اشعار درج ہیں - ختم رسالہ پر مندرجہ ذیل اشعار  
ملتے ہیں :-

کعبہ آوے نظر میں پڑہ درود و دعاء اور تکبیر و تہلیل کہہ جو ہی امر خدائے  
فقہ ہندوی کون مومنان آواز زبان پر یاد مسئلہ اوہیں دین کے مول نہوئی فساد  
سنہ ہزار چوتھ تریج رمضان تمام اورنگ شاہ کے دور میں نسخہ ہوا تمام  
فقہ ہندی کے بہاری نسخوں میں بہاری زبان کے اثرات جا بہ جا ملتے  
ہیں - مثلاً، ہندوی - کرہو - جو رو - سبہ - بیچہ - ہاتھ - دینہ - جاؤ نہ -  
پانچہ - پچھین - 'ہ' کی آواز کا اعلان بہاری بولی میں مبالغہ کے ساتھ  
دیر تک ہوتا رہا - پنجابی نسخہ میں 'ہ' کی آواز گر گئی ہے - نئی ہند آریائی

۱۔ بہار شریف کے نسخہ نمبر ۱ کے حاشیہ پر "عبت و" کے پاس لکھا ہے - "نام صاحب مصنف -"

۲۔ پنجابی اور بہاری نسخوں میں ۱۰۴۴ ہجری سنہ تصنیف لکھا ہے، گجراتی نسخہ ۱۰۴۵ ہجری

اور آدھی نسخہ میں "سن ہزار چوتھے" +



زبانوں میں وسطی زبانیں یعنی مغربی ہندی، مشرقی ہندی اور بہاری زبانیں ”ا“ کی آواز کو الفاظ کے بیچ یا آخر میں بڑی تاکید سے قائم رکھتی ہیں ”ا“ کی مرکب آواز بھی قائم رکھی جاتی ہے۔ مثلاً گھ - جھ - دھ - ڈھ - بھ - بر خلاف ان کے بنگالی، پنجابی اور سندھی میں ”ا“ کی آواز گر جاتی ہے۔ یا بنیادی طور پر بدل جاتی ہے۔

فقہ ہندی کے پانچوں نسخوں کی زبان کا عام ڈول اور ڈھانچہ کھڑی بولی ہندوستانی کا ہے۔ مختلف ناقلوں نے اپنی اپنی مقامی زبان کا لحاظ رکھتے ہوئے قدرے رد و بدل کیا۔ اس مثنوی کے سب نسخوں میں پنجابی اثر کا موجود ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ عہدِ عالم گیر میں ہی یا اس کے قریب ترین زمانہ میں فقہ ہندی اودھ، بہار اور گجرات میں منقول ہو کر مقبول خاص و عام ہو چکی تھی۔ اور عہدِ مغلیہ میں بہاری اردو میں پنجابی اثر مٹ چکا تھا۔ اگر مثنوی کی نقل بہت بعد میں ہوئی تو مقامی ضرورت کا لحاظ کر کے پنجابی الفاظ بالکل ترک کر دیئے جاتے کیونکہ بہاری نسخوں میں رد و بدل کا بہاری میلان پایا جاتا ہے۔ قرآن بھی کہتے ہیں کہ رسالہ فقہ ہندی تصنیف کے فوراً بعد ہی پنجاب سے بہار پہنچ گیا تھا اور یہاں اچھی طرح سمجھا جاتا تھا۔ پرافسر شیرانی لکھتے ہیں:

”شمالی ہندوستان میں جس میں دہلی بھی شامل ہے، اردو کی قلمی

۱۔ انڈو ایرین اینڈ ہندی: چترتھی، ص ۱۰۵

۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو میرا مقالہ ”مثنوی فقہ ہندی“ رسالہ نقوش، لاہور۔

یادگار بن گیا رہویں صدی ہجری سے زیادہ قدیم نہیں ملتیں۔ پنجاب میں بھی اسی صدی سے تالیفات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ پنجاب میں مولانا عبدی کی تصنیف رسالہ فقہ ہندی سب سے قدیم ہے، جو ۱۷۷۷ء میں بہار اورنگ زیب عالمگیر لکھا جاتا ہے۔“

بہار میں فقہ ہندی کے دو قدیم نسخوں کا پایا جانا اس حقیقت کا ایک ثبوت ہے کہ اس صوبہ میں اردو زبان عہد عالمگیر میں پھیل گئی تھی۔ مثنوی کے مختلف نسخوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عالمگیری دور میں شمالی اور جنوبی ہند میں قدرے مقامی رنگ کے ساتھ لسانی یکسانی پیدا ہو گئی تھی۔ یہ زمانہ بہار میں اردو زبان کے ارتقا کا ایک اہم سنگ میل ہے۔

مجھے ایک اور اہم اور قدیم کتاب کے دو قلمی نسخے بہار میں ملے ہیں۔ یہ کتاب ملا محمد رمضان کی نظم کردہ ہے۔ نام ’آخرت نامہ‘ یا ’آخرت گت‘ ہے۔ پہلے پہل مجھے اور پروفیسر حسن عسکری صاحب کو یہ خیال ہوا تھا کہ ’آخرت نامہ‘ کسی بہاری کی تصنیف ہے۔ مگر بعد میں خارجی اور داخلی شہادتوں سے حقیقت معلوم ہوئی۔ بہر کیف صوبہ بہار کے دو مختلف مقامات میں ’آخرت نامہ‘ کے پُرانے قلمی نسخوں کا ملنا اس امر کا ثبوت ہے کہ اس صوبہ کے قصبات میں بھی اردو زبان کا اثر و نفوذ عہد عالمگیر کے بعد بھی دن بہ دن بڑھتا گیا۔ نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وسط تیرہویں صدی ہجری تک لسانی و ادبی لحاظ سے ہریانہ سے لے کر صوبہ بہار

تک ایک وسیع دائرہ قائم ہو چکا تھا۔ 'آخرت نامہ'، ملا محمد رمضان متوطن ہریانہ کی تصنیف ہے۔ پرافسر محمود شیرانی نے اپنی مشہور کتاب 'پنجاب میں اردو' کے مقدمہ میں محمد رمضان اور "آخر گت" کا سرسری تذکرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"..... ہریانی علاقوں میں تصنیفات کا سلسلہ برابر جاری رہتا

ہے۔ لیکن اس کے ادبیات کے متعلق ہماری موجودہ معلومات

بہت محدود ہیں۔ حضرت شاہ غلام جیلانی رشتہ کی مصنف 'پو پائیہا'،

متوفی ۱۲۳۵ھ اور مولوی محمد رمضان مصنف 'آخر گت'، و

'ببل باغ محمد' (۱۲۲۶ھ) اور انور رشتہ کی (جو اسی صدی کے

نصف دوم سے علاقہ رکھتے ہیں) کے نام اور تصنیفات سے

پتہ چلتا ہے کہ محبوب عالم کی تحریک اس علاقہ میں برابر جاری

رہی ہے۔" (مقدمہ ص ۷۷)

'آخرت نامہ' کا ایک نسخہ بانگ درا کے سائز کا ہے۔ اس میں ایک سو ۱۱۷

اوراق ہیں۔ دوسرا نسخہ الفاروق کے سائز کا ہے۔ دونوں نسخوں کا کاغذ دررد

اور موٹا ہے۔ دونوں بہارسی نسخے مکمل ہیں۔ ایک نسخہ مجھے پرافسر سید حسن،

صدر شعبہ فارسی، پٹنہ کالج کے ذریعہ شیخ محمد منصور ام۔ اے سے ملا اور دوسرا

پرافسر سید حسن عسکری، صدر شعبہ تاریخ، پٹنہ کالج سے حاصل ہوا۔ اول الذکر

نسخہ پر درج ہے:

"حق مالک این نسخہ کتاب آخرت نامہ شیخ غلام مخدوم ابن شیخ

غلام نجف بن شیخ محمد عالم ولد محمد جہانگیر ساکن موضع اوگانواں پرگنہ

حویلی بہار اند ..... ”

ثانی الذکر نسخہ پر افسر سید حسن عسکری کو خانقاہ منیر شریف سے دستیاب ہوا تھا۔ دونوں نسخوں میں تھوڑا تھوڑا فرق نظر انداز کرنے کے قابل ہے۔ آخرت نامہ کا آغاز یوں ہوتا ہے۔

پہل حمد ہی پاک سبحان کی	بنائی صی جن صورت انسان کی
کیئی آپ عالم اٹھارہ صدزار	بزرگی کا آدم پی کیا اوتار
جولاشی و مذکور ظاہر کیا	سبب خاک نطفہ کی باہر کیا
اختتام کتاب یوں ہے :-	

تیری دوست کی نام پر ہی ختم	محمد نبی جو شفیع الائم
ختم دوست کی نام اوپر ہوئے	محمد محمد محمد بنیہ
محمد محمد علیہ السلام	علیک الصلوٰۃ ہمیشہ مدام
تمت تمام شد کتاب آخرت نامہ و آخر گت	

تاریخ ہشتم شہر ربیع الثانی ۱۲۳۲ھ ہجری المقدس  
دوسرے نسخہ میں تاریخ کتابت ”بست و پنجم شہر جمادی الاول ۱۲۴۹ھ“

درج ہے۔

کتاب کے خاتمہ سے کچھ پہلے مصنف فرماتے ہیں :-  
غرض ایک ہی سب پڑھن ہا پر  
کریں وی دعا مجھ گنہ کار پر

آخر گت میں تاریخ ہی سن کتاب بہر آخرت نامہ ، م متاب

اس ادہیات چہین رمضان نام محمد ہو سر پر تو ی نام  
محمد و رمضان دونوں میں گیارہ سے ترا سے عدد ہوں کہیں

یہی سن ولادت ہی رمضان کے

جو ابجد سے واقف ہو پہچان کے

محمد رمضان کا سن ولادت ۱۱۸۳ھ ہے اور آخرت نامہ ، کا سن

تصنیف ” آخر گت “ سے ۱۲۲۲ھ نکلنا ہے ۔ آخرت نامہ ایک مذہبی منظوم

کتاب ہے ، جس میں مناجات کے علاوہ جانکنی ، موت ، عذاب قبر ، موجبات

نجات ، احوال شہداء ، احوال قیامت ، علامت قیامت ، امام مہدی ، جنگ

نصاری ، احوال دجال ، نزول عیسیٰ علیہ السلام ، یاجوج ماجوج ، شفاعت ،

نامہ اعمال ، میزان ، کلمہ تجید وغیرہ کا بیان ہے ۔

اب میں عہد وسطیٰ میں بہار کی زبان کی کیفیت کا ایک دوسرا پہلو کھڑی بولی  
ریخت

پیش کرتا ہوں ۔ کھڑی بولی ہندوستانی نے بہار میں اب تک گھر بنا لیا تھا

اور سماج کے مختلف طبقوں میں طرح طرح سے اپنا اثر دکھا رہی تھی ۔ ملی جلی

پوربی اور بہاری بھاشاؤں کے درمیان کھڑی ہندوستانی بولی ریخت کے

سہارے پینے اور پھیلنے لگی تھی ۔

راجہ مان سنگھ ، بہار کا ایک جلیل القدر گورنر تھا ۔ پرافسر حسن عسکری

کو راجہ موصوف کا ایک فرمان شاہ محنت راجہ احمد ساکن جروہہہ متصل حاجی پور سے

لا ہے۔ اس کا عکس بنگال پاسٹ اینڈ پریزنٹ، جلد ۶۶، ۱۹۴۶-۴۷ء میں حسن مکاری نے اپنے مقالہ کے ساتھ شائع کرایا ہے۔ فرمان فارسی میں بھی ہے اور ہندوستانی میں بھی۔ ہندوستانی عبارت مہاجنی رسم الخط میں ہے اور اس کی ۲۵ سطریں ہیں۔ ہندوستانی عبارت داہنی طرف ہے اور فارسی عبارت بائیں جانب۔ فرمان راجہ مان سنگھ حسب ذیل ہے :

”سید محمد وسید احمد عرف ماموں بھانجا

حکم عالی شد ۵۰ عمال و متصدیان مہات پرگنہ حاجی پور بنایت  
والنفات امیدوار بودہ بدانند کہ بموجب تصحیح و تصدیق صدرت  
پناہ مرحومی قاضی یعقوب و اسناد حکام سابق موازی چہارہ  
بگنہ زمین مزر و عہ خارج جمع اثر سال تمام از موضع جروہہ از  
پرگنہ مذکور در وجہ مدد معاش شیخ بخش و جمال مجاوران مزار  
متبرکہ قطب الاقطاب مقرر بود والہ۔ ۲۱۔ ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ“  
ہندوستانی عبارت مہاجنی رسم الخط میں حسب ذیل ہے :-  
”سری ہاراج دھیراج۔ سری مان سنگھ جیو۔

نانو متصدی مہات پرگنہ حاجی پور آدی سیس اسنانپنہ  
اپر بموجب تسمی و تصدیق قاضی یعقوب و سند سابق حکام

موازی مزدوم چودہ گنہ کاشت سال تمام از موضع جروہہ از  
پرگنہ مذکور در وجه مدد معاش شیخ بخش با جامع مجاوران مزار  
مقرر ہے۔ سہی فصل خریف پائس ایل ۹۹۹ء۔ یہ اس وقت  
سابق بشرط قبض و تصرف و موافق تقسیم قانون گویان حوالہ  
مشائرہ الیہ کے کیجیو۔ دخل مت کرو۔ و ہر سال پروانہ طلب  
مت کرو۔ سال تمام میں فی گنہ مزدوم تیجھے شکہ یک خالصہ  
لیجیو۔ اور و اور کچھ دخل مت کرو۔ سری سری۔ اپو کرن  
۲۲ ذی الحجہ ۹۹۹ء۔“

یہ ہندوستانی عبارت فارسی و عربی آمیز یعنی ’ریختہ‘ ہے۔ ”اور و“  
اور ”کچھ“ کے فارم اور مہاجنی (راجستھانی) رسم الخط کے استعمال سے  
راجستھانی اثر کا پتہ چلتا ہے۔ راجہ مان سنگھ، راجپوتانہ کا ہی رہنے والا تھا۔  
اُس کے عملہ کے کچھ لوگ بھی راجستھانی ہوں گے۔ قرینہ یہ ہے کہ فارسی  
عبارت کے ساتھ ہندوستانی عبارت اس لئے لکھی گئی کہ بہار کے لوگ اور  
سرکاری اُعمال ہندوستانی کھڑی بولی ریختہ کو آسانی سے سمجھ سکتے تھے۔ کیونکہ اس  
کا رواج عام ہو رہا تھا۔ سرکاری زبان تو فارسی تھی۔ مگر کھڑی ہندوستانی بولی

۱۔ پائس ایل ترکی مینہ ہے غالباً۔ ۲۔ شکہ = پوٹی +

۳۔ یہ دستاویز اب تک مالک (شاہ مختار احمد، ساکن جروہہ، متصل حاجی پور) کے پاس  
ہے۔ ملس، بنگال پلاسٹ اینڈ پریزنٹ، جلد ۶۶، ۴۶-۱۹۴۶ء۔

بھی ہتار میں اب تک اپنی انفرادیت، وقار اور عمومیت قائم کر چکی تھی۔ حکومت کی رواداری کی یہ ایک اچھی مثال بھی ہے۔ سرکاری دستاویزوں میں سرکاری زبان کے علاوہ اگر دوسری علاقائی یا عمومی زبانوں کو جگہ دی جائے، تو یہ دستاویزیں، اعلان نامے اور حکم نامے لوگوں کے ہر طبقہ میں اچھی طرح سمجھے اور پسند کئے جائیں۔

اوپر کی سطروں میں راجستھانی رسم الخط میں لکھی ہوئی ہندوستانی کھڑی بولی ریختہ یعنی اُردو کا ایک نمونہ پیش کیا گیا جو ہتار میں ملا ہے۔ یہ سولہویں صدی عیسوی کے اواخر اور سترھویں صدی عیسوی کے آغاز کی زبان ہے جو اس صوبہ میں رواج پا چکی تھی۔ اب میں میتھیلی رسم الخط میں لکھی ہوئی ہندوستانی کھڑی بولی کا ایک قدیم نمونہ<sup>۱</sup> پیش کرتا ہوں جو آج سے قریباً دو سو سال قبل کا ہے یعنی وسط اٹھارویں صدی عیسوی کا۔ اس میں عربی و فارسی لفظوں کی آمیزش بھی ہے۔ غرض یہ کہ یہ نمونہ کھڑی بولی ریختہ کی اچھی خاصی مثال ہے۔ مگر اس میں تثنیہ سنسکرتی شبد بھی ہیں۔ کیونکہ جس کتاب سے یہ عبارت لی گئی ہے وہ ایک مہا میتھیلی پنڈت کی لکھی ہوئی ہے۔ مجھے مذکورہ بالا مخطوطہ پرافسر

---

۱۔ انیسویں صدی کے اواخر تک کھڑی ہندوستانی بولی مختلف رسم الخطوں میں لکھی جاتی رہی ہے۔ پرافسر سید حسن، صدر شعبہ فارسی پٹنہ کالج کے پاس بمبئی کے تعبیروں میں کھیلے جانے والے درجن مہر ایسے مطبوعہ اُردو ڈرامے ہیں جو گجراتی رسم الخط میں شائع کئے گئے ہیں۔ رسالہ 'نوائے ادب' بمبئی میں ان کا مقالہ شائع ہو چکا ہے۔



جے دیومہرا سے حاصل ہوا تھا۔ پنڈت کو داندہمہرا معروف بہ دُلہہ ہمبر (दुलहे महर) نے سنسکرت زبان میں علم نجوم کی ایک معیاری کتاب 'سوریہ سیدھانت' یا 'سورج سیدھانت' (सूर्य-सिद्धान्त) مصنفہ وراہمہ میہیر کا ترجمہ ہندوستانی کھڑی بولی میں کیا تھا۔ پنڈتوں کے درمیان یہی زبان اُس عہد میں چلی ہوئی تھی یعنی ہوان کھڑی ہندوستانی بولی۔ پنڈت کو داندہمہرا جو نہ میتھیلی تھے، لہذا انہوں نے میتھیلی رسم الخط استعمال کیا۔ یہ ترجمہ قریباً دو سو برس پہلے وسط اٹھارہویں صدی عیسوی میں ہوا۔ کسی بڑے علم دوست انگریز نے پنڈت دُلہہ ہمبر کے سپرد علم کی یہ عظیم الشان خدمت کی تھی، جس سے پنڈت جی کماحقہ عہدہ برائے ہوئے۔ "سوریہ سیدھانت" کا مذکورہ ترجمہ ایک پیٹے ہوئے پلندے کی شکل میں پرافسر

پرافسر جے دیومہرا، صدر شعبہ میتھیلی، پٹنہ کالج، علم نجوم کی یہ کتاب 'سورج سیدھانت' سنسکرت کا ترجمہ ہے۔ جسے کو داندہمہرا نے کیا تھا۔ انہیں دُلہہ ہمبر بھی کہا جاتا تھا۔ آپ پرافسر جے دیومہرا کے لکڑ دادا تھے۔ میتھل پنڈتوں میں علوم قدیمہ کا ذوق و شوق اب تک ہے۔

'سوریہ سیدھانت'، بھاشکر چارج سے بھی موسوم ہے۔ اس کے علاوہ "گرہ پٹا گھا" مصنفہ برہم گپتا کا بھی ترجمہ کھڑی بولی میں ہے۔ ترجمہ کو داندہمہرا ہی کا کیا ہوا ہے۔ غالباً سوریہ سیدھانت (सूर्य-सिद्धान्त) ۱۸۷۷ء میں لکھی گئی۔

کو داندہمہرا کے عہد کا تین دوسری دستاویزوں اور مذکورہ کتاب سے بھی ہوتا ہے۔ پنڈت موصوف نے شاہ عالم (۱۶۶۰ تا ۱۸۰۴ء) بادشاہ کے عہد سلطنت اور شتاب رائے کی صوبہ دار کے دور میں علم نجوم کی یہ کتاب لکھی تھی۔ لکھتے ہیں :

"بھری بھری بھری بھری گوہر شاہ پادشاہ، بھری بھری بھری مظفر جنگ نواب، بھری بھری شتاب رائے صوبہ دار، بھری بھری ہمارے پر تاج سنگمہ ...." (آغاز کتاب سوریہ سیدھانت)

جے دیومر کے پاس موجود ہے۔ یہ قدیم مخطوطات اور تصویروں کے پٹینے کا چینی طریقہ ہے۔ کاغذ نیپالی ہے جسے ماڑ سے لبسدار بنا کر (مرط یا کر) سکھایا جاتا ہے۔ اور پھر سنگھ سے چکنا کیا جاتا ہے۔ میٹھیل علاقہ تبتیوں اور نیپالیوں کے قبضہ میں رہ چکا ہے وہاں چینی اثر کا پایا جانا تعجب خیز نہیں۔ دستاویزوں اور مخطوطوں میں ورق کے نیچے ورق چپکائے جاتے تھے اور لکڑی کے دستے میں اس طومار کو لپیٹ دیا جاتا تھا۔ 'سوریہ سدھانت' کا ترجمہ بھی نیپالی کاغذ کے کئی اسکرولوں میں پیش کیا گیا تھا۔ اسی صورت میں وہ مخطوطہ آج بھی موجود ہے۔ پرافسر جے دیومر کی مدد سے میں نے اس کتاب سے عبارتیں نقل کی ہیں :

”چندر کلشا، کا پیدا اسی کہتین ہے۔ جس روج میں بوجھنے کا ہوئے۔ تس اپانے روج میں راتی کئے چندر او دے کال میں چندر ما کا چھایا دو آد شانگل شنکو سین چھایا نا پنا۔ تس ہی کال میں جتر سین چندر اسپشٹ معلوم کرنا۔ تس چندر ما کا اسپشٹ کرانتی (ایک آدمی) جیا کرنا تس سین شیتی جیا لاؤنا۔ تس سین چر جیا (دوسرے آدمی) سادھنا۔ تس کا دھنوسین چر ہوتا ہے۔ چر سین چندر ما کا دنار دھ کرنا .. .. والہ“

اور :

”سورج سدھانت میں بھی کہا ہے۔ شلوک ایک سرشٹی شروچ سین

برہسپتی کا جتنا بگنٹڑ بتایا ہوئے، تس کون بارہ سین پورن کرنا۔ تس  
مین متنا راشی میزان کرنا۔ تس کون ساٹھ سے بھاگ ہر تے میں سین  
بوجھنا۔ بجے شروع جئے او غیر آگنٹڑ نا کر یکے برہسپت کا برہس  
معلوم کرنا .....

اور :

”جس سبب سین سوگرہ کلشا کاشٹا مار دھ چلکرن ہے۔ گنٹڑت  
سے بھی چلکرن لاؤنا۔ اس طرح سے جو چلکرن معلوم ہوا۔ تس کا برگ  
مین دور جیا ورگ کی کرنا۔ تس کو جو مول سو کوئی ٹہے۔ سو جو کوئی  
سو مکراد کیندر مین کو ٹجیا انت پھلجیا اس دونوں کا مینران برودہ  
دیکھا .....

معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب سورج سدھانت کا آزاد ترجمہ ہے۔ کیونکہ  
لکھا ہے کہ : ”سورج سدھانت میں بھی کہا گیا ہے“ یہ لفظ ”بھی“ قابل غور  
ہے۔ قریب ہے کہ علم نجوم کی مذکورہ کتاب سورج سدھانت کی بنا پر لکھی گئی ہے  
مگر ترجمہ نہایت ہی آزادانہ ہے۔ عبارتوں کا ”ریختہ پن“ اور ”تسم“ شبدوں  
کا بہوار ساتھ ساتھ دلچسپ اور سبق آموز ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اردو کے مزاج میں  
”تدبھاؤ“ شبد بار پائے ہوئے ہیں۔ لیکن ”تسم“ کا قدرے استعمال ہوتا رہا ہے۔  
اگر آج اور آئندہ بھارتی اردو میں کچھ اور ڈھب کے موزوں تسم سنسکرت شبد

سلیقے اور قرینے سے لئے جائیں تو سازگار ہوں گے۔ بہر کیف مذکورہ بالائین چھوٹی چھوٹی عبارتوں میں مندرجہ ذیل عربی و فارسی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں:-

پیدا - روز - آدمی - شروع - میزان - معلوم - وغیرہ - طرح -  
کئی - برابر - سبب +

روز ، دوبار - معلوم کرنا ، دوبار - معلوم ہوا ، ایک بار - آدمی ،  
دوبار - شروع ، دوبار - میزان ، دوبار ، (میزان اور میزان کرنا) - پیدا ،  
ایک بار - وغیرہ ، ایک بار - طرح ، ایک بار - کئی کرنا ، ایک بار - برابر ، ایک بار -  
سبب ، ایک بار +

پوری کتاب میں کثرت سے عربی و فارسی لفظ برتے گئے ہیں۔ مثنیٰ نمونہ  
از خروارے پیش ہو چکا۔ اس قیمتی مخطوطہ سے دو نتیجے نکلتے ہیں۔ اول یہ کہ کھڑی  
بولی ہندوستانی میں 'ریختہ پن' فطری اور عمومی رو ہے اور اس میں 'ہندو  
ہندوستانی' اور 'مسلم ہندوستانی' کی تفریق غلط اور فتنہ ساز ہے۔ یورپی  
تحقیق کرنے والوں اور اساتذہ نے ناحق یہ تقسیم کی اور دو طرز کے لسانی میلانوں  
کو فرقہ واری نام دیدیئے۔ حد یہ کہ پرافسر گارسان دتاسی نے بھی "ہندوستانی

عربی و فارسی الفاظ بھی "پراکرتی نو" سے متاثر ہوئے ہیں۔ اور ان کا بھی "تدجاؤ" بنا ہے۔ مثلاً:

روح - شروع - اوگرا +

۱۴ خطبات گارسان دتاسی ۱۸۵۵ء تا ۱۸۶۹ء - دوسرا خطبہ ۱۶ تا ۱۷ - پانچواں خطبہ ۱۸

انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد (دکن) - ۱۹۳۵ء -

زبان کی ہندوئی اور اسلامی شاخوں "کافرق" روار کھا ہے۔ اگر ہندوستانی کی دو طرزوں کی انفرادیت تسلیم بھی کر لی جائے تو بھی یہ بات نامناسب اور غلط ہوگی کہ ایک کو ہندو طرز اور دوسرے کو مسلم طرز کہا جائے۔ یہ تو طے ہے کہ دونوں طرزوں میں ریختہ پن کم و بیش موجود ہوتا ہے۔ پھر اردو زبان ہندوؤں میں بھی مروج ہے اور ہندی مسلمانوں میں بھی۔

دوسرا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رسم الخط کے معاملے میں ہندوستانی جیسی وسیع الاثر اور ہند گیر زبان کو وحدانی بنانا غلط ہے۔ مذکورہ مخطوطہ میں ہندوستانی کھڑی بولی ریختہ کو میتھی رسم الخط میں پیش کیا گیا ہے۔ اسے ناگری رسم الخط میں پیش کیا جائے یا فارسی رسم الخط میں یا گجراتی، مرہٹی اور گورکھی و بنگالی میں، اس تنوع کی اجازت ہونی چاہیے اور ہندوستانی کے دو میلانات کو انتہا پسندانہ طور پر منحرف ہونے دینا نہیں چاہیے۔ یہی سلامتی، صحت، امن اور اتحاد کا طریقہ ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوشش

من اندازِ قدتِ رامی شناسم

قبل تذکرہ ہو چکا ہے کہ معیاری اردو زبان کی ترکیب کی دو جہتیں ہیں، کھڑی بولی کی جہت اور عربی، فارسی و ترکی الفاظ کی آمیزش کی جہت۔ عہد قدیم و عہد وسطیٰ دونوں میں ہمارے مغربی مدد دہش کی بولیوں کا اثر پڑا اور یہاں کی بولیوں میں عربی و فارسی لفظوں کی آمیزش بھی ہوئی۔ آج بھی اس امر کا بہ کثرت ثبوت

۱۔ ہندی کی لغت "شبد ساگر" میں بکثرت عربی و فارسی الفاظ ہیں۔ نیز فی۔ روی۔ ہندی دکشنری میں۔

ملتا ہے کہ یہاں کی بھوچوری، لگی اور تھیلی بولیوں میں عوامی حیثیت سے عربی، فارسی و ترکی الفاظ داخل و شامل ہیں اور ان کا روزمرہ استعمال ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ لفظ نئے مہمان نہیں ہیں، بلکہ صدیوں پہلے بہاری بولیوں میں گھر کر چکے ہیں۔

میں نے بہار کے گاؤں، بستیوں، قصبوں اور شہروں سے ایسے الفاظ جمع کئے ہیں جو عربی، فارسی یا ترکی ہیں۔ مگر عوام کی بولیوں سے اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ وہ صوبہ کی مختلف علاقائی بولیوں اور مقامی روزمرہ کا اٹوٹ حصہ بن کر زبانِ عام پر چڑھ چکے ہیں اور جنٹا کے خیالات و جذبات میں گھر کر گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ عمل صدیوں قبل شروع ہوا ہو گا اور یہ الفاظ اس امر کا ثبوت ہیں کہ بہاری بولیوں میں ”ریختہ پن“ علاقائی لسانی تحریک و عمل ہے۔ اس عمل نے صوبہ میں معیاری اردو زبان کے جڑ پکڑنے میں بڑی مدد دی ہے۔ ہندوستانی زبانوں کا ”ریختہ“ بننا بہت ہی قیمتی فائدہ رساں اور یکسانیت و اتحاد پیدا کرنے والا عمل ثابت ہوا۔ اس ”ریختہ پن“ نے بھانت بھانت کی نئی ہند آریائی بولیوں کو متحد کیا، ملک کو ایک بین علاقائی زبان بخشی، ہند گیر معیاری اردو زبان کے پیدا ہونے میں مدد دی، ایک قومی زبان کے تصور کو جنم دیا اور اس کی پرورش کا سامان ہم پہنچایا۔

اب میں اپنے پنج سالہ لسانی سروے کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔ اگر زیادہ وسعت سے صوبہ میں لسانی سروے اور تجزیہ کا کام سائنٹیفک طور پر کیا جائے لسانی تو نتیجے زیادہ بصیرت افروز ثابت ہوں گے۔ سارے صوبہ بہار کی بولیوں میں

تدبھاؤ شبدوں کا عمل دخل ہے اور ان سے مل کر بنی ہوئی رنجیتہ کا۔ عربی، فارسی اور ترکی الفاظ کے ساتھ بھی اُسی طرح پراکرتی عمل (PRAKRITISATION) ہوا اور پھر آپ بھرنشوں کی سی کیفیت بھی پیدا ہوئی جیسی عہد قدیم میں سنسکرت شبدوں پر گزری تھی۔ شمالی اور جنوبی بہار کے اکثر باشندوں کی زبان کا یہی ڈھانچہ، ڈھنگ قماش اور رنگ ہے۔ چھوٹا ناگپور میں آدی باسی قبائلی بولیاں اور تدبھاؤ الفاظ سے بنی ہوئی ملوان گئی بولی، بولی جاتی ہے جس میں عربی و فارسی لفظ بھی ملے ہوئے ہیں۔

موجودہ بہار تین حصوں میں بننا ہوا ہے۔ شمالی بہار (جو دریائے گنگا کے اتر ہمالہ تک واقع ہے)، جنوبی بہار (جو دریائے گنگا کے دکن چھوٹا ناگپور کی سطح مرتفع تک پھیلا ہوا ہے)، اور چھوٹا ناگپور (یعنی جنوبی بہار کے دکن کی سطح مرتفع اور کُستان، جو اُڑیسہ تک وسیع ہیں)۔ شمالی اور جنوبی بہار میں نئی ہند آریائی بولیوں کا غلبہ ہے۔ مگر چھوٹا ناگپور میں کول ڈراور آدی باسی بولیوں کا زور ہے۔ اس کے باوجود اس علاقہ میں بھی اُردو زبان اسی ڈھنگ سے پھیلی ہے جیسے وہ دکن میں پھیلی تھی۔ حیدر آباد کا شہر تلنگانہ علاقہ میں ہے مگر وہ اُردو کا مرکز بنا۔ اسی طرح رانچی اُڑاؤں مُندازبانوں کے حلقہ میں ہے، پھر بھی وہ چھوٹا ناگپور میں مرکز اُردو کی حیثیت رکھتا ہے۔ شہر عظیم آباد (پٹنہ) اس دیار میں شاہ جہاں آباد (دہلی) کا فیمل ہے۔ قدیم عہد میں جھاڑ کھنڈ کا علاقہ آریائی اثرات کے تحت نہیں آیا تھا۔ شیر شاہ سوری نے اس خطہ میں ڈراور قوم (چیر و قبائل) کا زور توڑا۔ اور جہاں گیر

کے زمانہ میں چھوٹا ناگیور سلطنت دہلی کے زیر نگین ہو کر پٹنہ کی عمارت میں آیا۔<sup>۱۶۶</sup> کے بعد آریائی بولیوں کا اثر تیزی سے چھوٹا ناگیور میں پڑنے لگا۔ قربت کی وجہ سے گئی بھاشا چھوٹا ناگیور میں پھیلی۔ شمال کے رہنے والے بھی وہاں جا کے بسے اور اپنی بولی ساتھ لے گئے۔ مقامی لب و لہجہ سے متاثر ہو کر گئی بھاشا ہی پہلے مروج ہوئی اور بے انداز کھڑی بولی ریختہ کا اثر و نفوذ ہوا۔ عہد وسطیٰ میں ہی اُردو زبان چھوٹا ناگیور پہنچ گئی تھی۔ عہد جدید میں عیسائی مشنریوں کے ذریعہ کھڑی بولی ہندوستانی کے پھیلنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ آدی باسی قبائل کے لوگ بھی اب ہندوستانی بولنے لگے ہیں۔ انجن ترقی اُردو (ہند) نے سہیل عظیم آبادی کو تقسیم ملک سے پہلے قبائل میں ترویج اُردو کے لئے مقرر کیا تھا۔ فی الحال رانچی، ٹاٹا نگر، ہزاری پٹ چائی باسہ، پردیہا، لوہر دگا، گوٹا، اٹکی، ڈالٹن گنج وغیرہ کے گرد اُردو زبان پھیل رہی ہے۔ ان مراکز میں اُردو بولنے اور پڑھنے والوں کی بڑی خاصی تعداد موجود ہے۔ اور وہاں اُردو تحریک بھی چل رہی ہے۔

ہماری جنتا کی بولیوں میں گھلے ہوئے عربی، فارسی و ترکی الفاظ

درج ذیل ہیں :-

ملک - بادشاہ - سرکار - حاکم - رعیت - فیصلہ - داروغہ - جمدار -  
نشہ - قبالہ - حصہ - تحصیلدار - تحصیل - وصول - قسط - مُسمَاة - بقلم خاص -  
خاص - عام - ناظر - عدالت - عذر - عذر داری - داخل خارج - جمع -  
جمع بندی - زمینداری - زمیندار - آبپاشی - گل اندازی - بارانی - چاہی



زمین - جانی‌داد - مزدور - غیر مزدور - تعیناتی - بحث - وکیل - مختار - جرح -  
 صلح - صفائی - فیصله - مقدمه - فوجداری - پیشی - دیوانی - خاص حال  
 کاشت - کاشتکار - خودکاشته - مدعی - مدعا الیه - زمانه - نگاه - زور -  
 مضبوط - نظر - هر دم - سوال - جواب - باورچی - همیز - بیکار -  
 بیکاری - ایمان - بے ایمان - قیمت - تقدیر - نصیب - پرده - خراب -  
 رکاب - چابک - لگام - زین - اصطل - عداوت - دشمن - دشمنی -  
 آسمان - چارخانه - فیلبان - موزه - پائتاه - مکان - چهار دیواری -  
 حد بندی - بندوبستی - دروازه - دربار - ناشته - غالیچه - شامیانہ - قالین -  
 خیمہ - قنات - تکیہ - گاؤ تکیہ - درباری - سرکاری - فانوس - چادر -  
 آرام - بیماری - علاج - خیال - پرہیز - روشنائی - تخمہ - تختی -  
 حکم - مؤکل - دوا - روشنی - تخت - سخت - کوشش - دری -  
 کم - بیش - رعب داب - بهادر - شریف - ہمت - محنت -  
 مزدوری - مزدور - انقلاب - داند بندی - عہد قبا - جامہ - آئین -  
 قانون - سلامت - حلوہ - انتظام - آباد - پانڈان - قورمہ -  
 قلیہ - پلاؤ - قاب - طشتری - دیوار گیر - خوگیر - کفگیر -  
 بارہ دری - سینہ - بازو - دستی - سر - پا جامہ - شیشہ - آئینہ -  
 قلم - دوات - کاغذ - کتاب - دفتر - جلد - دریچہ - دریچہ - دستخط -  
 دستاویز - وکالت نامہ - عرضی دعوی - دعوی - دائرہ - مزاج - معافی

قبول - قبولیت - انصاف - منصف - قبضہ - تیر - تلوار - دخل -  
 دہانی - بیع - بنام - عرض - گزار - گواہ - گواہی - دوست  
 خواب - خوب - شان - فقیر - صورت - شکل - خوبصورت -  
 بدصورت - نام - بدنام - دوست - زلزلہ - آوارہ - خرچ - تماشہ -  
 چٹہ - قیص - آزار - ازاربند - اجارہ - اجارہ داری - خاکی -  
 بادی - قرض - شیرنی - سایہ - نشان - پتہ - پنجرہ - ناخن -  
 کشتی - کشتی - تباه - برباد - خطرہ - خطرناک - جان - شبہ -  
 فکر - مدد - مددگار - بندوق - صندوق - خورشش پوشش - خیرات -  
 مرد - عورت - مردانہ - زنانہ - بچہ - حرام - مال - عجب -  
 تعجب - گناہ - ثواب - عزت - عملہ فعلہ - بے عزتی - عملداری - معاملہ -  
 قافلہ - سروکار - پیروی - شتاباش - بدمعاش - بدمعاشی - ثبوت - پیراغ -  
 شیخی - زہر - باغ - گلزار - غلہ - ربیع - شیر - زبان - بیان  
 تحریر - تحریری - طوفان - دنیا - جہان - پرچہ - پرزہ - پر - خرچ  
 حرجانہ - سبز - سُرخ - نقارہ - چالاک - چالاک - چُست - قلعہ - پیوند  
 پابند - پابندی - فریاد - آبادی - فریادی - فصل - دوکان -  
 دوکاندار - خرید - خریدنا - اقرار - اقرارنامہ - سردار - سرداری  
 دوستی - دریا - سمندر - سردی - گرمی - سرد - گرم - نرم - بستر  
 محل - مسجد - تازہ - سرا - حقہ - نان بانی - حوض - کمال -

حملہ - زخم - مرہم - مہمان - میدان - خاصان - انسان - حیا -  
 شرم - سامان - گلدان - دربان - پاسبان - مزہ - مزہ دار - تر  
 خشک - خشکی - تری - پوشاک - خوراک - خوراک - خزانہ - خزانچی  
 بندوچی - وزیر - بادشاہی - بیگم - حکم - احکام - ہوشیار - ہوشیاری  
 قول - قرار - بے قرار - بے قراری - دل - بزدل - خوش - خوشی -  
 راضی - رضامند - غم - غمی - مردہ - زندہ - قبر - کفن - آتشبازی -  
 شکار - میرشکار - نشانہ - نذرانہ - بیعانہ - چادر - غلاف - چارپائی -  
 قسم - قسم - درد - بے درد - پسند - ناپسند - سپاہی - موضع - ضلع -  
 ساکن - رسید - سکونت - خرابی - شرابی - جایز - ناجایز -  
 نازک - قطار - فرصت - تلاش - تلاشی - نالاش - ثالثی - جرمانہ  
 خواہش - گردش - گرد - سفید - سفیدی (چونا) - گردانی - محبت  
 نفرت - جوان - جوانی - بیوہ - سادہ - ارادہ - متابی - جلد -  
 جلدی - شریک - شریک دار - غریب - امیر - غریبی - امیری - ناراض -  
 سزا - حساب - پروانہ - قرق - قرقی - چاقو - بدھمی - شادی -  
 برادری - مقام - صبح - شام - درخت - روزگار - درجہ - زبردستی  
 مالک - چیز - تاریخ - ملاحظہ - شوق - شوقین - صبح - غلط -  
 غلطی - کاروبار - بد - بدی - غلام - غلامی - آزادی - داغ - ذکر -  
 جگر - جگری - یار - بہار - باغ - شہر - دیہات - دیہاتی - سوار -

پیادہ - قینچی - حصّہ - حصّہ دار - حصّہ داری - شروع - گزارہ - اندر - ظالم -  
 ظلم - غضب - حال - حالت - طور - طریقہ - راہ - اثر - معلوم - ہزارہ -  
 مزار - گرفتار - بازار - گرفتاری - بازاری - مقابلہ - استغناء - طرح -  
 موسم - قیمت - سفارش - خیریت - خبر - خط - اخبار - بدل - افسوس -  
 طرف - طرفداری - علاقہ - قصور - حضور - ضرور - نشہ - زندگی - تیز -  
 چہرہ - نقشہ - جاہل - رنگ - مطلب - غرض - نبض - قارورہ - تنگ -  
 تنگی - نواب - نوابی - لفاظ - لحاف - توشک - ہماز - دقت - سفر -  
 پریشان - پریشانی - حیران - حیرانی - میراث - درخواست - ترقی -  
 دور - نزدیک - ختم - آخر - بخار - علم - رحم - دوامی - نامی -  
 گرمی - روز - مستی - مستی - مست - ترازو - کبوتر - باز - مرغابی -  
 مرغابی - نیار - نیاری - صوبہ - ملکی - گلاب - گلابی - شراب - کباب -  
 زردہ - ضمانت - کارخانہ - مشاہرہ - درماہہ - صدہ - صدی - شوخ -  
 شوخی - مشعل - قلعہ - سرمہ - نقصان - محلّہ - نتیجہ - باقی - اختیار - اجازت -  
 حاضر - حاضری - غیر حاضر - غیر حاضری - تماشہ - نازک - نادان - نیک -  
 نیکی - تکلیف - صحبت - پاک - ناپاک - عیب - ہمنہ - عیب دار - عجیب -  
 بے عروت - عروت دار - شرم - بے شرم - مزاج - مشکل - آسان - آسانی -  
 نصیحت - فضیلت - تقدیر - قیمت - ہوش - حواس - تدبیر - نگاہ - بیہوش -  
 مصیبت - سال - تنخواہ - آہ - خواب - دماغ - نوبت - نتیجہ -



کے عہد میں لکھا ہے۔ ”شیخ شرف الدین بھاشا میں بھی شاعری کرتے تھے۔ اور شرف آپ کا تخلص تھا۔“ حضرت مخدوم سے کئی فالنامے ”کچ مند رے“، ”نُسخے، نقش، اور طلسمان منسوب کئے جاتے ہیں۔ ان سب کے متعلق قطعیت کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ حضرت مخدوم کے قلم یا زبان سے نکلے۔ لیکن قرآن ہی کہتے ہیں کہ ملفوظات اور بیاضوں میں جو آپ کے نام سے کلام درج ہیں وہ کسی نہ کسی حد تک ضرور حضرت شرف الدین احمد ہزاری کے ہی ہیں۔

”معدن المعانی حضرت کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ جس کو ان کے مرید زین بن بدر عربی نے ان کی زندگی ہی میں لکھ کر ان کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ یہ کتاب ۱۳۱۱ھ میں ہزار کے مطبع شرف الاخبار میں چھپی تھی۔ اس کتاب کی پہلی جلد کے صفحہ ۲۰۳ میں مذکور ہے کہ حضرت اور ان کے ایک رفیق خواجہ جلال الدین حافظ ملتانی میں گفتگو ہو رہی تھی۔

”ہمدین محل جلال الدین مذکور گفت کہ بزبان ہندوی نیکو گفتہ است  
ہر کہ گفتہ است۔‘ باٹ بھلی پرسانگری، بعد از آں بندگی مخدوم  
عظّمہ اللہ بر زبان مبارک راند،“ دیس بھلا پر دور۔“ ۱۔

---

۱۔ ’بہار میں اردو‘ سلیمان ندوی، تدبیم، گیارہ، بہار نمبر، ۱۹۳۳ء  
د، نقوش سلیمانی ” ۴۸-۴۹۔ بحوالہ معدن المعانی مطبوعہ شرف الاخبار بہار، ۱۳۸۱ھ،  
مطابق ۱۳۰۱ھ، جلد اول، ص ۲۰۳۔ اور ’تقوٰن وسطیٰ کے بہار میں اسلامی تصوف کی تاریخی اہمیت‘  
پروفیسر سید حسن عسکری، سالنامہ سائنسی، پٹنہ، ستمبر ۱۹۵۲ء، ص ۴۰ +

پرافسر حسن عسکری اس طرز کے حوالوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کی ”صدقت میں شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں“

یاٹ بھلی پر سانکری = راہ اچھی پر تنگ - شادی بیاہ کی گیتوں میں سانکری لے گلیا، یعنی، گلی تنگ ہے۔ آج تک بہار کے مسلمان گھرانوں میں بھی مستعمل ہے۔  
 ’دیس بھلا پر دور‘ کی ترکیب میں تند بھاؤ شبدوں کے ساتھ ’دور‘ فارسی لفظ کی آمیزش قابل مطالعہ ہے۔ بہار میں ’ریختہ‘ بن چکا تھا اور یہ رو رفتہ رفتہ آگے بڑھ رہی تھی۔ علامہ ندوی فرماتے ہیں۔ ”اس وقت تک ایک متحدہ زبان کا قالب تیار ہو چکا تھا“ (ندیم، بہار نمبر ۱۹۳۳ء)

ایک دفعہ معمول کے مطابق حضرت مخدوم بہاری شب گشت کر رہے تھے تو انہیں کسی گاؤں کے قریب رات گزارنے کے لئے پُوال سے بدن ڈھانکنا پڑا جب گاؤں والوں نے آپ کو شبہ پر پکڑا تو آپ نے فرمایا :  
 ”دو منہو ترک چٹونا بھاتی“۔ ۱۔

یعنی ’دو مجھ کو چھوڑ، تنگ ہونا نہیں بھاتا‘۔

اس جملہ کی ترکیب نہایت توجہ کش ہے۔ ’دو منہو ترک‘ میں فارسی ترکیب کی پیروی ہے یعنی فعل پہلے ہے۔ اُردو میں اول اول یہی وضع تھی، جو فارسی اثر کے تحت دیر تک قائم رہی۔ اور ہندی بھاشاؤں کی ترکیب سے اُسے میسر کرتی رہی۔

۱۔ ’قرون وسطیٰ کے بہار میں اسلامی تصوف کی تاریخی اہمیت‘۔ از پرافسر سید حسن عسکری، سالانہ ساقی، پٹنہ، ستمبر ۱۹۵۲ء۔ بحوالہ ’گنج رشیدی‘، ملفوظات مولفی جو پوری حافظ دیوان عبدالرشید +

گریسن نے بھی اُردو اور ہندی کے اس فرق کو بیان کیا ہے۔ لیکن جدید اُردو میں یہ فرق باقی نہیں رہا۔ دوسری بات یہ کہ حضرت مخدوم کے اس جملے میں بھی 'ریختہ پن' موجود ہے۔ یعنی لفظ 'ترک' کا استعمال جو عربی ہے۔

اوپر کی مثالوں کے علاوہ اندرون صوبہ اور بیرون صوبہ کی مختلف بیاضوں میں حضرت مخدوم بہاریؒ کا کلام ملتا ہے۔ مثلاً :

فالنامہ :- دس چار کچھ اگم آوے آٹھ پانچ پہل مانگے آوے  
تین اگیا رہ نہنچے راج نو سوسترہ کرے اکاج

اس کے علاوہ آپ کا ایک شعر یہ بھی ہے :

۲۔ شرفا گورڈراون نس اندھبہاری رات

وان نہ پوچھے کون تمہاری جات

۱۔ 'لکھنؤ شکر سرورے آف انڈیا'، گریسن، جلد نم، حصہ اول ص ۳۰۔

۲۔ و ۳۔ 'بہار اور اُردو شاعری'، از پرامتر محمد عین الدین در دانی (علیگ) مطالعہ احوال ملفوظات خاندانی قلمی

سید شاہ نجم الدین نجم در دانی صاحب خسرو سے پہلے کے ایک بہاری شاعر کا بھی حوالہ دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں :

”ناصر الدین اور اس کے بیٹے معزال دین کیتباد کی جنگ کے حالات کو حضرت

خسرو سے بہت پہلے ایک بہاری شاعر نے ... .. قلم بند کیا تھا۔

خسرو کی قرآن السعدین ہر جگہ مشہور ہے۔ لیکن غریب بہاری شاعر کا بھی ایک

شعر یاد ہے

منکی اوجڑی نگرسی کو تب کریں آبادان

ناصر دینی سے جب ملیں موحّدین کہا دان

’بہار اور اُردو شاعری‘  
از محمد عین الدین در دانی ص ۳۱



’پنجاب میں اردو‘ میں حضرت مخدوم بہاری کا جو ’کج مندرہ‘ درج ہے۔ اس کے اہم ٹکڑے حسب ذیل ہیں :

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ .....

..... کرتا بیدن ہرتا وہی ایک سرجن ہار ..

..... جوک حورت میں تہیں ساکھی دہرت ہوں ۔ جو

کچھ فلاں کے پنڈ پران میں ہو سی ، راہ کا ، باٹ کا ، گڑے کا ،

پوکھر کا ، اندھیاری کا ، اُجیلی کا ، چوٹ کا ، پھیٹ کا ، کئے کا ،

کرائے کا ، بیجھے کا ، بھجائے کا ، لانگھے کا ، اُکھین کا دیو دانو

بھوت پلٹ راکس بھوکس ، ڈائن ڈکن سکھن کچن چوڑیل میل

طمان جان بھوان .....

سبڑباد ، سیاہ باد ، زرد باد و ہفتاد دو باد ہر بادے کہ باشد

در وجود فلاں جن آپکار دہس ہے دو ہائی سلیمان بن داؤد پیغمبر

کی جل بھسنت ہو بیک بلا جائے ، بیک بلا جائے .....

..... سراپ جی جی کرت ، قی قی مرنت .....

کالا ہنسا نر ملا بسے سمندر تیر

پنکہ پسائے بکہ ہرے نرل کرے سریرہ دروہے نیپیر

بِحَقِّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَبی دوہرہ راسہ بار

۔ بخواند ۔

شرف حرف مایل کہیں درد کچھ نہ بٹائے  
گرد چھوین دربار کی سودر دور ہو جائے

پرانسر محمود شیرانی لکھتے ہیں: ”کج مندرہ اس عہد کی اردو کا بھی ایک اچھا خاصہ نمونہ ہے“ (پ ۱ ص ۱۴۴) کج مندرہ میں عربی فارسی عبارت کے علاوہ ہندوستانی عبارت کے اندر اور دوہروں میں بھی ’رخیہ پن‘ ’موجو دہے‘ مثلاً ’فلانے‘، ’راہ‘، ’جان‘، ’بلغم‘، ’فلاں‘، ’بن‘، ’پیغبر‘، ’درد‘، ’حرف‘، ’گرد‘، ’دربار‘، ’دور‘، اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت شرف الدین احمد بہاری کے عہد میں اردو زبان کی بنیاد قائم ہو چکی تھی۔ ”آپکار دہس ہے دو ہائی سلیمان بن داؤد پیغبر کی“ کے جملے میں ”دہس“ بہاری زبان کی خاص علامت ہے۔ ’دہس ہے‘ بمعنی ’دی ہے‘، ’یا‘، ’دیا ہے‘، دوسری اہم بات ”ہے“ کا استعمال ہے۔ فعل ”ہے“ کھڑی بولی کی خصوصیت ہے۔ یہاں اس کا استعمال اہمیت سے خالی نہیں۔ کیونکہ یہ اردو کی پہچان ہے۔

”دیسنہ، ضلع پٹنہ کے کتب خانہ اصلاح میں ایک فائننامہ کے دو صفحے پر لکھے کاغذ کے ہیں۔۔۔۔۔ اس کے سرنامہ پر اس فائننامہ کی نسبت حضرت مخدوم

علیٰ پنجاب میں اردو، از پرانسر محمود شیرانی، ص ۱۴۴ تا ۱۴۶۔ بحوالہ بیاض ملوکہ، مولوی محبوب عالم صاحب

ایڈیٹر پستہ اخبار۔ نیز اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام، ص ۲۔

۲۔ قرون وسطیٰ کے بہار میں اسلامی تصوف کی تاریخی اہمیت، پرافسر سید حسن عسکری: ساتھی، سالنامہ ستمبر ۱۹۵۲ء

۳۔ عسکری صاحب کے نزدیک ”ہے“۔ دوسری آپ بھرنشوں میں نہیں پایا جاتا۔ اور یہ لفظ کھڑی بولی، میں فارسی سے آیا ہے۔ ساتھی اگر تہولے ہے، جن بادہ میار پیش منٹے۔ (حافظ شیرازی)

کی طرف کی گئی ہے، اس میں کُل ستائیس فقرے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں ۔  
(نقوش سلیمانی : سلیمان ندوی ص ۴۹)

- ۱۱۱ جو من کی منسی کیا ہوئی سو ہوئی ۔  
۱۱۳ ناہیں کچھ کرو نصیب لاگی بات ہے ۔  
۱۳۱ ایہین ، ابھین ناہین ۔  
۳۱۱ ابھین ناہین ، سوت لہو جائے ۔  
۲۳۳ ناہین ہیگا اور کام کرو ۔  
۳۳۱ راج پاٹ اپل کے دیا تمکون ۔  
۲۳۲ آگے برے دن گئے اب سکھ پاوہ گے ۔  
۲۳۲ ابھین ناہیں آگو ہو پکا ۔

مجھے اپنی تحقیقات کے سلسلہ میں کتب خانہ خانقاہ بلخینہ ، فتوحہ ، ضلع پٹنہ میں ایک اور فالنامہ ملا ۔ یہ بھی حضرت مخدوم بہاریؒ سے منسوب ہے ۔ یہ حضرت میر جعفر حسین رحمۃ اللہ کے دست مبارک کا لکھا ہوا ہے ۔ سنہ کتابت ۱۰۹۰ھ ۔ حضرت جعفر کی مزار باڑھ ، ضلع پٹنہ میں ہے ۔ جناب سید شاہ تقی حسن صاحب بلخی سجادہ نشین خانقاہ بلخینہ فتوحہ کے پاس اور کسی قیمتی ملفوظات و مخطوطات موجود ہیں ۔ فالنامہ حضرت مخدوم بہاریؒ کے فقرے اور جملے حسب ذیل ہیں :

ناہیں کیوں کر ہو ، نصیب لاگی بات  
ناہیں ابھین ، ناہیں ابھین کچھ

جو من چنتا ہو، مستی پاؤ گی - وغیرہ وغیرہ -

علامہ سلیمان ندوی نے شفاء الامراض، حکیم محمدی دینوی مرحوم کو قلمی نسخہ (دیسنامہ) کے حوالہ سے حضرت مخدوم کے ہندی دوہے نقل کئے ہیں۔

لودہ پھٹکری مردار سنگ ہلدی زیر اک ایک ٹنک

ایفون چنہ بھر مرچیں چار ارد پھر مو تھا اس میں ڈال

پوست کر پانی پوٹلی کرے نینا پیرا پل میں ہرے

تلاش وجہ تو سے حضرت مخدوم بہاری کا اور کلام بھی مل سکتا ہے۔ مگر

قطعیّت کے ساتھ ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ من وعن حضرت کا کلام

ہے۔ پرافسر حسن عسکری ایک ایسے دؤضد سالہ قلمی نسخہ کی اطلاع دیتے ہیں۔ جو

ہندی میں ہے اور محفوظ پایا گیا ہے۔ اس نسخہ میں بھی حضرت مخدوم کا کلام ملا ہے۔

حضرت مخدوم شرف الدین احمد بن یحییٰ (میرزا) بہاری کے ارشد خلفاء میں حضرت

منظر شمس لہجی اور حضرت منہاج راستی پھلواری بہار کے اجل صوفیوں میں سے گزرے

ہیں۔ حضرت لہجی ۸۲ھ میں اپنے پیر حضرت مخدوم بہاری کے وصال کے بعد سجادہ نشین

۱۔ نقوش سلیمانی: ندوی، ص ۴۴

’بہار اور اردو شاعری‘ میں پرافسر معین الدین دروائی نے اس نسخہ کو یوں لکھا ہے :

لودہ پھٹکری مردار سنگ ہلدی زیر اک ایک ٹنک

ایفون چنہ بھر مرچیں چار ارد برابر تھو تھا ڈال

پوست کے پانی میں پوٹری کریں آنکھ کے پیرا تر تے ہریں

ہوئے۔ آپ کا انتقال ۱۲۸۸ھ میں ہوا۔

حضرت بلخی کی پیدائش غالباً ۱۲۵۵ھ میں ہوئی تھی۔ آپ کی تصنیفات اور محفوظات بہت ہیں۔ سو کے قریب آپ کے مکاتیب ملتے ہیں جنہیں مولوی عبدالرحمن بہاری نے ترجمہ کر کے مع متن طبع کرانا چاہا تھا۔ تیس بتیں مکاتیب طبع بھی ہوئے۔ بقیہ قلمی مکاتیب مع ترجمہ پرافسر معین الدین دردائی کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔ آپ کا ایک مطبوعہ دیوان فارسی بھی ملتا ہے۔ مکتوبات مظفر شمس بلخی کتب خانہ مشرقیہ خدابخش خاں بانکی پور میں بھی ہیں۔ جناب حکیم تقی حسن صاحب بلخی، فتوحہ (ضلع پٹنہ) کے کتب خانہ میں بھی حضرت مظفر بلخی اور شاہ ید اللہ (۱۲۵۳ھ) کے محفوظات موجود ہیں۔

حضرت مخدوم بہاری کے انتقال کے بعد حضرت مظفر بلخی نے خواب میں آپ کو فرماتے ہوئے سنا۔

”آئیں رات سہائیاں، جن کا رن ڈھکیاں کھائیاں،“ ۱۔

یعنی وہ سہانی راتیں آگئیں جن کے لئے میں نے اتنے دھکے کھائے،

(مونس القلوب)

{ حضرت مظفر بلخی کے پرپوتے، حضرت احمد نگر دریا بلخی کی تصنیف - }

حضرت بلخی کا ایک دوہہ پرافسر دردائی نے نقل کیا ہے :

۱۔ ”بہار اور اردو شعری“ پرافسر معین الدین دردائی، ص ۱۳۱ و ۱۳۲

۲۔ قرون وسطیٰ کے بہار میں اسلامی تصوف کی تاریخی اہمیت، پرافسر حسن عسکری۔ سالنامہ

’ساتھی‘، پٹنہ، ستمبر ۱۹۵۲ء، ص ۴۹ اور پٹنہ یونیورسٹی جرنل جلد دہم ص ۶۶

بلجی گن میں ہے کہ آئی ہیں سہانی رتیاں

جن کے کارن تھے بہت دن سربنائیں گیتاں

ہمارے صوفیا کی بول چال میں کھڑی بولی کا عنصر نمایاں ہوتا تھا۔ لیکن ان کی بھاشا کی

شاعری ملی جلی آپ بھرنش میں ہوتی تھی۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں :

دوہرہ ۵      آم کوں تن پنکر وا جنگل کر نہ اداس

کنکر چنہ جل بنہہ دہنی نہ چہو نہ پاس

دیگر ۵      جیٹھ اساڑہ نہ آیا باتاں بہر ہر یا نہ

قی بہیری بسا دہن تہکی جلتلنا نہ

پہلے دوہے میں بنگالی اور پوربی (اودھتی و بہاری) اثر موجود ہے۔ دوسرے میں

پنجابی اثر بہاری آپ بھرنش کے ساتھ آمیز ہے۔

دوہرہ ۵      باٹ بھلی پر سا نکری، نگر بھلا پر دور : نانہ بھلا پر پاتلا ناری کر ہر چور

دیگر ۵      سنا کر کوئی تبال پانی لا کمنہ بوند بکائی : بحر پر واتہ متہرا نگری کا نہہ پیاسانی

دیگر ۵      کما یون آپن گہر تہر کما یون نست بہتا : بیج بلند یا گہر چوی بوند پری نہنہار

دیگر ۵      جاکوں نور چلکیں جالوں بکت کتار : جین سروت سوتس ساہین بہنہار

خدا بخش خاں کی لاہوری کے علاوہ مولانا تقی بلجی کے پاس بھی مکتوبات مظفر

شمس بلجی کا ایک نسخہ موجود ہے۔ اس میں بھی یہ دوہے ہیں۔

۱۔ ہمارا اور اردو شاعری: در دانی، ص ۲۷ و مکتوبات حضرت مظفر شمس بلجی، کتب خانہ مشرقیہ، پٹنہ،  
مکتوب نمبر ۱۷۳: سنہ کتابت ۱۱۵۰ھ - ۱۱۵۱ھ، ۱۱۵۲ھ، ۱۱۵۳ھ، ۱۱۵۴ھ - مکتوب ۱۱۵۵، کتب خانہ مشرقیہ، پٹنہ۔

نیز شمالی ہند کے صوفیائے کرام کی ہندی دوستی، معاصر، پٹنہ حصہ ۴ از سید حسن عسکری۔

حضرت بلّیٰ اپنے ایک سو اکیسویں خط میں فلسفہٴ عشق و جان سپاری سے بحث کرتے ہوئے ایک واقعہ کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ واقعہ مختصراً یوں ہے کہ ایک ”کماپنجی“ حضرت مخدوم بہاری کے سامنے اپنے ”کماپنج“ پر تماشہ دکھلانے لگا۔ اُس نے ایک دوہرا گایا۔ حضرت کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ اور آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ دوہرا یوں ہے :

ایک کندی بید ہا بہوتر بہر کہ کائن  
جتا بہن رنجیا مرن تتی نہائے

(مکتوب صدر و سبست و یکم۔ در مردن بکوئے دوست۔ بجانب مولانا کریم الدین۔ مکتوب حضرت بلّیٰ۔ کتب خانہ مشرقیہ، بانکپور۔)

جیکم تھی حسن بلّیٰ فتوحہ کے ملوک نسخے میں دوہرا کا پہلا مصرع یوں ہے :

ایکٹ کندی بید ہا بہوتر بہر کہ کائن

اس دوہے سے اس عہد کی زبان کا اندازہ ہوتا ہے اور صوفیوں کے مذاق و مزاج کا بھی پتہ چلتا ہے۔

حضرت بلّیٰ کے ہم عصر صوفی حضرت سید احمد حرم پوش بہاری کے فقرے بھی ملفوظات میں ملتے ہیں۔ آپ زاہد و پارسا کا فرق بتاتے ہوئے فرماتے ہیں :

”میتا من نمونیہ شرو منی کہا ہوئے۔ اینیں بید ہا بیدان میاں  
سر نہ کینی کوئے“ (ضیاء القلوب)۔

پٹنہ یونیورسٹی کے شعبہ مخطوطات میں ایک گرانقدر مخطوطہ کتاب 'مناقب محمدی' کا ہے۔ یہ کتاب حضرت سید محمد امجدی کے مناقب میں ہے۔ آپ سید درویش محمد قادری الجیلانی کے فرزند تھے۔ حضرت امجدی کے مرید خاص علی بک شیرازی القادری نے یہ کتاب لکھی تھی۔ اس میں حضرت سید محمد امجدی کے بغداد شریف سے امجدی تک کے سفر کے حالات ہیں۔ آپ نے بڑی لابی عمر پائی، غالباً ایک سو بیس برس۔ تاریخ و قات ۹۴۰ھ، ربیع الاول، روز جمعہ ہے۔ "سال تاریخ رفتن عشق ست" مناقب میں حضرت سید محمد کا ایک جملہ ہندوستانی بھی درج ہے۔ اور وہ یہ ہے:

”نہ مانا بجو اینسا نہ رہنا ہوا“

مناقب محمدی میں سوانح نگار اپنے پیرومرشد کے ذوق و شوق تبلیغ اور اس راہ میں مصائب برداشت کرنے کا تذکرہ لکھتے ہوئے بہار کے حاکم دریا خان کی سیاسی مصلحت اندیشیوں کی وجہ سے ایک مظلوم مسلمان کی فریاد سننے سے انکار کا ذکر کرتا ہے۔ حضرت سید محمد کو لے سر داروں اور گوالوں میں تبلیغ اسلام کیا تھا۔ گوالوں کے ایک نو مسلم سردار کا نام صادق رکھا گیا تھا۔ حضرت گوالوں گوالوں دورہ تبلیغ فرماتے ہوئے ایک مقام پر پہنچے اور وہاں مرکز بنا کر خدا کا پیغام اکمل پہنچانے لگے۔ قادری بزرگ کی کرامت کا شہرہ سن کر حاکم نے آپ کے لئے کوشک و خانقاہ تعمیر کروادی۔ مگر اس بے لوث و سخت کوشش خدا کے بندے کو

۱۔ نمبر ۱۱، پٹنہ یونیورسٹی لائبریری، حصہ مخطوطات۔ اس مخطوطہ میں لکھا ہے: "از دست سید غلام حیدر تحریر گشت، بتاریخ ۱۲۰۲ھ ربیع الثانی مطابق ہفتم ماہ بہادون ۱۲۲۲ھ فصلی۔"



یہ آرام و آسائش پسند نہ آئی۔ اور آپ نے اس جگہ کو چھوڑنے کا ارادہ فرمایا، مناقبؑ،  
 میں شیرازی لکھتا ہے۔

”ہمدردیں صادق در سید و گفت۔ سید این چنینی کو شکھا آراستہ و  
 پیراستہ گذاشتہ چرامی روی۔ او کہ ہندی بود و نیز فہم و فراست نہ  
 داشت از آں اور آنحضرت ہم بزبان ہندی ہیں قدر فرمودند۔  
 ’نہ مانا جو اینہا نہ ہنا ہوا، از آں روز نام آں جنگل و چشمہ ’زنہا‘  
 افتاد۔“ باب دوازدهم ص ۵

حضرت سید محمدؑ نہ ہنا سے آنحضرت (ضلع گیا) تشریف لے گئے اور وہیں وصال  
 ہوا۔ یہ واقعہ غالباً ۸۴۶ھ کا ہے۔

پندرہویں صدی عیسوی کے ایک جلیل القدر بہارمی صوفی حضرت ابو الغیض  
 قاضی بن علاء بن عالم تہمتی ثم المیسری الباشی جنہوں نے حضرت عبداللہ شطاری سے  
 مانڈو میں ۸۸۱ھ کو خرقہ خلافت پایا اپنے ملفوظ معدن الاسرار میں  
 حضرت سید جلال بخاری علیہ رحمت المشہور بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت (متوفی  
 ۸۵۵ھ) کا ایک فقرہ نقل کیا ہے۔

”کھدا بے پھندا کہاں“

۱۔ آپ بنیاساڑھ، ویٹانی (حاجی پور) کے رہنے والے تھے۔ معدن الاسرار کے دو نسخے پھلاری شریف  
 میں ہیں۔ ایک قدیم اور دوسرا اٹھارویں صدی کا۔ سالنامہ سائنسی، پٹنہ، ستمبر ۱۹۵۲ء۔ و معاصر،  
 پٹنہ جلد ۲، حصہ ۶۔ اپریل ۱۹۵۴ء۔ و معاصر حصہ ۴۔ مقالات از پرافسر سید حسن عسکری (کجھوہ) پٹنہ کا۔

ایک شخص نے مخدوم جہانیاں سے یہ سوال کیا کہ آخر کیا بات ہے کہ جب میں عبادت کرتا ہوں تو میری دعائیں اتنی موثر نہیں ہوتیں جتنی مخدوم موصوف کی تو حضرت نے جواباً فرمایا : ” کھنڈا ہے ، پھنڈا کہاں “ حضرت قاضی مازو سے آگے نہیں بڑھے اور سید جلال رحمۃ اللہ دہلی تک آئے اور پھر اوچھہ واپس تشریف لے گئے۔ لیکن ان دور افتادہ بزرگوں کی زبان سے ہندوستانی بولی کا ایک جملہ متفقہ طور پر ادا ہوتا ہے۔

انگریزوں کی عمل داری کے بعد جو دور آیا اس میں زبان اردو کو ہمارے بڑی عوامیت حاصل ہوئی۔ امن کے قیام کی وجہ سے متحدہ ہندوستانی تہذیبی زبان یعنی اردو مقبول خاص و عام ہونے لگی اور اس میں مذہب و ملت کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔

پٹنہ کمشنری کے ریکارڈوں میں جناب فصیح الدین بکلی اور جناب قیام الدین احمد ریسرچ فیلوجیو ال انسٹیٹیوٹ کی کوششوں سے نہایت قیمتی دستاویزیں ملی ہیں۔ یہ دستاویزیں اردو میں ہیں اور رسم خط بھی اردو ہے۔ ان سے سرکاری کاموں میں اردو کا عام استعمال ثابت ہوتا ہے۔ اور اس عہد کی اردو زبان کا حال معلوم ہوتا ہے۔ قدیم ترین دستاویز ۱۸۳۹ء کی ہے۔ میں ۱۸۶۲ء تک کے نمونے درج ذیل کر رہا ہوں۔

(۱) مندرجہ ذیل درخواست بچن لعل کار پر داز و مختار عام نے مہاراجہ دھیرج نرائن بہادر (برادر مہاراجہ رام نرائن لعل) کے ورثا کی طرف سے سرکار انگلشیہ میں تبادلہ ۲۲ اپریل ۱۸۳۹ء پیش کی۔

”غریب پرور سلامت !

مواضعات نوزن وغیرہ متعلقہ کنکولی پرگنہ شہسرام ضلع شاہ آباد  
ملکیت ہمارا جہ دھیرج نرائن مقبوضیت رائے ہزاری لعل مورث آقائے  
فدوی کا بذریعہ قانون دوم کے ضبط ہوا اور بندوبست سرسری اُس کا  
ساتھ بے علاقگان کے ہوا۔ بامید حصول بندوبست دوامی مواضعات  
مذکور آقائے فدوی کا پرہیز دار حضور میں صاحب مہتمم بندوبست و کارپردہ  
مذکور بحالت بیماری کے کمال مبتلا ہو کر چلا آیا و ظاہر دریافت ہوا کہ  
بندوبست دوامی اس کا ساتھ رائے ہر نرائن بشرط منظوری حضور و  
صدر بورڈ کے عمل میں آیا۔ مسل واسطے منظوری کے صاحب مہتمم  
بندوبست بھیجا ہے۔ موکل فدوی کا جو کچھ استحقاق بہ نسبت تھیت  
ملکیت ہمارا جہ دھیرج نرائن و مقبوضیت رائے ہزاری لعل متوفی کے  
ہے موافق دفعات مندرجہ ذیل کے التماس کرتا ہے۔ اول یہ ہے کہ  
دست اویزات مندرجہ ذیل واسطے ثبوت وراثت و استحقاق ملکیت  
کے ہے .....

(۱) کرسی نامہ

(۲) چٹھیاں سکریٹری بموجب کونسل بخط انگریزی دربارے تعین مشاہرہ

(۳) ترجمہ چٹھی مذکور بخط فارسی۔

(۴) پروانہ کونسل اسی ہمارا جہ دھیرج نرائن بہادر بنا برقرار مشاہرہ بوجہ معاش

(۵) ڈگری کونسل بہ مادہ تقرر مشاہرہ بنام ..... بوراشت

ہمارا جہ دھیرج نرائن و رائے بنواری لعل ہمیشہ زادہ بتنی ہمارا جہ مدوح

.....

خاصی بڑی درخواست ہے۔ اختتام حسب ذیل ہے :-

” سوال ہذا شامل مسل بند و بست دوائی موضع نورن وغیرہ

متعلقہ تعلقہ کنکولی پرگنہ شہسرام ضلع شاہ آباد کے ہو کر بہ تجویز استحقاق

فدوی بند و بست دوائی صاحب مہتم بند و بست کامتر دفرما کے

بند و بست دوائی ساتھ موکل صادر ہو و در صورت کہ اگر مسل ہائے

بند و بست دوائی موضع مذکور حضور میں صاحبان عالیشان صدر

بورڈ کے واسطے منظوری حضور کے ارسال کیا گیا ہو۔ سوال ہذا

فدوی کا بندر یہ چھٹی انگریزی حضور میں صاحبان عالیشان صدر بورڈ

کے ترسیل فرمایا جائے کہ وہاں بھی موکل تجویز سے حاکمان مدوح

کے اپنے حق کو پہونچے گا۔ فقط

فدوی بیچن لعل ملازم کارپرداز و مختار جمیع امورات رائے کیولا

پر شاد نواسہ ہمارا جہ دھیرج نرائن بہادر متوفی مالک مقرری دار دیہا

متعلقہ تعلقہ کنکولی پرگنہ شہسرام ضلع شاہ آباد - ۲۲ اپریل ۱۸۳۹ء

(ریکارڈ نمبر ۱۶، کمشنر آفس۔ پٹنہ ڈویژن کمشنری)

(۲) ایک درخواست ۲۰ جنوری ۱۸۵۵ء کی ہے۔ شہسرام کے شہریوں نے  
 لفٹ گورنر کی خدمت میں شیرشاہی تالاب کی صفائی اور مرمت کے بارے اپنی گزارش  
 پیش کی ہے۔ ابتدائی اقباب فارسی ترکیبوں اور بندشوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔  
 نوٹ تحریر حسب ذیل ہے۔

”..... از شاہان سلف شیرشاہ بادشاہ اولاً بتعمیر و تیار ی  
 تالاب کے آبادی اس شہر کا فرمایا۔

..... ساکنان این مکان و مسافران و غیرہ آرام تمام جمیع  
 امورات و آب نوشی و غیرہ تعلق تالاب کی ہے کہ بنوہ گزران دفع الوقت  
 ساکنان و مسافران یہاں کے کرتے چلے آتے ہیں و مردمان غایت غریبی  
 و لاچاری و بے روزگاری کے گزران کرتے ہیں و اوس تالاب کو زیادہ  
 عرصہ تین ستر برس کا ہوا .. .. و باعث بھر جانے  
 تالاب کے پانی غایت ضرر و مکدر ہو گیا۔ واس شہر میں چاہ و کو اں  
 پانی میٹھا بجز آب شور کے نہیں ہے کہ اس پر گزارہ کریں علی الخصوص  
 گرما و طیش میں باعث بھر جانے تالاب کے پانی خشک و مکدر مضر ہو جاتا  
 ہے کہ مردمان و جو ران مانند مچھلی بے آب کے حیران و ہریشان  
 رہتے ہیں .. ..

.. .. زیادہ حد ادب آفتاب عظمت و اقبال از مطلع اجلال

کی پایاں و درخشان ہو چو۔ فقط

فدویان دلاور سنگھ و شیخ چندو۔ ساکنان  
 قصبہ سسر ام متعلقہ ضلع شاہ آباد بیسویں ماہ  
 جنوری ۱۸۵۵ء

بیمہ گاہ  
 قانون گاہ  
 مندرجہ ذیل  
 جیل

العبد لچھن پرساد۔ العبد وزیر علی خاں۔ العبد منو سنگھ۔ صبح امیر سنگھ۔  
 ۴ شہداد خاں۔ ۴ رام ٹھڑ داس۔ ۴ بھگوان داس۔ .... وغیرہ وغیرہ  
 (ریکارڈ کمنٹری آفس۔ پٹنہ۔ جلد ۱۳۔)

اس درخواست کے آخر میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے اردو رسم الخط میں بکثرت  
 دستخط ہیں۔ اس امر سے اُس عہد میں اردو زبان کی وسعت و ہمہ گیری کا اندازہ ہوتا ہے۔  
 (۳) ایک نہایت ہی دلچسپ دستاویز قیام الدین احمد صاحب کو گیا کلکٹری  
 کے حافظ خانہ سے ملی ہے۔ یہ ۱۳ اگست ۱۸۵۵ء کی لکھی ہوئی ایک عرضی ہے۔ عرضی  
 مذکور گیا سے کمنٹری پٹنہ کے پاس بھیجی گئی تھی۔ انہوں نے تحقیقات کے لئے اُسے  
 کلکٹر گیا کے پاس بازگردان کر دیا تھا اور اپنا ریکارڈ بزبان انگریزی تحریر کیا تھا  
 عرضی ذیل میں درج ہے۔

”بمختصر ملازمان عالیشان نواب گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ !  
 عرض پرداز ہے کہ چونکہ بوجہ تشریف لے جانے حاکمان انگریزی ضلع  
 بہار کے خلفشار عظیم و مفسدہ ضخیم اس شہر صاحب گنج اور اطراف  
 میں اس شہر کے واقع ہوا ہے۔ اس واسطے اطلاع کرنا کل حالات  
 ضلع کا بتصریح و توضیح تمام بحضور والا خیر خواہان سرکار پرانے

والزم معلوم ہوتا ہے۔ تصریح اس کی یوں ہے کہ بتاریخ ۱۳ جولائی ۱۸۵۷ء روز جمعہ قریب نواخت پنج گھنٹہ روز کے بلاظہور کسی امر کے مسٹر ٹامس کوٹس ٹرائٹر صاحب جج اور باغوائے اون کے مسٹر ای منی صاحب کلکٹر و مجسٹریٹ و مسٹریس ایچ سی بٹلر صاحب جنٹ مجسٹریٹ و اسسٹنٹ مجسٹریٹ و حالن صاحب اویم ایجنٹ و صاحب اڈیشنل جج مع جملہ کرانیاں اسٹینڈین و دیگر صاحبان و سپاہیان گورہ و کمپنی سکھان جو اس شہر میں مقیم تھے ، بلا نیے چارج کسی حاکم ہندوستانی کے بیکبار شہر عظیم آباد تشریف لے گئے۔ ظاہر ہے کہ وقت تشریف لے جانے صاحبان مؤمن کے اس قدر بلوہ ہوا تھا کہ حاکمان ہندوستانی و دیگر ملازمان سرکاری و حضار کچھیری تاب استقامت کا کچھیری میں نہ دیکھ کر اپنے اپنے ڈیرے پر بھاگتے گئے۔ اگر اوس روز سپاہیان نجیب جو حفاظت خزانہ و چیلانہ کے کرتے تھے خیر خواہی اور نمک حلائی کو راہ ندیتے تو بیشک اوس روز خزانہ سرکاری لٹ جاتا و قیدیان بھاگ جاتے۔ “ .. .. . وغیرہ وغیرہ۔

” .. .. . جو نہ بندہ خیر خواہ سرکار کا ہے و قاضی شہر کا اس واسطے کل حال شہر حاضر پر داز ہوا۔ والا مجھے کیا غرض

تھی۔ سب کی عزت و جان کے ساتھ میری عزت و جان بھی ہے۔ فقط

عرضی خواجہ علی رضا قاضی

پرگنہ گیا۔ - میقم شہر صاحب گنج

معروضہ ۱۳ اگست ۱۸۵۷ء عیسوی

روز پنجشنبہ۔ -

(۴) ۸ دسمبر ۱۸۵۷ء۔ حکم کمشنر آف ریونیو بنام جے کوہمی، کلکٹر آراء

برائے ضبطی اٹاک بابو ان کنور سنگھ و آمر سنگھ۔

۳ اکتوبر ۱۸۵۷ء

(۵) ”... .. رپورٹ داروغہ تنھانہ داؤدنگر باطلاع ضبط

کرنے جائداد مرادخان و مکو خان و عصمت علی و مدد خان و

کن کن پانڈرہ و بودہو وغیرہ “

جو لوگ سواران باغیان سرکار کے ساتھ چلے گئے۔

” حکم ہوا ... .. اس واسطے داروغہ داؤدنگر تنھانہ کو

لکھا جائے کہ وہ دریافت کر کے ثبوت بہ نسبت ... ..

واحمد علی کے بھیج دیوے۔

فقط العبد

شیو لعل محمّد

دستخط اے موئی

محسّر بیٹ

(۶) عرضی فدوی میر ارشد علی داروغہ تنھانہ داؤدنگر معروضہ سینزدہم



مہر خانہ داؤد نگر ضلع ہمار

(کمشنر آفس، پٹنہ - ریکارڈ جلد ۱۲ - بندل نمبر ۴ متفرقات -

فائل نمبر ۱)

(۷) پٹنہ کمشنری سے دستیاب شدہ ایک اور اہم ریکارڈ کی نقل درج

ذیل ہے -

”عدالت فوجداری ضلع شاہ آباد واقع بتاریخ ۲ جون ۱۹۵۷ء مطابق ۱۰ جیٹھ ۱۲۶۵ھ فصلی روز اطوار باجلاس کوآل صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ سسران - بیان نشان سنگھ باغی سرکار - باپ کا نام رگھو بیرسرن قوم راجپوت پوہان عمر شماری ساٹھ برس سے زیادہ ہے - گذران زمینداری سے -

سوال - کیا بیان تمہارا ہے مفصل ظاہر کرو -

جواب - عدالت دیوانے میں مقام آرہ کے ہمارا چار مقدمہ بہ نسبت موضع چناری، کھورتھا (صاف نہیں - ناقل) و سونگاوان اور ایک مقدمہ چہارم اگست ۱۹۴۷ء کا دائر تھا - اوس مقدمہ کی خبر گیری کے لئے آرہ میں بیسرسنگھ بیٹا ہمارا حاضر تھا - ہم کو خبر اوسکی ماندا ہونے کا ملا تب ہم خود آرہ میں گئے و بیسرسنگھ اپنے بیٹا کو گھر پر بھیج دیا و ہمارا بیٹا جب آرہ کے مقام میں

بیار تھا تب اوسکا دوا بیشر دیال گماشتہ کوئی آ رہ کا کرتا  
 تھا۔ میان جیٹھ واساڑھ و سانون سنہ گزشتہ تک ہم آ رہ  
 میں رہے۔ اسمیں ملنگا سب دانا پور کے بنی ہو کر آئے  
 و آ رہ شہر کو ٹوٹ گیا۔ و کنور سنگھ کے نوکروں سے کہا کہ  
 کنور سنگھ کو حاضر کرو نہیں تو جگدیش پور ٹوٹ لینگی۔ لیکن یہ  
 بات ہماری مقابلہ میں نہیں کہا۔ ہم سونا ہوا یہ بات بیان  
 کرتے ہیں۔ چنانچہ کنور سنگھ او سے روز بیٹھے جس روز ملنگا  
 سب آئے تاریخ ۱۸ سانون کا تھا جگدیش پور سے آ رہ کے  
 مقام میں آئی۔ دو تین روز کے بعد سرکار کی طرف سے  
 گوروں کی فوج آئی و ملنگا سب سے دانا پور کے جو باغی  
 تھے لڑائی ہوئی۔ و سپاہی سب کی مدد میں کنور سنگھ تھی۔ ہم  
 بھی اپنے ڈیرہ پر آ رہ کے مقام میں رہی ہیں۔ و کنور سنگھ جب  
 ہمارے پاس بھجے ہیں تب ہم انہیں سلام کے واسطے اونکی پاس  
 جاتے تھے اور ہم سے راہ و رسم کنور سنگھ سے قدیم تھا۔ و  
 ہمارے پاس کچھ حربہ ہتیار نہیں تھا۔“

.....

..... وغیرہ .....

..... ” تب ہم جنگل میں جا کر رہے۔ کہ جب کچھ فرصت ہو

تب حاضر ہوں گے یا کیسے جگہ بہاگ جائینگے۔ ایسے دو مراد سے جنگل میں آج رات کو سوئے ہوئی تھی سرکاری سوار گئی گرفتار کر لیا۔ فقط

سوال۔ کنور سنگھ مر گیا یا زندہ ہے۔

جواب۔ مکان پر آکر مر گیا۔ ہم سے ملاقات نہ ہوا۔  
اسی طرح کئی سوالات و جوابات درج ہیں۔ یہ بیان لے۔ ان۔ کول صاحب  
ڈپٹی مجسٹریٹ کے سامنے لیا گیا۔ اختتام پر ان کے دستخط ہیں۔

(۸) بندل نمبر ۵۵۔ ضلع شاہ آباد۔ متفرق کاغذات۔ ۱۸۶۴ء۔ متفرقات  
نمبر ۲۳۳۔ ریکارڈ جلد ۱۱۔ کمشنر آفس، پٹنہ

”محضور خداوند نعمت بلند درجبت والاحتشمت دام اقبالہم !  
عرض کرتا ہے۔ عرصہ دس روز سے اس قریہ میں ایک مولوی باسم  
عبداللہ مذہب وہا بے باشندہ ملک مغرب وارد ہوئے جمعیت  
اکثر افغانان و قصابان جو اس مذہب کی طرف رجوع رکھتی ہے  
ساتھ اونکے مصاحب ہوئے۔ پہلے مولوی صاحب نے چند روز  
وعظ و نصائح جو معمول اس فرقہ وہابی کا ہے بیان کیا

۱۔ اس بیان کے بارے میں ملاحظہ ہو۔ ڈاکٹر کائی کنکر دت صدر شعبہ تاریخ، پٹنہ یونیورسٹی کا محترم مقرر  
”حالیہ منکشف ریکارڈ“ شائع شدہ پٹنہ یونیورسٹی جرنل، نمبر ۱۲۷ جلد ۸۔ مارچ۔

اور یہ ظاہر فرمایا کہ ہم خلیفہ ہیں طرف سے مولوی عبدالغفور صاحب مجاہد جو ملک مغرب میں تشریف رکھتے و آمادہ جہاد ہیں اور ہم کو اعزازت ہے کہ تم اس بات کو جہاں کثرت ہمارے فرقہ کے ہو بیان کرو اور جو شخص کہ مستعد جہاد ہو۔ اس کو یہاں روانہ کرو۔ چنانچہ ہزاروں بنگالے و پوہب سے بھی انکی خدمت میں روانہ ہوئے ہیں .. .. . وغیرہ وغیرہ۔

سید محمد جان و سید محمد روشن جان

ساکنان و مالکان قصبہ کوٹھ پرگنہ دتوار ضلع۔

شاہ آباد معروضہ ۲۹ ستمبر ۱۸۶۲ء

اس باب میں سولہویں صدی عیسوی کے اواخر یعنی عہد اکبری سے لے کر وسط انیسویں صدی عیسوی یعنی بہادر شاہ ظفر کے عہد تک ہمارے اردو زبان کی کیفیت ارتقا کا خاکہ پیش کیا گیا ہے اور اس کی عمومیئت دکھائی گئی ہے اب میں اس دور کے بعد کی لسانی حالت کا سرسری نقشہ اس لئے پیش کرتا ہوں۔ تاکہ ارتقاء اردو کے تسلسل کا اثر قائم ہو۔ بعد ازاں آئندہ البواب میں اردو ادب کے ارتقا کی وہ منزلیں پیش کی جائیں گی جو ۱۸۵۷ء تک ہمارے طے ہوئیں۔ یوں تو محمد اللہ اردو کا سفر اس پورے دیں میں اب تک جاری ہے۔

ڈاکٹر کالی کنکروت کی وساطت سے مجھے

گورنمنٹ گزٹ ممالک مشرقی کی ایک جلد ملی ہے۔ پہلا نمبر ۲ جنوری ۱۸۶۵ء کا اور آخری ۲۲ دسمبر ۱۸۶۵ء کا ہے سلسلہ اشاعت کے لحاظ سے پہلا نمبر جلد ۷ نمبر ۱ ہے اور آخری جلد ۷ نمبر ۵۔ گزٹ بیشتر اُردو میں ہے۔ اور جہاں انگریزی عبارت ہے۔ وہاں مقابل میں اُس کا اُردو ترجمہ ضرور درج ہے۔ سرکاری نشان و علامت کے بعد ہر نمبر پر لکھا ہے :-

GOVERNMENT GAZETTE, LOWER PROVINCES

گورنمنٹ گزٹ - ممالک مشرقی گورنمنٹ کے حکم سے جاری ہوا۔  
مقام الہ آباد - سائز بڑا فولکیپ - چھپائی کانٹے کی - نسخ، کلکتہ۔  
یہ گزٹ ہفتہ وار ہر جمعہ کو شائع ہوا کرتا تھا۔ جمعہ ۸ ستمبر ۱۸۶۵ء سے اس کے سرورق میں تھوڑی سی تبدیلی ہوئی۔ اب اس کا نام ”اُردو گورنمنٹ گزٹ“ ممالک مشرقی“ ہو گیا۔ ساری باتیں حسب سابق رہیں۔ غالباً یہ تبدیلی برائے نام ہی تھی۔ میں اس گزٹ سے چند حوالے نقل کرتا ہوں۔ وسط اسیویں صدی میں اُردو ممالک مشرقی میں عوام و خواص کے درمیان اور سرکار و دربار میں مقبول

۱۔ ”غدر سے ساٹ برس پہلے بہار کا ایک اخبار نورالانوار، ۲۷، ۱۸۵۲ء میں نکل رہا تھا۔ اس کے تین برس بعد ۱۸۵۵ء میں گیتا سے ’ویکلی رپورٹ‘ نکلنے لگا تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے اخبارات بھی مختلف مقامات سے نکلتے رہے۔ ... .. بہار شریف جیسے شعبہ سے بھی مختلف اوقات میں متعدد اخبار نکلے۔ شرف الاخبار، یہاں کا مشہور اخبار تھا۔“  
(رخشاں ابدالی، اسلام پور، پٹنہ اُردو نثر کے ارتقا میں ارباب بہار کا حصہ)  
’نیدم‘ بہار نمبر ۱۹۳۵ء۔ اگست و ستمبر

و باریاب تھی۔

”قواعد در باب اہتمام اور انتظام جیلخانہ ہائے ممالک مشرقی واقعہ پر ریزیڈنسی بنگالہ مرتبہ جناب نواب لفٹننٹ گورنر بہادر بنگالہ حسب منشاء احکام ایکٹ ۲ سنہ ۱۸۶۴ء کو نسل بنگالہ۔  
(تمتہ گزٹ جمعہ گذشتہ)

### فصل ۱۹

مشقت اور کام جو قیدیوں سے لیا جائے گا۔  
دفعہ ۲۴۸۔ قانون کا یہ منشاء ہی کہ قید بمنزلہ سزا سمجھی جائے پس مشقت لینے میں اول امر لائق لحاظ یہ نہیں ہی کہ اُس مشقت سے انتفاع ہو بلکہ یہ کہ مشقت کے باعث عوام الناس جیلخانہ کی بود و باش کو مقام خطرہ اور تکلیف اور لائق احتراز کے سمجھیں۔ جیلخانہ کی تعمیل سیاست کے لئے مشقت ایک ذریعہ مقیم ہی لہذا ہر ایک جیلخانہ میں دیواروں کے اندر مشقت لینے کا بندوبست مناسب کرنا چاہیئے۔ دیوار سے باہر مشقت لینا بجز اس کے کہ جیلخانہ کے باغ میں محنت لی جائے قطعاً ممنوع ہی۔

.....

”دفعہ ۲۵۰ مشقت جیلخانہ کی تین قسمیں ہیں وہ یہ

ہیں :

1ST CLASSقسم اول

1. OIL - PRESSING. ۱. کو لھو سے تیل نکالنا۔
2. LIME - GRINDING. ۲. چونا پسینا۔
3. FLOUR - GRINDING. ۳. آٹا پسینا۔
4. PAPER - POUNDING ۴. کاغذ کو ٹٹا۔
6. PAPER POLISHING ۶. کاغذ پر مہرہ کرنا۔

2ND CLASSقسم دوم

- 1 MASONRY. ۱. معمار کا کام۔
2. STONE CUTTING. ۲. سنگ تراشی۔
3. PAPER. MAKING. ۳. کاغذ سازی

3RD CLASSقسم سوم

1. TAILORING. ۱. درزی کا کام
2. DYEING. ۲. رنگریزی
9. SIZING. AND DRYING PAPER- ۹. کاغذ کو اچار دینا اور سکھانا۔

گورنمنٹ گزٹ - ممالک مشرقی

(جلد ۸ نمبر ۱ - جمعہ کا دن - جنوری ۱۹۰۵ء کی تاریخ سنہ ۱۳۲۵ھ)

گزٹ کی جلد ۸ نمبر ۱ میں قواعد جیلخانہ کی فصل ۳۲ یوں شروع

ہوتی ہے :

”بھی جات اور کتب رجسٹر اور نقشہ جات

اور افراد حساب

بھی جات اور کتب رجسٹر مطابق نمونہ ہائے مقررہ مندرجہ ضمیمہ کے مرتب اور نقشہ جات اُنہیں نمونوں کے بموجب تیار ہو کر مرسل کئے جائینگے \*

۱۔ بھی جات اور کتب رجسٹر جو معرفت افسر مستم جیل خانہ کے مرتب ہونگی “

اس فصل میں دفتری کاموں کے لئے اُردو اصطلاحیں بکثرت درج ہیں۔

ان کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔

JOURNAL,

روزنامہ

LETTER BOOK,

نقل ہی چھٹیاں

VISITOR'S BOOK,

وزیر کی کتاب

JAIL OFFICERS' APPOINTMENT AND HISTORY BOOK

جیل خانہ کے عہدہ داروں کے تقرر اور اُنکے احوال کی کتاب۔

MIS-CONDUCT BOOK,

کتاب بد اعمالی۔

ORDER BOOK,

آرڈر بک یعنی حکم بھی۔

CIVIL JAIL,

جیل خانہ دیوانی۔



RELEASE DIARY.	روزنامہ رہائی
GENERAL ABSTRACT AND LOCK-UP REGISTER.	
	گوشوارہ عام اور رجسٹر حوالات -
CRIMINAL JAIL.	جیلخانہ فوجداری -
RELEASE AND TRANSFER REGISTER.	رجسٹر رہائی اور انتقال -
REGISTER OF ESCAPES .	رجسٹر فراری -
” ” DEATH	رجسٹر قیدیان فوت شدہ
LABOUR REGISTER.	رجسٹر مشقت
EXEMPTION ”	” معافی
PUNISHMENT ”	” سزا دہی
PROPERTY BOOK	” مال نامہ
SECURITY REGISTER	” ضمانت
STATISTICAL ABSTRACT	گوشوارہ حالات قیدیان
CLASSIFICATION	درجہ بندی
CASE BOOK	بہی مقدمات
RETURN BOOK	بہی ریٹرن
LEDGER	کھاتہ بہی
CASH BOOK	روکڑ بہی

CLOTHING STOCK BOOK.	حساب ذخیرہ پارچہ
PERIODICAL RETURNS.	نقشہ جات میعاد
TRANSACTION	عمل درآمد
ESTABLISHMENT	سررشتہ
EXPIRY OF SENTENCE	انقضائے میعاد
BUDGET	بجٹ
REPORT.	رپورٹ
CALENDAR YEAR.	سال کلندرہ

اُردو گورنمنٹ گزٹ کے نمبر ۴۶ جلد ۸۔ - تاریخ ۱۷ نومبر ۱۸۶۵ء سے

ایک اشتہار نقل کیا جاتا ہے :

### ” اشتہار

واضح ہو کہ بمقام پٹنہ واسطے قیمت ہائے بھاگلپور و پٹنہ نمائش کاشتکاری  
ماہ جنوری آئندہ ہوگی۔ نمائش جانوروں و حاصلات و آلات کاشتکاری  
بمقام پٹنہ تاریخ سی ام جنوری ۱۸۶۶ء و تین روز مابعد اُس کے  
ہوگی۔ سفارش کمیٹی قسمتی بہ امر از حضور نواب لفٹنٹ گورنر بہادر  
تتبع پایاکہ نمائش کاشتکاری برائے ۱۸۶۶ء بمقام پٹنہ ہو۔ پس یہ  
بات لازم ہوئی کہ قیمت ہائے بھاگلپور و پٹنہ یک شامل کیا جائے  
بکار ہائے نمائش مذکور و اعانت بدل مطلوب ہے۔ کل باشندگان

ہر دو قسمت جو اہل ولایت یا رؤساء سے اس ملک کے خصوصاً  
زمینداروں ذی مقدور سے جو کہ مدد کامل دے سکتے ہوں واسطے  
کامیابی ایسے امر مفید کے اور لا سکتے ہوں واسطے نمائش کے  
بہتر نمونہ جانوران و حاصلات زراعت موجودہ زمینداری خود  
وہ بھی نمائش میں خود مع رعایان و تابعان جو بآسانی لا سکتے  
ہوں حاضر ہو سکتے ہیں ... ..“

مغربی علوم کے ترجمہ کے لئے مظفر پور میں ایک 'سائنٹیفک سوسائٹی' قائم  
کی گئی تھی۔ گارساں دتاسی لکھتا ہے :

”ہمارے 'سائنٹیفک سوسائٹی' کا صدر مقام مظفر پور ہے۔ اس انجمن  
کے معتمد ایک فاضل مسلمان ہیں۔ اس وقت انجمن میں ۳۱۸ ارکان  
ہیں۔ اس تعداد میں ۲۸ مسلمان ہیں، ۱۶۲ ہندو ہیں اور ۲۰ یورپی  
ہیں۔ انجمن کی طرف سے 'اخبار آلاخیا' شائع ہوتا ہے۔ تجویز ہے  
کہ انجمن مشرقی زبانوں کی تعلیم کے لئے ایک کالج قائم کرے اور  
اس کے ساتھ مغربی علوم کی اشاعت کا کام بھی انجام دے۔“

(خطبات گارساں دتاسی - ۶ دسمبر ۱۸۶۹ء)

دتاسی کی تصریحات کے بموجب عظیم آباد (پٹنہ) کا سب سے پہلا اردو اخبار  
”چشمہ علم“ ہے۔ جو ۱۸۶۹ء سے نکلتا شروع ہوا تھا۔

”چشمہ علم“ یہ پٹنہ سے اردو میں مبینہ میں دو دفعہ نکلتا ہے۔ اس سے

پہلے اس شہر میں کوئی اخبار نہ تھا۔ اس کی پہلی اشاعت یکم جنوری ۱۸۶۹ء کو شائع ہوئی۔ یہ چھوٹی تقطیع پر ہے اور ہر صفحہ پر دو کالم ہوتے ہیں .. .. اس کا ایک مضمون مجھے پسند آیا، جس کا موضوع بنی نوع انسان کے اتحاد سے متعلق تھا۔“

(خطبات گارسان دناسی، انیسواں خطبہ ۶ دسمبر ۱۸۶۹ء)  
رسالہ معاصر، پٹنہ، حصہ ۳، دسمبر ۱۹۵۲ء میں قاضی عبدالودود

رقم طراز ہیں :

”انیسویں صدی کے اواخر میں ایک ہفتہ وار انگریزی اخبار انڈین کرائل  
پٹنہ سے نکلتا تھا، اور وہ شخص یا اشخاص جو اس کے مالک تھے ’اُردو  
انڈین کرائل‘ بھی انہیں کی ملک تھا۔“

اوائل ۱۸۸۵ء میں اس کی زندگی کا پانچواں سال شروع ہوا تھا، جس  
سے ظاہر ہے کہ پہلا شمارہ جنوری ۱۸۸۱ء میں شائع ہوا ہو گا۔ اوائل ۱۸۶۹ء  
میں اس نام کا اخبار نکلتا بند ہو گیا۔ اور ایک دوسرا اخبار ”اُردو بہار ہیرلڈ  
و انڈین کرائل“ جاری ہوا۔ جلد پنجم میں مختلف مقامات پر خریداروں کے نام ملتے  
ہیں۔ ان میں ۱۹۷۱ء ہندو ۱۶۲ مسلمان اور ۳ عیسائی تھے۔ قاضی عبدالودود کرائل  
کے مقالات افتتاحی کے متعلق لکھتے ہیں :

”میرے نزدیک اس زمانے کے اُردو اخباروں میں شاید ہی کسی  
کے مقالات افتتاحی کرائل کے مقالات افتتاحی کا مقابلہ کر سکتے

ہیں، اور ان میں متعدد ایسے ہیں کہ اس زمانے میں بھی کسی کے قلم سے نکلیں تو مستحق تحسین قرار پائیں۔ اس اخبار کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ ہندو مسلمان دونوں کا اخبار تھا، کرا نکل کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں :-

”فطرت انسانی کی رو سے کسی قوم کے اخلاق و عادات، خیالات و معتقدات پر ان قصے کہانیوں کا کیسا زبردست اور لازوال اثر ہوتا ہے، ہر متنفس اپنے خاص تجربے سے اس کی شہادت دے گا۔ اس کے سوا عموماً نظم میں بھی ایک ایسی دلفریب تسخیر ہے جس کے اثر سے ممکن نہیں کہ کوئی بچا ہو ... .. مگر افسوس ہے کہ ہماری قوم نے اگر اس کی گردن پر چھری پھری تو اس کا گلا گھونٹا۔ دنیا کی کل شاہدہ قومیں زمانے کے ساتھ ان دونوں قوتوں کو، اگر ہم ان کو قویٰ سے تعبیر کر سکیں، کیسی رونق دے رہی ہیں۔ روز بروز کیسی خوش آئند تبدیلیاں واقع ہو رہی ہیں۔ لیکن اس انیسویں صدی میں بھی ان کی اصلاح کی ضرورت ہمارے ملک کے قصہ گو یوں اور شاعروں کی سمجھ میں نہ آئی۔ قصے ہیں تو انھیں عجائب اور خلاف قیاس باتوں سے بھرے ہوئے جن کو یورپ کا ایک فنی بھی ... .. سرتاپا جھوٹ سمجھے اور محرب اخلاق کہے۔ نظم ہے تو ایسی جس کے

گندہ خیالات اور گم راہ کرنے والی تاثیر سے شیطان بھی  
پناہ مانگے۔“

(اقتباس تبصرہ جوان بخت و شمس النہار

از مدیر - ۲ مارچ ۱۸۸۷ء)

”جوان بخت و شمس النہار - یہ ۳۴ صفوں کا .... ناولک  
نظم اردو میں اوپر کے طور پر لکھا گیا ہے .. .. . جوان بخت  
و شمس النہار کے مصنف مولوی محمد نواب صاحب نے ....  
ان دونوں باتوں کا خیال رکھا ہے .. .. . نہ اس میں کہیں  
کوہ قاف کی پیروی، طلسم کے جنجال کا بیان ہے اور نہ کہیں  
بدکاریوں کی ہدایت ہے۔ روز مرے کی سادی سادی باتیں  
ہیں .. .. . ایام غدر کا تذکرہ ہے .... تناسب وقت  
تناسب مقام اور تناسب بحث ان تینوں باتوں کا جو ڈرامے  
کی جان ہیں ہر جگہ نہایت ہوشیاری کے ساتھ پورا لحاظ رکھا  
گیا ہے۔ بیان کا پیرایہ اور زبان بھی بہت دل فریب ہے  
اور خاص کر آپس کی گفتگو کی زبان تو وہ بلا کی ہے کہ پناہ بہ خدا

۱۔ مدیر کا نام (مولوی) سید عبدالغنی تھا۔ انہیں ”ایڈیٹر اردو انڈین کرائیکل“ لکھا ہے۔ غالباً یہ  
بزرگ استخوانِ ضلع پٹنہ کے رہنے والے تھے۔

۲۔ مولوی سید محمد نواب مختار فوجدار می وکلکٹری - بادشاہی گنج - علاقہ تھانہ پیرہوڑ، باقی پور  
(بانکی پور) پٹنہ -



# باب دوم

## بہار میں اُردو ادب

**تمہید**

صوبہ بہار میں مسلمانوں کے سیاسی و تہذیبی اثرات کا آغاز باضابطہ طور پر اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی کی فتوحات سے ہوا۔ اس کا زمانہ ۱۱۹۲ء تا ۱۲۰۴ء (۹ھ تا ۶۰۲ھ) تھا۔ لیکن بعض واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن بختیار سے پہلے مسلمانوں نے یہاں قدم جمانا شروع کر دیا تھا۔ محمود غزنوی کے بھانجے سالار مسعود غازی کے لشکر کا اطراف بنارس تک آنا ثابت ہوتا ہے۔ جن جن جگہوں میں مسعود غازی کے مجاہدین نے

۱۔ میئر و بہار میں مسلمانوں کی آمد۔ فیض الدین بلی مصنف تاریخ ملکہ، ندیم، گیا، بہار نبرگست و تبریکہ، ۱۹۳۵ء، ص ۴۰-۴۱۔

محمد بن بختیار کے حالات کے لئے دیکھئے "طبقات ناصری"۔ مؤلفہ منہاج الدین سراج، ۱۰ اور تاریخ فرشتہ، جلد ۲۔



جنگ کی اور مقتول ہوئے وہ مقامات گنج شہیدان کے نام سے مشہور ہیں، اور وہاں غازی میاں کا میلہ لگتا ہے سیوان، ضلع سارن بہار اور منیر، ضلع پٹنہ میں بھی ایسی جگہیں ہیں جہاں یہ میلے لگتے ہیں۔

منیر شریف کے اہل خانقاہ کے سفینوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۷۸۱ء (۱۱۹۵ھ) میں حضرت تاج فقیہ اور قطب سالار نے راجہ منیر پر فتح پا کر اس علاقے پر قبضہ کیا۔ قطب سالار کا مزار موضع مہاواں میں منیر سے دو میل پورب، مسجد کے پس پشت واقع ہے۔ ایک لوح بھی ملی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قنوج کے راجہ گوبند چند نے منیر کے ایک برہمن کو جاگیر عطا کی۔ لوح پر جو سنہ درج ہے وہ ۱۷۲۰ء کے حساب ۱۱۲۷ھ بنتا ہے۔ اس میں یہ فرمان ہے کہ دوسرے محمولات و مالگذاری کے ساتھ ترکوں کا محصول ”ترک ڈنڈ“ بھی جو ادا ہوتا رہا ہے، ادا ہوتا رہے۔

بارہویں صدی کے آغاز سے صوبہ بہار پر مسلسل مسلمانوں کی حکومت رہی اور اس علاقہ میں نئے تمدنی اثرات گھر گھر کرتے رہے۔ بہار اور بنگال سلطنت دہلی کے صوبے تھے۔ جب دہلی کی سلطنت کمزور ہوتی تو یہ صوبے خود مختار ہو جاتے۔ ۱۸۱۸ء میں بابر نے بنگال و بہار پر فوج کشی کی۔ بابر کی وفات کے بعد لودھی اور سوری افغانوں نے اپنی جمیعت کو فروغ دیا۔ ۱۸۶۶ء

---

۱۔ بہار و اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی جرنل جلد ۲، ۱۹۱۶ء۔ ایک لوح بھی ہے جس میں یہ عبارت لکھی ہے۔ ”دین محمدی شد قوی“

میں شہنشاہ اکبر نے بہار اور بنگال کو فتح کر لیا۔ پہلے ابواب میں اس امر کی تفصیل بیان ہو چکی ہے کہ دو تہذیبوں کے میل سے شاہجہاں کے عہد تک بہار میں اردو زبان رَس بس چکی تھی۔ اور اب ادب کی پیدائش و ترقی کا وقت آ گیا تھا۔ شاہزادہ عظیم الشان ۱۶۹۷ء میں پٹنہ آیا۔ اور پٹنہ عظیم آباد بن کر تخت گاہ اردو کی حیثیت سے مسلم الثبوت بنا۔ پھر فرخ سیر یہاں آیا اور امیر الامراء نواب سید حسین علی خاں صوبہ دار پٹنہ کی اعانت سے وہ یہیں شہنشاہ ہندوستان بنا۔ فرخ سیر کی تاجپوشی عظیم آباد میں ہوئی۔ سید حسین علی خاں نے فوج جمع کی اور اسی فوج کی مدد سے فرخ سیر دلی پر قابض ہوا۔ سیر المتاخرین کے مؤلف سید غلام حسین عظیم آبادی کے قول کے مطابق بہار یوں نے یہ فتح حاصل کی (۱۷۱۳ء)۔ اس کے بعد شاہجہاں آباد دلی اور عظیم آباد پٹنہ کے درمیان روابط و مراسم بہت بڑھ گئے۔ بہت سے امراء دلی چھوڑ کر پٹنہ آجسے لہذا ان کی زبان و معاشرت میں یک رنگی آنے لگی۔ ”فرخ سیر کے زمانے میں ایک امیر باتدبیر تھا جسے تاریخی زبان عمدة الملک اور غوام محمد امیر خاں کہتے اور انجن شعر انجام کے لقب سے یاد کرتی ہے۔ یہ نواب بھی بیدل ہی کا دلدادہ اور مقلد تھا اور جس وقت استاد اردو کی طرف مخاطب ہوا، مودب شاگرد بھی ہمہ تن ادھر متوجہ ہو گیا۔ اس کی اس توجہ و خیال سے اس زبان کا وہ آواز بلند ہوا کہ ساری دلی گونج اٹھی اور پھر نو گھر گھر سے اس کی صدا

۱۔ ”مصدقیان دفتر شامی کے لئے دیوان محلہ اور امراء فوج کے لئے لودی کٹہہ بسایا۔ منلوں کے رہنے کے لئے منیلورہ اور شاہزادوں اور امراء کے لئے محلہ کیوں شکوہ جو اب بگڑ کر کو اکھوہ ہو گیا ہے عظیم الشان کا قصد تھا کہ عظیم آباد کو رشک دلی بنا چھوڑے“ (بہار اور اردو، حمید عظیم آبادی، نیم بہار نمبر ۱۹۳۷ء)

آنے لگی۔ (نصیر حسین خیال عظیم آبادی)۔ مرزا بیدل، اورنگ زیب کے زمانہ میں پٹنہ سے دلی گئے اور فرخ سیر کے عہد تک فارسی اور اردو کو فروغ دیتے اور بہار و عظیم آباد کے نام کو روشن کرتے رہے۔ نواب لطف اللہ خاں صادق اور مرزا معز موسوی خان فطرت دلی سے پٹنہ آئے۔ عظیم آباد پٹنہ نے صوبہ بہار کے دوسرے شہروں سے بہ حیثیت زبان و ادب، امتیاز حاصل کیا۔ لیکن بہار کے دوسرے مراکز بھی اردو ادب کی تخلیق و ترویج میں مشغول تھے، کیونکہ اردو زبان سارے صوبہ میں آہستہ آہستہ مقبول ہو رہی تھی۔ شہروں اور قصبات میں اردو کو فروغ ہو رہا تھا۔ پٹنہ، گیا، آراہ، چھپرہ اور مظفر پور۔ نیز ان شہروں کے قریبی قصبات اور مضافات کے علاوہ صوبہ کے مشرقی اور جنوبی علاقوں میں بھی اردو زبان و ادب کی خدمت ہو رہی تھی۔ افسوس کہ بزرگوں کے ادبی سرمایہ کا اکثر حصہ ضائع ہو گیا۔ یہاں تحقیقات علمیہ کا کام جب سے شروع ہوا ہے بہار میں اردو کی قدامت، وسعت اور ہمہ گیری ثابت ہوتی جاتی ہے۔

اب تک کی تلاش و جستجو سے یہ ظاہر ہوا ہے کہ دلی دکنی کے زمانہ سے بہار میں اردو ادب کی تخلیق ہو رہی ہے اور یہ حقیقت بھی سامنے آئی ہے کہ ادب اردو کے سلسلہ میں جس طرح اورنگ آباد دکن کا اثر دہلی پر پڑا ہے۔ اسی طرح ایک حد تک عظیم آباد، بہار کے

ذریعہ بھی دہلی میں تحریک اُردو کو تقویت پہنچی ہے۔ عظیم آباد کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کے مرکز اور دائرے میں اُردو ادب کی تخلیق ہر دور میں ہوتی رہی ہے۔ جب دکن، دہلی اور لکھنؤ میں نوبت بہ نوبت اُردو کا طوطی بولا تو عظیم آباد میں بھی اس کے ہم صیغہ موجود تھے۔ عین ممکن ہے کہ دکن کے دورِ اولیٰ کے متوازی بھی ادبِ قدیم کے نمونے بہار میں مل جائیں۔ لیکن اب تک تو دکن کا قدیم ادبی سرمایہ سب پر بھاری ہے اور اغلب یہی ہے کہ اس کی اہمیت غیر متزلزل ہے۔ کیونکہ خاص تاریخی تہذیبی و سیاسی وجوہ کی بناء پر وہاں 'ریختہ' کا باغ سب سے پہلے لہلہایا۔ یگا دُکا پیڑیو دے نو سارے برصغیر ہند میں سرسبز ہوئے۔ بہر کیف تحقیقات اور انکشافات کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ علم اور تحقیق کی دُنیا میں عو بانی عصبیت، قطعیت اور کٹر پن کی کوئی جگہ نہیں۔

میں تحقیق و مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ دورِ قدیم اور دورِ وسطیٰ میں علی الترتیب اُردو ادب ہر دبستان میں بُنیادی اعتبار سے یکساں رہا ہے۔ جدت، اختراع اور قابل ذکر تبدیلیوں کی سکت ابھی پیدا ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس سلسلے میں فیظ اکبر آبادی ایک استثناء ہے۔ دکن، دہلی، لکھنؤ اور عظیم آباد کے اُردو ادب میں سطحی فرق و امتیاز پایا جاتا ہے۔ ادب کے عام تجربے، ہیئت، صنفیں، مزاج، روایات، تلمیحات، تشبیہیں، اور

استعارات سب کم و بیش ہر دبستان میں ایک جیسے ہیں۔ یعنی دبستانوں کی انفرادیت اور اُن کے فن کاروں کی انفرادیت ہنوز بالیدہ اور نمایاں نہیں ہوئی۔ تھوڑے سے رنگ اور مذاق کا فرق یا بعض صنفوں کی طرف نسبتاً زیادہ توجہ کا امتیاز ضرور پایا جاتا ہے۔ اس لئے اگر دبستانِ عظیم آباد میں نمایاں انفرادیت نہیں تو کوئی جہت کی بات بھی نہیں۔ عام طور پر دلی اور پٹنہ کے میلانِ شعروادب میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ اواخر انیسویں صدی میں دبستانِ لکھنؤ کا اثر بھی بہادر پر پڑا ہے۔ اور ایک طبقہ شعراء کا میلان اُسی جانب ہو گیا۔ نثر میں بھی ہمیں دلی اور لکھنؤ دونوں دبستانوں کا اثر ملتا ہے۔ خصوصاً ناول نگاری میں۔ پھر عہدِ شاد میں ایک ایسا وقت بھی آیا کہ دبستانِ عظیم آباد نے دلی اور لکھنؤ کے مذاق و میلان کا ایک ایسا امتزاج پیش کیا جو جیتا جاگتا، خوبصورت، اثر آفرین اور بار آور تھا۔ اس امتزاجی فن نے بیسویں صدی کے ادب کو گہرے طور پر متاثر کیا۔

حبیبِ عظیم آبادی لکھتے ہیں :

” اصل حقیقت یہ ہے کہ دہلی و لکھنؤ و عظیم آباد وغیرہ وغیرہ شہروں کی زبانیں ایک ہی بچنے کی دو دالیں اور شاہجہانی اردو کی بیٹیاں ہیں۔ ایک ہی گھر میں پیدا ہوئیں، ایک ہی جگہ کھیل کود کر بڑی ہوئیں، ایک ہی طرح کے جینر پائے۔ کوئی بیاہ کر پورب

گئی، کوئی پتھم، کوئی اُتر اور کوئی دگھن۔ لہذا فرق بھی اتنا  
ہی ہونا چاہیئے، جتنا دو بہنوں میں ہوتا ہے<sup>۱</sup>۔

اگر اس تمثیل کو بہت زیادہ کھینچا نہ جائے تو میں اس خیال سے متفق  
ہوں۔ دبستان بہار کی خصوصیات کے مسئلہ کا ایک دوسرا پہلو بہار میں اردو ادب  
کی پیدائش یا درآمد کا مسئلہ ہے۔ اس سلسلے میں بھی افراط و تفریط کو  
راہ دینا نہیں چاہیئے۔ بہر کیف بہار کا اردو ادب بیرونی یا مصنوعی نہیں  
بلکہ مقامی اور اصلی ہے۔ ”یہ شہر اپنے مذاق شاعری میں کسی کا محتاج نہیں  
بلکہ آپ اپنا مقلد و شاگرد رہا۔ اور یہیں کے فیض سے اپنا کشکول بھرا لیا  
ہے۔“ بقول حضرت شاد دہلوی ”در اردو پرو آباے خویشم“ اور :

زبان مادری من ہماں است

نہ ماخوذ از کلام دیگران است

حق یہ ہے کہ جب اردو زبان بہار میں بالیدہ ہو گئی، تو وہ از خود  
اسی صوبہ کی مٹی سے رُس اور جس لے کر، اسی کے پانی سے سیراب اور  
اسی کی ہوا سے شاداب ہو کر پھولنے پھلنے لگی  
اور اس ادب کی خوشبو ملک کی فضا میں پھیلی اور سامانِ نشاط و مسرت بنی۔  
پرافسر معین الدین دروائی لکھتے ہیں :

”بہار نے دھلی اور لکھنؤ سے بہت پہلے اردو کی طرف توجہ کی“

بہار اور اردو شاعری ص ۱۷) .. .. .

”بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بہار کی شاعری کا کوئی خاص اسکول نہیں ہے۔ بلکہ دہلی اور لکھنؤ اسکول کی پیروی ہے۔ لیکن اس کی تاویل کیونکر کی جائے گی کہ اگر اشکی اور جمالی نے خواجہ میر درد کو اپنا استاد بنایا، تو میر تقی میر نے بھی جعفر عظیم آبادی کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا۔ ان کے علاوہ غالب نے بھی مرزا بیدل عظیم آبادی کا کلام سامنے رکھ کر مشق سخن کی ہے۔ . . . . . باکمال شاعر بجائے خود ایک اسکول ہوتا ہے۔“ (ایضاً ص ۲۱)

پرافسر در دانی کے برخلاف قاضی عبدالودود لکھتے ہیں :

”۱۱۵۰ھ سے ۱۲۰۰ھ تک اور اس سے پہلے صوبہ بہار میں اردو کے مقابلہ میں فارسی کا زیادہ چرچا تھا اور یہاں اچھے اچھے فارسی گو موجود تھے لیکن اس زمانہ میں ایک رنجیت گو شاعر بھی جسے مسلم الثبوت استاد مانا گیا ہو اور جس کی خوش گوئی کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہو، منظر عام پر نہیں آیا۔ وہ شعرار جو عظیم آباد سے تعلق رکھتے، دھلی کی زبان کے مقلد معلوم ہوتے ہیں۔ . . . . . ۱۱۷۰ھ سے ۱۲۲۰ھ تک کا زمانہ اس صوبہ کی اردو شاعری کا عہد زریں ہے۔ . . . . . اس زمانے

میں بھی یہاں کے تمام اساتذہ دہلی کے مقلد رہے .. ...  
 زیر بحث بہاری شعراء میں کوئی نیا رنگ و آہنگ، کوئی نیا زاویہ نگاہ  
 نہیں ملتا .. ..“

(بہار کی اُردو شاعری - عید نمبر صدائے عام ۱۹۵۳ء)

ان دونوں اقتباسات میں کچھ ایسی باتیں ہیں جن کی صحت کے متعلق مجھے کلام ہے۔  
 سب سے پہلے اس امر کے یقین کرنے کی کافی وجوہ نہیں کہ میر تقی میر نے جعفر  
 عظیم آبادی کے سامنے زانوئے شاگردی نہ کیا۔ میں یہ بھی نہیں مانتا کہ عظیم آباد  
 بہار کا دبستانِ ادب نمایاں انفرادیت رکھتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ  
 عظیم آباد بہار اُردو ادب و شاعری کا ایک اہم اسکول ہے۔ یہ بالکل غلط  
 ہے کہ یہاں کے سب اساتذہ دہلی کے مقلد رہے ہیں۔ درِ دانی نے  
 بڑے نمکتہ کی بات لکھی ہے کہ ”باکمال شاعر بجائے خود ایک اسکول  
 ہوتا ہے“ چھوٹے فن کار اپنے دبستان اور استاد کی تقلید محض کرتے  
 ہیں اور بڑا صاحبِ فن ان سے بلند ہوتا ہے۔ مثلاً میرا مطالعہ یہ ہے  
 کہ راسخ عظیم آبادی، میر دہلوی کے مقلد نہیں۔ اُن میں کافی انفرادیت پائی  
 جاتی ہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ قاضی عبدالودود خود عظیم آباد  
 کی مرکزیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ ”اس عہد میں اُردو شاعری کا جو چرچا یہاں  
 نظر آتا ہے، اور خوش گو شاعروں کی جو بہنات یہاں پائی جاتی ہے، دہلی  
 لکھنؤ کو چھوڑ کر ہندوستان کے کسی اور شہر میں نہ ملے گی۔“ مقلد شعراء



ہر دبستان میں ملتے ہیں اور مجتہد فن کار کی ہر جگہ کمی ہوتی ہے۔ بہ حیثیت دبستانِ عظیم آباد اور دہلی میں مماثلت ضرور ہے۔ ویسے دہلی کا اثر لکھنؤ اور عظیم آباد دونوں پر پڑا ہے۔ لکھنؤ کی بغاوت بھی محض سطحی تھی۔ نوعی یا بنیادی نہیں تھی۔ اُس کا بنیادِ رنگ و آہنگ محض مصنوعی اور بہ رعایتِ لفظی تھا۔ اس نکتہ کی وضاحتِ نظیر اکبر آبادی، حالی اور اکبر کی شاعری کے مطالعہ سے ہوتی ہے۔ ان فن کاروں نے اردو شاعری میں اختراعی اور بنیادی تبدیلی پیدا کی۔ اصل چیز غور کرنے کی یہ ہے کہ عظیم آباد کے اساتذہ محض تقلید اور نقالی میں شاعری نہیں کرتے بلکہ اُن کی شاعری اُن کے حال اور تجربہ پر مبنی ہے۔ ان صاحبِ حال بزرگوں کو مقلد نہیں کہا جاسکتا۔ قاضی عبدالودود لکھتے ہیں،

”اگر بہارِ بنگالہ سے الگ ہوتا اور یہاں کا صوبہ دار السلطنت مُغلیہ کے ضعف سے فائدہ اٹھا کر ایک آزاد یا نیم آزاد حکومت یہاں قائم کر لیتا، تو بہ خوبی ممکن ہے کہ عظیم آباد بھی لکھنؤ کی طرح علمِ بغاوت بلند کرتا، یہاں کی زبان بجائے خود معتبر

۱۔ سید ولی محمد نظیر ”عظیم آباد میں پیدا ہوئے اور سنِ شعور کو وہیں گزارا، پھر اکبر آباد پہنچے۔“ ..... ”آپ کے والد بزرگوار کا نام سید محمد فاروق ہے۔ جو ساداتِ بارہم میں سے تھے۔ اور عظیم آباد خاص میں کسی نواب کے معاصِب تھے۔“ پیدائش ۱۱۴۵ھ۔

ذیامِ نظیر، از عبد الحمید حمید تاج علی، رسالہ ندیم بہار نمبر ۱۹۴، ص ۱۶۳-۱۶۲

قرار پاتی اور نئی طرز کی شاعری وجود میں آتی۔<sup>۱</sup>

مکن ہے لکھنؤ کی طرز ایک حد تک 'ایجاد بندہ' ہو۔ لیکن وہ ایجاد نہ تو بڑے انحراف و اقدام فن کی دلیل ہے اور نہ مستحسن۔ میرا خیال اس سلسلے میں یہ ہے کہ کئی میلانات ادب و شعر جو لکھنؤ میں نمایاں ہوئے ان کا آغاز دہلی میں ہو چکا تھا۔ بلکہ بعض لکھنوی میلانات کی ابتداء دکن میں ہو چکی تھی۔ دبستان لکھنؤ میں برقی جانے والی شاعرانہ صنعتیں کوئی نئی نہیں۔ وہ فارسی اور عربی شاعری سے لی گئی ہیں۔ اہل دکن نے بھی انہیں برتا ہے اور اہل دہلی و عظیم آباد نے بھی۔ صرف یہ ہوا ہے کہ شعراء لکھنؤ کے ایک طبقہ نے ان صنعتوں کو بے تکیہ پن سے برتا ہے۔ اور اپنی صناعت کو مصنوعی بنا دیا ہے۔ دہلی اور لکھنؤ میں داخلیت و خارجیت کا فرق بھی زیادہ گہرا نہیں۔ دبستان دہلی کا عام مزاج داخلیت کی طرف مائل ہے اور لکھنؤ اسکول کا عمومی مذاق خارجیت کی جانب۔ لیکن دہلی میں بھی خارجیت کے نمونے نہ صرف نصیر دہلوی اور ذوق کی شاعری میں ملتے ہیں۔ بلکہ میر، درد، سوز، مومن، اور غالب تک کے کلام میں خارجیت موجود ہے۔ اسی طرح دبستان لکھنؤ کے شعراء کے فن میں داخلیت بھی پائی جاتی ہے۔ مصحفی اور انشا، تو دہلی سے ہی لکھنؤ گئے۔ ان کے کلام کے علاوہ آتش، ناسخ، انیس و دبیر کے

کے فن میں بھی داخلیت ہے۔ ہم اگر سودا اور انیس کے فن کا مطالعہ کریں، تو ہمیں یہ حقیقت مانتی پڑے گی کہ اُن کے یہاں داخلیت و خارجیت کا اچھا خاصا توازن پایا جاتا ہے۔ میر تقی میر اور میر حسن کی مثنویوں کا آرٹ بھی امتزاجی اور متوازن ہے۔

دبستانِ عظیم آباد دلی اسکول سے مماثلت ضرور رکھتا ہے۔ مگر اس مماثلت کی وجہ اتنی سطحی نہیں کہ دہلی سے شعراءِ عظیم آباد آئے اور ان کا اثر پڑا۔ یا یہاں کے شعراء دلی گئے اور وہاں کی نقالی کرنے لگے۔ دہلی کا اثر سارے مراکزِ اردو پر ملک بھر میں پڑا ہے۔ عظیم آباد اس سے مستثنیٰ نہیں۔ لیکن دلی اور عظیم آباد میں مماثلتِ فن کے اسباب اس اثر و تاثر کے علاوہ بھی ہیں۔ تاریخی وجہ سے دہلی اور پٹنہ کی فضا ایک جیسی تھی۔ زندگی اور اس کا ماحول ایک جیسا تھا۔ دہلی میں اگر حملہ نادر و ابدالی اور سکھ و مرہٹہ بناوت و یورش کی وجہ سے سماج اور حکومت کی بنیادیں ڈالواں ڈول تھیں۔ اور ایک عام یاس و حسرت درد و اضمحلال جاری و ساری تھا، تو پٹنہ پر بھی بنگالہ سے انگریزوں کی سازشوں و رچلوں نیز مرہٹہ گردی کا عذاب نازل ہوتا رہتا تھا۔ زندگی بے چین و درد مند تھی۔ ان دونوں کے درمیان لکھنؤ ایک جزیرہ تھا۔ عارضی طور پر رومان پرور۔ مگر پٹنہ اور دلی کا ایک حال تھا۔ ایک جیسے ماحول میں دونوں مقاموں کے فن کاروں کا ایک جیسا ردِ عمل بھی ہوا۔ فن کاروں کی انفرادیت کا لحاظ رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ عظیم آباد اسکول کے فنکاروں

میں داخلیت اور درد و سوز، یاس و حسرت اُنہیں اسبابِ زندگی سے پیدا ہوئی، جن اسبابِ حیات سے دبستانِ دہلی میں وجود میں آئی تھی اور یہ اسبابِ مقامی تھے۔ عظیم آباد اسکول کے فن کاروں کے اخلاصِ تجربہ اور صداقتِ فن کی دلیل اُن کے کلام کی تاثیر ہے۔ وہ دلی کے محض مقلد اور نقال ہرگز نہیں تھے۔ یہاں کے فن میں خارجیت کے نمونے بھی ملتے ہیں اور فرداً فرداً فن کاروں میں انفرادیت و جدت کی بھی ایسی کمی نہیں۔ منفرد صناع تو ہر اسکول میں قلیل تعداد میں ہوتے ہیں۔ دبستانِ عظیم آباد کو فن کاروں میں جدت و اختراع کا مادہ تو اتنا تھا کہ جب دورِ آخر میں یہاں دبستانِ لکھنؤ کا رنگ بچنے لگا تو بہت جلد عظیم آباد اسکول کے اساتذہ نے مقامی اور لکھنوی رنگ و آہنگ کو ترکیب دے کر ایک تازہ کارِ اسلوب و طرز پیدا کر لیا۔ اُنہوں نے دہلی اور لکھنؤ کی خوبیوں کو اپنایا اور خامیوں سے کنارہ کش رہنے کی کوشش کی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اُنہوں نے اپنی رُوح اور مزاج کے امتیاز کو قائم رکھا، روایات کے محاسن میں نئی تبدیلیوں کے اچھے عناصر کو سمویا اور اُردو ادب کے خزانے میں اضافہ کیا۔ خود قاضی عبدالودود صاحب کو تسلیم ہے کہ ”غمدِ آبرو و مضمون کی ایہام بندی سے اس صوبہ کے شعراء کو کچھ سروکار نہیں رہا“ (بہار کی اُردو شاعری، عید نمبر ۳۵، ص ۱۹۱، صدائے عام، پٹنہ)۔

اس باب کے اختتام پر میں علامہ ندوی کے اقوال کو نقل کرتا ہوں:-

” صیفر بلگرامی نے اپنے تذکرہ جلوہ خضر میں غلط نہیں لکھا ہے کہ  
 دہلی اور لکھنؤ کے بعد یہ شہر اردو کا تیسرا مرکز ہے .. ...  
 دہلی کی تباہی کے بعد جس طرح لکھنؤ میں فواجی قائم ہو گئی، بہار  
 و بنگال میں الگ مسندیں لگیں، .. ... آخر میں بنگال کی  
 نظامت سے الگ ہو کر یہ صوبہ ایک مستقل نظامت کی صورت  
 میں منتقل ہو گیا .. ... اس خود مختارانہ عہد حکومت  
 کا بانی راجہ شتاب رائے کا خاندان تھا .. ... راجہ خود  
 بھی شاعر تھا۔ اور شتاب تخلص کرتا تھا .. ... راجہ  
 شتاب رائے کے علاوہ جو صوبہ دار آتے وہ بھی مرکزی  
 کمزوری کے باعث اپنی ایک مستقل شان رکھتے تھے، اور  
 اس عہد کے لوازم دربار کے مطابق شعر و سخن کی سرپرستی  
 اور قدر دانی میں بھی حوصلہ دکھاتے تھے “

بہار میں اردو ادب کا سرمایہ کثیر ہے۔ میں اُن میں سے منتخب  
 فن کاروں کے خزانہ سے زرو جواہر پیش کروں گا۔ میں اُن کی ساری دولت  
 منظر عام پر نہیں لاسکتا۔ کیونکہ میرا دامن تنگ ہے۔ میں انتخاب میں چند  
 باتوں کو پیش نظر رکھوں گا۔ اوّل یہ کہ میں اہم فن کاروں کو چُڑوں گا۔ دوم

۱۔ کلام شاد پر مقدمہ، نقوش سلیمانی، ۹۵-۹۶۔

نیز ملاحظہ ہوں، نقوش سلیمانی صفحات ۱۲۹، ۲۶۹-۲۵۹ و ۴۱۷-۴۰۰ +

یہ کہ انتخاب اس لحاظ سے بھی ہوگا کہ اردو کی متحدہ وراثت اور غیر فرقہ وارانہ حیثیت ثابت ہو۔ تو ہم یہ کہ اُن ادبی نمونوں کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی جائے گی جن سے لوگ عمومی طور پر واقف نہیں۔ میرا دائرہ انتخاب سترہویں صدی عیسوی کے اواخر سے اُنیسویں صدی کے قریباً وسط تک ہوگا۔ میں پیشکش میں یہ ترتیب ملحوظ رکھوں گا کہ پہلے شعراء کا بیان ہو، پھر تذکرہ نویسوں کا اور بعد ازاں نثر نگاروں کا۔

خطہ بہار میں کول، ڈراور، آریہ، ترک، پٹھان، عرب وغیرہ نسل کے لوگ بستے ہیں۔ ان کے آباء و اجداد مختلف اوقات میں یہاں آکر بسے۔ میرے نزدیک جو یہاں آکر، یہاں کا ہو رہا وہ اسی دیار کا رہنے والا کہلائے گا اور اسی خطہ کی طرف منسوب ہوگا۔ متاخرین میں تورانی، ایرانی، اور عرب خاندان مغربی ہند سے یا بیرون ہند سے براہ راست 'بہار' میں آکر آباد ہوئے۔ ان میں بھی اردو شاعر و ادیب پیدا ہوئے اور یہاں کے قدیم باشندوں میں سے بھی اٹھے۔ بعض لوگ دہلی سے عظیم آباد آئے اور اپنی شاعری ساتھ لائے۔ مثلاً میر باقر حنیف اور فقیہ صاحب دردمند۔ "دردمند دکنی تھے، مگر ان کی شاعری نے دکن نہیں دہلی کی آغوش میں پرورش پائی تھی۔"



رُخ (الف)

# بہارِیں اُردو شاعری



۱۶۷۰ء تا ۱۸۵۷ء



# مرزا عبد القادر بیدل

(۱۰۵۴ھ تا ۱۱۳۳ھ)

عبد القادر ”خلف مرزا عبد الخالق۔ متوطن عظیم آباد، ۱۰۵۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ایک مدت تک ناظم بنگالہ شہزادہ محمد اعظم خلف اورنگ زیب کے دربار سے منسلک رہے۔ پھر دکن کی سیاحت کو نکل کھڑے ہوئے۔ کچھ عرصہ دکن میں رہنے کے بعد واپس چلے آئے اور عمر کا بقیہ حصہ وہیں گزارا۔ ماہ صفر ۱۱۳۳ھ میں انتقال کیا۔“

صیقر بلگرامی تذکرہ جلوہ خضر، جلوہ پنجم میں لکھتے ہیں :-  
 ”یہ بھی مصلحانِ اُردو میں شمار ہوتے ہیں گو کہ فارسی فرماتے تھے مگر خود اپنے طور پر اُردو بھی کچھ کہہ گئے ہیں .....  
 .... بیدل مرزا عبد القادر عظیم آبادی عمدہ سخن پردازوں سے ہیں۔ اقسامِ نظم میں پایہ بلند اور اسلوبِ نثر میں رتبہ ارجمند رکھتے ہیں ..... بلدہ عظیم آباد پٹنہ میں پیدا ہوئے اور ہندوستان میں نشوونما پائی ..... اور  
 سوم سفر ۱۱۳۳ھ میں انتقال کیا۔“

۱۔ تاریخ شعرائے بہار، سید عزیز الدین احمد علی راز عظیم آبادی، ص ۲  
 ۲۔ ’جلوہ خضر‘ جلد اول ص ۹۸-۹۹، بہ حوالہ تذکرہ سروا زاد۔ مولفہ سید غلام علی آزاد بگرامی۔ (تقریباً ۱۹۷۷ء)

مرزا بیدل کی جائے پیدائش میں اختلاف ہے۔ انہیں کوئی بھاری کہتا ہے، کوئی لاہوری، کوئی دہلوی، کوئی اکبر آبادی اور کوئی عظیم آبادی۔ ہندوستان خوشگو نے اپنے تذکرہ، سفینہ خوشگو میں بیدل کو اکبر آبادی لکھا ہے۔ علامہ آزاد بلگرامی نے اپنے تینوں تذکروں یعنی، 'بید بیضا'، 'خزانہ عامرہ' اور 'سرو آزاد' میں بیدل کو عظیم آبادی بتایا ہے۔ آزاد بلگرامی، بیدل کی وفات کے وقت سترہ سال کے تھے۔ مصحفی کے تذکرہ، 'عقد ثریا' میں بھی بیدل کو عظیم آبادی تسلیم کیا گیا ہے۔ علامہ سلیمان ندوی کا خیال بھی یہی ہے کہ بیدل کا مولد و منشاصوبہ بہار تھا۔ اس عظیم المرتبت شاعر کی طفولیت اور آغاز شباب کا زمانہ بہار ہی میں گزرا ہے۔ بیدل کے والد اور چچا مرزا قلندر نے آرہ ضلع کے ایک بزرگ شاہ کمال قادری سے بیعت کی تھی۔ وہ بھی انہی کے دامن فیض سے وابستہ ہوئے۔

بیدل عہدِ عالمگیر میں پٹنہ سے دہلی گئے تھے۔ وہاں شاہزادہ عظیم و معظم کے استاد و اتالیق مقرر ہوئے۔ انہوں نے فرخ سیر کا زمانہ بھی دیکھا۔ ایک دفعہ شاہزادہ محمد اعظم نے اپنی مدح میں قصیدہ کی فرمائش

(باقی حاشیہ ص ۱۹۷ کا) بیدل کی تاریخ وفات حسب ذیل ہے :-

میرزا آردوہ از باب سخن : از غم آباد جہاں خورم رفت

گفت تاریخ وفاتش آزاد : میرزا بیدل از بی عالم رفت ۳۳

'بہار اور اردو شاعری'، دروائی، ص ۳۰ - بحوالہ چنستان شعرا ص ۷۷

۱۔ رسالہ نقوش، لاہور : شخصیات نمبر ۲، ص ۱۳۳ -

اور منصب کی افزائش کی پیشکش کی۔ بیدل نے اُسی وقت نوکری ترک کی اور گوشہ عزلت اختیار کیا۔ باقی عمر فقر و توکل میں بسر کی۔ صوفی مشرب تھے اور شاہد معنی کے فریفتہ۔ ”دن کو گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے اور شام سے آدھی رات تک شعراء اور شاگردوں سے صحبت رکھتے تھے“ بڑے بڑے امراء اور ارکان سلطنت ان کے معتقد تھے اور ان کا اعزاز و اکرام کرتے تھے۔ مثلاً نواب شکر اللہ خاں، نواب آصف جاہ، امیر الامراء سید حسین علی خاں بارہہ وغیرہ۔ صدر بیگ خاں نے امیر الامراء کو خنجر سے ہلاک کیا۔ شاید یہ قتل فرخ سیر کے اشارہ سے ہوا تھا۔ اس کا انتقام امیر الامراء کے بھائی سید عبداللہ خاں وزیر نے بادشاہ سے لیا۔ اُس پر بیدل نے تاریخ کئی ۷

دیدہ کہ چہ بادشاہ گرامی کردند      صد جور و جفا براہِ حامی کردند  
تاریخ چو از خرد بحسم فرمود      سادات بویے نمک حرامی کردند  
یہ تاریخ بہت مشہور ہوئی۔ سادات بارہہ کے خوف سے بیدل دہلی سے لاہور چلے گئے۔ عبداللہ خاں ناظم لاہور نے بہت عزت و تعظیم کی۔ جب سادات بارہہ کا دور ختم ہو گیا، مرزا پھر دھلے آئے۔

۱۔ جلوہ خضر، ۹۵، جلد اول      ۲۔ جلوہ خضر، جلد اول ص ۹۷، بحوالہ روزنامہ تبصرۃ الناظرین

۳۔ جلوہ خضر ص ۹۵۔ مرزا بیدل محلہ پٹن دیسی کے رہنے والے تھے۔ بحوالہ حمید عظیم آبادی

نہیم، بہار نمبر ۱۹۴۲ء۔ ۱۵۶، حاشیہ۔

بیدل ہند تا ایران شہرت رکھتے تھے ۔ انہوں نے بیدل تخلص شیخ عبدالعزیز  
عزت کے دامن تربیت میں اختیار کیا تھا۔ ”بیدل ہی نے دکن کے مقابلہ میں  
شمالی ہند کی لاج رکھ لی۔“ فارسی کی طرح اُن کے اُردو کلام میں بھی زور بیان  
اور پاکیزگی خیال نمایاں ہے۔“ مؤلف چنستان شعرا لکھتے ہیں :

”حقاکہ در سرزمین ہندوستان مثل این سخن پناہ صاحب کمالے  
بقید از خواب عدم سر بر نداشتہ“  
میر حسن دہلوی تحریر کرتے ہیں :

”مرزا عبدالقادر بیدل صاحب طرز فارسی ... .. دوشمر  
ہندی از آن بزرگوار مسموع شدہ ... ..“

مٹ پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں  
اس تخم بے نشان کا حاصل کہاں ہے ہم میں  
جب دل کے آستان پر عشق آن کر پکارا  
پیرے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم میں

صفیر بلگرامی نے تذکرہ سخن شعرا، مؤلف عبدالغفور خاں نساخ کے حوالہ سے  
صرف ایک شعر لکھا ہے اور وہ بھی یوں :-

۱۔ ”تاریخ شعراء ہمارے“، بجلی ص ۶۱  
۲۔ ”ہمارے اور اُردو شاعری“، دروائی ص ۲۶  
۳۔ ”چنستان شعراء“ ص ۴۲ - مؤلف رائے لچھی نرائن، شفیق۔  
۴۔ ”تذکرہ شعراء اُردو“، میر حسن ص ۵۹۔  
۵۔ ”تذکرہ شعراء اُردو“، میر حسن، ص ۵۹  
۶۔ ”جلوہ خضر“، جلد اول ص ۹

اس دل کے آستان پر جب عشق آپکارا  
 پردے سے یار بولا بیل کہاں ہے ہم ہیں  
 اگر پہلے اور دوسرے دونوں اشعار کو دیکھا جائے تو ”ہم ہیں“ مناسب  
 و موزوں نہیں ثابت ہوگا۔ میرے خیال میں میر حسن کے نقل کردہ اشعار ہی صحیح  
 ہیں۔ صیغہ بلگرامی نے ایک اور شعر سیّد موسیٰ کاظم بلگرامی کاظم کی بیاض سے  
 نقل کیا ہے : ۵

شہرہ حسن سے از بسکہ وہ محبوب ہوا  
 اپنے چہرے سے جگر تباہ کیوں خوب ہوا  
 پیر افسر نجیب اشرف ندوی نے رسالہ اُردو جنوری ۱۹۲۳ء میں بیل  
 کی طرف ایک بھاشا کا شعر منسوب کیا ہے۔ لیکن کوئی حوالہ نہیں دیا۔ انہوں  
 نے لکھا ہے :-

”اُس عہد میں اُردو کی ابتداء تھی ... چنانچہ جب حضرت  
 بیدل گردش روزگار سے چلنے لگے تو اپنی مُٹھ بولتی ماں کے ہاں  
 ... رخصت ہونے گئے تو کہا ۵

سراو پر کوئی نہیں تب دشمن آپن کیس  
 پٹنہ نگری چھاڑ دین اب بیدل چلے بدیس  
 حمید عظیم آبادی لکھتے ہیں :

”بیدل جب پٹنے کو خیر باد کہتا ہے تو یہاں کے درو دیوار پر  
بہ صہرت نظر کر کے یہ شعر پڑھتا ہے ۱

سراو پر مایا رام نہیں دشمن آپن کیس  
پٹنہ نگرے چھوڑ دہن بیدل چلے بے بس

حمید عظیم آبادی نے بھی کوئی حوالہ نہیں دیا۔ نیز پرافسر نجیب  
اشرف کے پیش کئے ہوئے شعر سے تھوڑا اختلاف بھی ہے۔ میں  
دردانی کی رائے سے ایک حد تک متفق ہوں۔ وہ لکھتے ہیں :-

”مجھے اس شعر کے بیدل کی طرف نسب کئے جانے سے  
اختلاف ہے۔۔۔۔۔ شعر کے نقل کرنے سے قبل اس  
کے ماخذ کا حوالہ ضرور دینا چاہیئے تھا“

لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا بھاشا کا شعر روایتاً مشہور چلا آتا  
ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی نہ کسی شکل میں یہ بیدل ہی کا شعر ہو۔ صاحب  
جلوہ خضر نے ’تبصرۃ الناظرین‘ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بیدل کے یہاں ایک  
صحبت ادبی برپا تھی۔ اُس مجلس میں چنتا من کا کبت پڑھ کر سنایا گیا۔  
مرزا بولے :- ”میں ہندوی نہیں سمجھتا مجھے سمجھا دو“

مگر یہ تو ہو سکتا ہے کہ بیدل پرانی ہندوی نہ جانتے ہوں اور آخری

۱۔ ’بہار اور اردو‘، ندیم، بہار نمبر ۱۹۴۱ء ۲۔ ’بہار اور اردو شاعری‘، معین الدین دردانی ص ۲

۳۔ ’جلوہ خضر‘، جلد اول، ص ۹۷

دور کی بہاری آپ بھرنش سے تھوڑا بہت آگاہ ہوں اور سر رہے پور بی بھاشا  
میں ایک پنکتی کہ گئے ہوں۔

## سید عماد الدین عماد پھلواڑی

(۱۰۶۵ھ تا ۱۱۲۴ھ)

سید عماد الدین قلندر پھلواڑی ۱۰۶۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۲۴ھ میں  
وفات پائی۔ پھلواڑی شریف کا مرکز فیض حضرت منہاج راستی کا قائم کردہ ہے۔  
آپ حضرت مخدوم بہار کے خلفاء میں سے تھے۔ پھلواڑی کا مرکز آٹھویں صدی  
ہجری مطابق چودھویں صدی عیسوی میں قائم ہوا۔ حضرت عماد قلندر پھلواڑی  
اسی سلسلہ کے صوفیاء میں تھے (حکیم محمد شعیب صاحب مرحوم کے گھر میں اس  
خاندان اصفیاء کے ملفوظات و مخطوطات کا گراں قدر سرمایہ موجود ہے۔ میں نے مرحوم  
سے استفادہ کیا تھا) نمونہ کلام ملاحظہ ہو ۷

بیچ نظر کے ایدھر او دھر ہر دم آوے جاوے ہے  
بل بے ظالم تس پرٹک دیکھے کو ترساوے ہے

۱۔ نقلی نسخہ 'تجلیات الانوار' تذکرہ شیوخ بہار، حصہ اول۔ مؤلف۔ حکیم محمد شعیب قادری پھلواڑی۔ حکیم صاحب مرحوم پھلواڑی  
صوفیاء کے خاندان سے تھے۔ آپ کا انتقال ستمبر ۱۱۵۷ھ میں ہوا۔ ۲۔ بہار اور اردو شاعری، پرافسر معین الدین ورداوی، ص ۱۶  
ورداوی نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ میرے خیال میں پھلواڑی شریف کے کسی مخطوط سے حضرت عماد کا کلام حاصل ہوا ہے۔

جب سنی چھوڑس کھانا پینا تیرا دوانہ اُلفت میں  
 خون جگر کا بیوے ہے اور غم غصہ کو کھاوے ہے  
 آوے اپنے ہاتھ وہ مورکھ نہیں عماد اب اس کی آس  
 اس کے کارن کون جنن ہم کیا جو نہیں آوے ہے

---

ڈیگرے جب بیچ چن کے فصلِ بہار آوے ہے  
 تب جوشِ جنون تلوا مرا کھلاوے ہے

---

دُبّاعی یارب نگہ عنایت ایدھر کر دو  
 کانٹا ہے عماد تم گل تر کر دو  
 ہے رنگ گنہ سبقتی رخ اس کا کالا  
 تم غارِ عفو سین منور کر دو

(رسالہ معیار، پٹنہ، مارچ ۱۹۳۶ء ص ۶) معظوطہ کتب خانہ خانقاہ عمادیہ

منگل تالاب، پٹنہ)



# ملا محمد عظیم تحقیق عظیم آبادی

(سنہ ۱۱۶۲ھ تا ۱۱۶۳ھ)

میر محمد عظیم تحقیق خلف میر بدیع الدین سمرقندی عرف میر میتن سنہ ۱۱۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔ بانو ۹۷ برس کی عمر میں سنہ ۱۱۶۳ھ میں انتقال کیا۔ ان کے شاگرد لالہ اُجاگر چند اُلفت نے تاریخ وفات کہی۔ ص

فرمود کہ تحقیق شدہ واصل حق

پرافسر در دانی تحقیق کے متعلق لکھتے ہیں :-

”بعض مؤرخین نے مرزا بیدل کے سر پر اولیت کا تاج لگا ہے، لیکن ملا محمد عظیم تحقیق عظیم آبادی بیدل سے پہلے گزرے ہیں۔۔۔۔۔ یہ عالمگیر کے عہد میں تھے، اور شاہجہاں کا آخری زمانہ بھی انہوں نے دیکھا تھا۔“

لیکن پرافسر مذکور نے نہ تو تحقیق کا سنہ پیدائش دیا اور نہ سنہ وفات۔

انہوں نے تحقیق کو بلا حوالہ و دلیل بہار میں اردو کا سب سے پہلا شاعر تسلیم کیا ہے۔ اس کے برخلاف عزیز الدین بلخی نے تحقیق کی پیدائش اور

۱۔ پٹنہ کا محکمیتن گھاٹ غالباً انہیں کے نام سے موسوم ہے۔

۲۔ تاریخ شعرائے بہار، بلخی ص ۷۵ و نیم بہار نمبر ۱۹۴ء ص ۱۵۷، حاشیہ۔

۳۔ بہار اور اردو شاعری، معین الدین در دانی، ص ۷۷

وفات کے سنہ دئے ہیں۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ بیدل، عماد و تحقیق ہم عصر شعراء ہیں۔ مگر بیدل، عماد سے گیارہ سال اور تحقیق سے سو گیارہ سال بڑے تھے۔ مرزا کا انتقال حضرت عماد کی وفات کے نو سال بعد ہوا اور تحقیق کے انتقال سے انتیس سال پہلے۔ تحقیق نے لابی عمر پائی۔ بہر حال بیدل کو ادبیت حاصل ہے۔ ہاں یہ ثابت نہیں کہ اُردو شاعری کی طرف پہلے بیدل، یا عماد یا تحقیق نے توجہ کی۔ فارسی کا ایک ضخیم دیوان تحقیق نے یادگار چھوڑا ہے۔ غرض یہ کہ وہ بھی بیدل کی طرح فارسی کے مفتوں تھے۔ دردائی شاہ عماد کو تحقیق کا ہم عصرا مانتے ہیں :

” ملا محمد عظیم تحقیق ہی کے ہم عصر سید عماد الدین عماد (۱۰۶۵ھ تا ۱۱۲۴ھ)

(۱۱۲۴ھ) اور غلام نقشبند سجاد (۱۱۶۳ھ تا ۱۲۱۱ھ) ہیں “

(بہار اور اُردو شاعری، ص ۱۵۱)

مکن ہے شاہ عماد کے سنہ وفات سے دردائی کو دھوکا لگا ہو۔ اور چونکہ بیدل کی وفات ۱۱۳۳ھ میں ہوئی۔ دردائی نے بیدل کو عماد کی بعد کا شاعر سمجھ لیا۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ بیدل مذکورہ صدر شعراء میں سب سے بڑے تھے۔

ملا محمد عظیم تحقیق کو مرزا معز موسوی خان فطرت سے تلمذ تھا۔ فطرت ۱۱۸۲ھ میں ایران سے ہندوستان آئے۔ اور نگ زیب عالمگیر کا زمانہ تھا۔

ملا، تاریخ شعراء بہار، عزیز الدین بلخی ص ۹ و بہار اور اُردو، از حمید عظیم آبادی، نیم، بہار نمبر ۱۹، ص ۱۵۶

عظیم آباد میں دیوانی پر معذور ہوئے۔ تحقیق نے بھی مرزا موسوی کے آگے زانوئے شاگردی تہ کیا۔ فطرت کے پٹنہ آنے سے پہلے بیدل دہلی جا چکے تھے۔ اور اس وقت تحقیق کا عنوانِ شباب بھی شروع نہیں ہوا تھا۔

تحقیق کو سیاحت کا بھی شوق تھا۔ دہلی اور بنگال کا سفر اختیار کیا۔ پھر اپنے وطن کو واپس آگئے۔ زین الدین خاں، ہیبت جنگ کو ان سے بہت عقیدت تھی۔ عظیم آباد کے اُمراء و حکام ملا صاحب کو بہ عزت اپنے ساتھ مسند پر بٹھاتے تھے۔

تحقیق عالم تھے، مقولات و منقولات سے آگاہ۔ فنِ موسیقی کے ماہر تھے اور تیر اندازی میں کامل۔ پیراکی میں مہارت تھی۔ مرغ، بٹیریں اور مینڈھے لڑانے کا شوق تھا۔ صاحب سیر المتاخرین ان کی نسبت لکھتے ہیں:

”میر محمد عظیم کہ از مشاہیر و مشائخ عظیم آباد از جملہ شاگردان مرزا

معزز موسوی خان فطرت تخلص بود۔ شہرتِ علمش بسیار و شاعریش

ہم اشتہار دارد۔“

نمونہ کلام حسب ذیل ہے:

سرجن تیرے کھرے میں سورج کی کرن دہا ہے

دیکھا ہوں جو تجھ کھ کون نینا میرے چند ہر ہے

۱۔ ’ذوالے وطن، شاعر عظیم آبادی۔ نوٹ:۔“ تحقیق کا مولد محلہ منچلہ، عظیم آباد تھا۔ ”نیم بہار نمبر ۱۹۱۹ء

۱۵۵۔ حاشیہ۔ ۲۔ بہار اور اُردو شاعری، دہدائی ص ۱۵۱۔ بلا حوالہ۔

دیگر ۵ جھکڑا باندھ دلمون سما جا

سلونو رے ایدھر کون آ جا

حمید عظیم آبادی نے اشعار کو یوں نقل کیا ہے :

۵ جھکڑا باندھ کر دل مون سما جا : سلونو سانورے ایدھر کو آ جا

دیگر ۵ سرجن تیرے مکھڑے میں سورج کی کرن دیا ہے

دیکھو، ہوں جو تجھ کھ کون نبنا میرے چندھڑے

تحقیق، دہلی بھی گئے تھے۔ وہاں کے اہل کمال سے ملتے اور شعر و شاعری

کی محفلوں میں شرکت کرتے رہے۔ اُن کے ہندوستان بھر میں صد ہا شاگرد تھے۔

اردو کے علاوہ فارسی میں بھی شاعری کرتے تھے۔ فارسی کا ایک ضخیم دیوان

یا دگار چھوڑا۔

## قاضی عبدالغفار غفا

حضرت عماد کے بیٹے ”شاہ سجاد کے ہمعصر“ ایک شاعر قاضی عبدالغفار غفا

گذرے ہیں۔ یہ پٹنہ ضلع کی ایک بسنی رہوگی کے رہنے والے تھے۔ ان کی

تصنیف جواہر الاسرار کا ایک قلمی نسخہ پرافسر دردائی کو ملا ہے۔ دردائی

صاحب نے اپنے مقدمہ کے ساتھ اسے ۱۹۳۷ء میں شائع کر دیا تھا۔ 'بواہر الاسرار' تصوف کی ایک منظوم کتاب ہے جو ۱۱۱۶ھ میں لکھی گئی۔ اگر صوفی شاعر غفّا نے ۱۱۱۶ھ میں کتاب تصنیف کر لی تھی تو وہ سجاد سے یقیناً بڑے تھے۔ کیونکہ یہی سجاد کا سنہ پیدائش ہے (۱۱۱۶ھ)۔ گویا غفّا نے عماد اور تحقیق کے دور کا بھی اچھا خاصا حصہ پایا۔ میرے خیال میں غفّا کو سجاد کا ہم عصر کہنا مناسب نہیں۔ انہیں تحقیق کا ہم عصر زیادہ صحیح طور پر کہا جا سکتا ہے۔

نمونہ کلام حسب ذیل ہے ۵  
 ظاہر دھوئے پاک نہ ہوئے      پاک ہوئے جب باطن دھوئے  
 جہین معراج نمازی سوئے      بن معراج نماز نہ ہوئے

کے غفّا، سنسار مون دیس بدیس      سائیں آپے آپ کو سوائے مانک بھیس

آگ پڑے نن پیم کے جل بل بوجہ جیو      کئے غفّا تم آگ مون دے جیو پایا پیو

کے غفّا سن کان دے ایسے آیا ہاتھ      مورت صورت رنگ کالے گیا سائیں ساتھ

کے غفّا سمجھو بے جگ مون ایسی پاپ      پر گٹھ ہوا پیو اور کچھ لوگ کہا دیں آپ

غفا سن درہیم کا دیکھا غوطہ مار جو تھے موتی بھید کے آئے ہمارے ہاتھ

---

کہے غفا جنہ دیکھا دوئی پیہم پتہ مون مشرک ہوئے

---

کہے غفا جنہ آپ بھلایا تن سائین کا درشن پایا

---

بھیجا پونھی پریم کی نانوں دھرا قرآن مانک ہاتھ سمائے کے آپی مانجے آن

---

اٹھ پر دیسی کیا سوانین پریم جس دھوئے دُور گئے بسھ سنگ کو تون رہا اکیلا ہوئے

---

تن کا تانبا آگ مون پانی کرے جو کوئے ڈارے بوٹی پریم کی تب جائے کچن ہوئے

---

آئے کیتی بار مل سودا کینھ ہاٹ کوئی سودا لے پھرا کوئی بھولا ہاٹ

---

پریم نپتہ مون ایک ہے سن مسجد اور دیر جب دیکھا تب پیا کون نین نہ آیا غیر

---

سائیں کا کوئی اور نہ پاوے پل پل لاکھ بھیس دکھلاوے

---

باسن مانٹی کے نہ کوئے آخر باسن مانٹی ہوئے

لوگ باورے پیہ کون ڈھونڈیں دیں دیں پیہ پرگٹھ جگ ماتھ ہے آپے مانک بھیس

اللہ اللہ من جے جیون کوئی دن رین جت اللہ سنسار مون اور نہ آوے تین  
(بہار اور اردو شاعری، دروائی مٹاٹھ)

غفا کے کلام میں صوفیانہ خیالات اور ہند کی بھگتی تحریک کا اثر نمایاں ہے۔ زبان و بیان کے لحاظ سے ایسی فصاحت بندھتی ہے کہ ہم عالم تخیل میں میرا، نام دیو، مانک اور کبیر کی کویناے جذبات میں پہنچ جاتے ہیں۔ دروائی لکھتے ہیں :

”اس کی زبان خاصی صاف ہے۔ البتہ سجاد وغیرہ کی طرح

۱۔ مون = میں + سائین = پروردگار، مالک + مانک = مانٹ، انسان، نشیہ + پیم = پریم۔  
محبت + جیو = جی + پیو = پی + سبھ = سب + پرگٹھ = پرگٹ، ظاہر + جھ = جس نے +  
پتھ = راستہ + تن = اُسی نے + پوتھی = کتاب + ماتھ = میں، آپے = آپ ہی + سنگ = ساتھ +  
کوئے = کوئی + جائے = جاگ + کچی = سونا + کیتی = کتنی + بکھ = خریدنے + ہاٹ = بازار +  
ہاٹ = راہ + پتھ = مذہب + کون = کو + اور = انتہا، حد + پل پل = لمحہ لمحہ + باسن = برتن +  
مانٹی = مٹی + باورے = باورے، پاگل + پیہ = پی + محبوب، خدا + جگ = دنیا +  
آپے = آپ ہی + بھیس = صورت +

اس میں گدھی زبان کا عنصر بہت زیادہ شامل ہے۔۔۔

(بہار اور اُردو شاعری ص ۱۷)

مجھے زبان کے سلسلہ میں مذکورہ بالا بیان سے اختلاف ہے۔ میرے خیال میں غفا کی زبان ملی جھلی زبان ہے۔ اس پر کھڑی بولی، اودھی اور برج بھاشا کا اثر بھی ہے، صرف گدھی کا اثر نہیں۔ خود کبیر کی زبان کا بھی یہی حال ہے۔ اُس عہد کی صوفیانہ بھگتی شاعری میں ایک ایسی طوائف زبان مروج ہو چلی تھی جو کم و بیش ملک ہند کے بہت بڑے علاقے میں سمجھ لی جاتی تھی۔ ہندوستان میں ایک ہمہ گیر ادبی زبان کا بیٹولی تیار ہو رہا تھا۔ میری رائے یہ ہے کہ غفا کے کلام میں گدھی عنصر نسبتاً کم ہے۔ آپ بھرنش ہی کے آخری دور میں گدھی یا مگھی بھاشا کا زوال ہو چکا تھا۔ اُس کی ادبی حیثیت گویا نہیں رہی تھی۔ مگھ کے لوگ گیت تو سنتے۔ لیکن اس دیار میں اعلیٰ قسم کی شاعری نہیں ہو رہی تھی۔ گریسن کا بھی یہی خیال ہے۔ اسی عہد کے معاصر اُردو زبان و ادب کا ارتقا ہوتا ہی۔ بہار کی قدیم اُردو شاعری میںسانی اعتبار سے مگھی بولی کا عنصر کم شامل ہوا ہے۔ بین ذیل میں غفا کے کلام کا تجزیہ پیش کرتا ہوں :-

”جو“۔ ”پیو“۔ ”مانٹی“۔ ان الفاظ کی ساخت برج بھاشا کی ہے۔  
 افعال کی ساخت بیشتر کھڑی بولی کی ہے، مثلاً ”پایا“۔ ”آیا“۔ ”لے گیا“  
 ”دیکھا“۔ ”آئے“۔ ”دیکھا“۔ ”بھلایا“۔ ”دھرا“۔ ”بھیجا“۔ ”رہا“۔ ذرا  
 مندرجہ ذیل جملوں اور فقروں کی ترکیب دیکھئے :



”کے غفا سُن کان دے ایسے آیا ہاتھ“۔ ”لے گیا سائیں ساتھ“۔ ”دیکھا  
 غوطہ مار“۔ ”آئے ہمارے ہاتھ“۔ ”سائیں کا درشن پایا“۔ ”بھجا پوتھی پریم کی“۔ ”نانون  
 دھرا قران“۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب جملے اور فقرے کھڑی بولی کے ہیں۔ اسی طرح  
 الفاظ، جملوں اور افعال کی ترکیب و ساخت پر اودھی یا عام پوربی رنگ بھی ہے۔  
 مثلاً ”مون“۔ ”کا“۔ ”تون“۔ ”ہوئے“۔ ”دھوئے“۔ ”دجائے“۔ میری رائے  
 میں لگتی اور بہاری اثرات صرف لفظوں کی ساخت میں ہیں۔ مثلاً ”مانک“۔  
 ”پیم“۔ ”سبھ“۔ ”ابھی“۔ ”جھ“۔ ”تن“۔ ”کینھ“۔ ”پیہ“۔ الفاظ میں ’ا‘ کی آواز  
 کا اضافہ بہاری بولی کی خصوصیت بتائی جاتی ہے۔ مگر ’ا‘ کی آواز پر تاکید  
 مشرقی ہندی اور ایک حد تک مغربی ہندی کی خصوصیت بھی ہے۔ ہاں پنجابی،  
 راجستھانی، بنگالی وغیرہ زبانوں میں ’ا‘ کی آواز گرتی ہے۔ ’مانک‘ اور  
 ’پیم‘ کے الفاظ لگتی، میتھیلی اور بنگالی میں مروج ہیں۔ لیکن مجموعی طور پر  
 میں یہی سمجھتا ہوں کہ غفا کی زبان پر مغربی ہندی یا کھڑی بولی کا اثر  
 نمایاں رنگ میں غالب ہے مثلاً ع

کوئی سودا لے پھرا کوئی بھولا باٹ

مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اشعار ریختہ میں ہیں، یعنی ’کھڑی بولی‘،  
 اودھی، برج اور مگدھی زمین میں فارسی اور عربی الفاظ کے بیج بھی بوئے گئے  
 ہیں۔ مثلاً: ظاہر، پاک، باطن، معراج، نمازی، صورت، سمندر، غوطہ، مشرک  
 قرآن، دور، مسجد، دیر، غیر، اللہ اور ساتھ ہی ساتھ نئی مند آریائی بولیں

کے اندر سنسکرت کے تَشَمُّ شبدوں کا استعمال بھی ہوا ہے۔ مثلاً: سنسار،  
جگ، پاپ، پُرگٹ (۴) درشن، پننہ۔  
غفا کی زبان اُردو کے قدیم کے دورِ وسطیٰ کا نمونہ ہے۔

## غلام نقشبند سجاد

(۱۶۱۱ھ تا ۱۷۳۳ھ)

آپ کا نام محمد سجاد اور عُرُف غلام نقشبند تھا۔ خواجہ عماد الدین قلند  
پھلواروی کے صاحبزادے اور حضرت شاہ مجیب اللہ پھلواروی کے داماد  
نہے۔ مولد و مسکن قصبہ پھلواروی، متصل عظیم آباد۔ ۱۶۱۱ھ عہد عالمگیری میں  
پیدا ہوئے اور ۱۷۳۳ھ سال جلوس شاہ عالم میں وفات پائی۔ حضرت شاہ  
مجیب اللہ پھلواروی اور خواجہ عماد الدین پھلواروی، ممبرے، پھیرے بھائی  
تھے۔ اوّل الذکر، ثانی الذکر کے مُرید بھی تھے اور اُن کے خلیفہ بھی۔ شاہ  
عماد کے انتقال کے وقت جناب سجاد کی عمر صرف آٹھ سال کی تھی۔ جب  
بڑے ہوئے تو آپ کی شادی شاہ مجیب اللہ کی لڑکی سے ہوئی۔ حضرت  
سجاد کی طرح حضرت شاہ آیت اللہ جوہری بھی شاہ مجیب اللہ کے داماد  
تھے۔ ان کا تذکرہ بعد میں آئے گا۔ شاہ مجیب اللہ پھلواروی کا مزار  
اور محفوظ منبرہ پھلواروی شریف میں اب تک مرجع خاص و عام ہے۔

حضرت سجاد پھلواروی نے فارسی اور اردو دونوں میں طبع آزمائی کی۔ ریختہ کا کلام قدامت کے لحاظ سے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ آپ کا کلام جناب محی الدین تمت عادی پھلواروی کے ذریعہ حاصل ہوا اور رسالہ 'معاصر' پٹنہ میں چھپا ہے۔ عزیز الدین احمد بلخی زار عظیم آبادی مؤلف تاریخ شعرائے بہار نے مندرجہ ذیل کلام نقل کیا ہے۔

صدفے ترے ساقیا آج لگا دے سبیل  
واردِ میخانہ ہے زاہد پرہیزگار  
آپ الگ ہیں خفا دل ہے جدا بے کہا  
آپ ہی ٹمک سوچئے کیا کرے سجاد زار

(تاریخ شعرائے بہار بلخی ص ۳۳)

رسالہ معاصر، پٹنہ، ماہ نومبر ۱۹۴۱ء میں حضرت سجاد کا جتنا کلام شائع

ہوا تھا وہ درج ذیل ہے :-

دم بھی گھولے ہو غم سستی نکلے نہیں جو جان بھی ① ہلے زمین سخت ہے، دور ہے آسمان بھی  
ایسے ہی غیروں کو تبیں کہہ دو اپنے جان تار لاؤ گے قتلگاہ کے بیچ، ایو گے امتحان بھی  
بیچ تمہارے جمع ہے رنگ جلال و ہم جلال آنکھ سستی ستم شعار، دل سستی مہربان بھی  
ہوئے جو اختتام وہ، جب کہیں ہوئے یہ بھی ختم قصہ عمر پر رہا، ہجر کا داستان بھی  
آج وہ اپنے گھر سستی، نکلے ہیں فاتحہ پڑھے جگہ نہ میری قبر کا باقی رہا نشان بھی  
ہو کہ ہزار جی یہ غم شرط و فایہ ہے مگر آنکھیں بھی خشک ہی رہیں بند رہے زبان بھی

تم ہی تو ہو ہماری جاں، تم ہی ہستی تو ہو جہاں      کیونکہ نہ ہم مناویں خیر، جان ہے تو جہان بھی  
 جی کے تئیں دبا کر واں جاویں کسو طرح سے پر      منہ سستی اون کے روبرو ہو سکے ٹلک بیان بھی  
 سجدہ گزار آستان تیرا غلام نقش بند  
 رحم کا خواستگار ہے، رحم ہی تیری شان بھی

بیدار کون جانے ہے، بیدار کے تئیں (۲) صباد مت کہو مرے صباد کے تئیں  
 گلچیں سے بڑھ کے جانے نہ صباد کرتیں      اتنا جادو مرغ چمن زاد کے تئیں  
 جنت ہی کی ہوس نہ نھی آخر وہ شیخ جی      دوزخ میں جو کہ لے گئی شاد کے تئیں  
 آساں نہیں تھے ایسے کی تصویر کھینچی      آئینہ کر نہ دیوے یہ بہ زاد کے تئیں  
 غم خوش ہے کہ ایک ہی توفیق میں      لکھے ہے شاد خاطر ناشاد کے تئیں  
 کیسے ہو آج کوئی مسلمان دیندار      جب لوگ دین سمجھے ہیں الحاد کے تئیں  
 ہیں طفل اشک مردم دیدہ کے نور چشم      ٹپکے ہے کون خاک پہ اولاد کے تئیں  
 عارض گلاب، زلف ہوسنبل، تو نرگس لکھ      گلشن ہی ہم تو پاویں ہیں صباد کے تئیں

طوفان اشک اور جوانی کی ناؤ، ہائے!

سمجھا دو ٹلک کوئی مرے سجاد کے تئیں

جب موسم گل آن کے تائب کرے ہے (۳) تب جوش جنوں عقل کی تردید کرے ہے  
 پرویزِ دہلی، وکولن و وامن و مجنوں      جو ہے وہ مری بات کی تقلید کرے ہے  
 اُٹھے گایاں پھر نہ کبھی شورِ تمنا      دل بیچ یہی یاس اب امید کرے ہے  
 جو بیچ محبت کے فنا ہو دے ہے لے دل      حاصل وہی تو ہستی جاوید کرے ہے

جس روز کہ پہونچے ہے نئی کوئی مصیبت اُس روز ترا خوگر غم عید کرے ہے  
 رکھے ہے جبین در پہ ترے گنبد گرداں سجدہ ترے دروازے پہ خورشید کرے ہے  
 گردِ سُرم رہوار ترا پہونچے ہے جس جا ہیبت سے وہاں خنک قبر لید کرے ہے  
 قاصد کے تیئں چاہیئے کہدے جو کہن ہیں کیوں اپنی طرف سے کوئی تمہید کرے ہے  
 سجادؒ جو سمجھا ہے خود اپنے تیئں موجود  
 وہ فہم نہیں، معنیٰ تو حیدر کرے ہے

بھر کی رات بہت بھاری ہے (۴) عشق کی بات بہت بھاری ہے  
 بیچ دیویں نہ کیلجا اپنا یہ ہی سوغات بہت بھاری ہے  
 اُلٹی جاوے ہے بساطِ دل اب ایسی تو مات بہت بھاری ہے  
 نامہٴ شوق کا آیا یہ جواب اب ملاقات بہت بھاری ہے  
 نفی کے بعد ہے اثباتِ صبح خالی اثبات بہت بھاری ہے  
 کل جو بوجھا تھا بہت ہی ہلکا آج ہیہات بہت بھاری ہے  
 خوگر غم کے تیئں بھی سجادؒ

غمِ مافات بہت بھاری ہے

جو گھڑی جاوے گذر دور مے و جام کے بیچ (۵) ہے بہ از عمر خضر گردشِ ایام کے بیچ  
 خوگر غم کے تیئں یاد بہت آوے ہے لہِ رنج جو تھا مدتِ آرام کے بیچ  
 بیچ اون انکھڑیوں کے اُبلے ہے ایسی مستی موج مے بوش کرے جیسے کھو جام کے بیچ  
 مجھ سنی سُن لے اے نام و نشاں کے طالب بے نشانی ہی ہے ہوس نام کے بیچ

یاس کیچ وہ گھل مل کر ہوئی یاس کے رنگ کوئی حسرت جو رہی تنگ دلِ ناکام کے یچ  
دل ہی جانے ہی جو ہوئے ہر ادا خاص اُن کی عالم جلوہ فروزی میں سرِ بام کے یچ

جب سستی اوس بتِ خود کام سستی کام پڑا

جی نہیں بھلے ہے سجاد کسو کام کے یچ

میاں خدا کو پاوے کوئے ⑥ جب خود کو یا خودی کو کھوئے

ہوش و خرد رکھے جو کوئے تجھ کھڑے پر عاشق ہوئے

جی جو نہ دُکھے کا ہے کوئے بیٹھا بیٹھا سسکے، روئے

دُنیا ہے عقیٰ کا کھیت وہ کاٹے دہقان جو بوئے

خاک آوے عاشق کے نیند دلِ تڑپھے تو کیسے سوئے

ہم تو کیا جو کرے کو تھا اب صاحب جو ہوئے سو ہوئے

ترے تئیں بھی ہووے عشق تب تہلا دو کیسا ہوئے

قطعہ

پڑھے عاشق جب کہ نماز دیر طرٹ مُنہ اوس کا ہوئے

یچ و ضو کے جی سستی ہا تھا آنسو سستی وہ مُنہ کو دھوئے

نالہ تم کھینچو سجاد

اب چاہے کچھ ہوئے نہوئے

مری حسرتیں دل میں گھبراتیاں ہیں ⑦ نکلنے کی راہیں نہیں پاتیاں ہیں

ترے مست آنکھوں کی یہ پُتلیاں تو تماشا قیامت کا دکھلاتیاں ہیں

اُدھر بدلیاں ہیں، اُدھر میری آنکھیں وہ پانی تو یہ اشک برساتیاں ہیں  
 صلاح اپنی آنکھوں کی اے دل سنیں کیا کوئی کام کی بات بتلاتیاں ہیں  
 خدا را بتادیں تو ٹک ہم کو سانسیں کہاں آتیاں ہیں، کہاں جاتیاں ہیں  
 اے یاس یہ حسرتیں ہیں جو میری تزا نام سُن سُن کے گھبراتیاں ہیں  
 بنیں جو کہ تیرے ملا کا نشانہ فقط اہل دل ہی کی وہ چھاتیاں ہیں  
 سر بزم دکھلاویں ہیں بسکہ شوخی وہ آنکھیں جو خلوت میں شرماتیاں ہیں  
 اُمیدیں جو میہان ہیں میرے دل میں لہو پیتاں ہیں، جگر کھاتیاں ہیں  
 سنا ہوں کہ اکثر نگاہیں تمہاری مرے قتل کے بعد پھتاتیاں ہیں

مُوجائے سجاد ہے جن کے غم میں

وہ شکلیں نگاہوں میں کیوں آتیاں ہیں

بھٹی کو چلا کیا ہوتے سحر پوچھو تو کوئی سجاد ستی ⑧

تھارے تلک تو کام اوس کو اشغال ستی اوراد ستی

ٹک میری طرف سے باد صبا جا کر کہہ صیاد ستی

اب جان لبوں پر بلبل کے پہنچی ہے تری بیدار ستی

تنہائی فرقت میں کیا کیا اپنا نہ یہ دل گھرا ہے

ہلے ہے جو ٹک یہ ناشدنی تو صرف تمہاری یاد ستی

جب آگ دھندھکتی ہو اس پر منت چھینو تیل خدا را تم

کیا دل کی خوشی کو پوچھو ہو اے یار واک ناشاد ستی

اے بادِ سحر اے موجِ صبا، لے جلد ہماری آکے خبر

نکلا ہے ہمارا کام سدا تیری ہی فقط امدادِ سستی

سُن پایا ہے اوس نے، دل میرا کعبہ ہے، گھر اللہ کا ہے

اب کھود کے اُوس کو پھکوا دے وہ بت نہ کہیں بُنیادِ سستی

جو دیکھ کے ہکو ہاتھ ملے، پچھتاوے اور افسوس کرے

بتلاد و کوئی کریں شکوہ کیا ایسے ستم ایجابِ سستی

ٹھانا تو بہت، اب جاویں گے، ہرگز نہ کسو کو کوچے میں

ہر بار مگر مجبور رہے ہم اپنے دلِ ناشادِ سستی

توڑا ہے وہ کب کا تقویٰ کو بھٹی میں تو اوسکی گدے ہے

سجّادہ مسجد کی بابت مت پوچھو کچھ سَجّادِ سستی

سمجھاؤں ہوں یہی دلِ ناکام کے تئیں ⑨ آغازِ بیچ سو پنج لے انجام کے تئیں

پہرِ بَریں فرو دہے زینے سستی ترے بولیں ہیں عرشِ لوگ ترے بام کے تئیں

کیا جاویگا بگڑ کبیں قدرت کا ہاتھ ٹک دیوے پلٹ جو گردشِ ایام کے تئیں

سو داکرے ہے غم کا جو بازارِ عشقِ بیچ سود کھ کے بھاؤ نیچے ہے آرام کے تئیں

واعظِ سُنادے سدرہ طوبی کی گفتگو ہم چاہیں اپنے سرو گلِ اندام کے تئیں

بولے ہے شیخِ مجھ سستی ساقی کو کس دروتم ایدھر کو بھی بڑھاوے کسو جام کے تئیں

زاہد کرے ہے کعبہ میخانہ کا جو ج رنگے ہے مئے میں جامہٴ احرام کے تئیں

بھاوے نہیں ہر شیخ کی صحبت یہ میکشو بیٹھا دو ساتھ مت کسو بدنام کے تئیں



سجّاد کا ہے کھینچے ہے تو آہ نارسا  
توڑے ہے کوئی بھی ٹر خام کتے نہیں

جب چال چلے انڈلاوے ہے ⑩ جب بولے تب اتراوے ہے  
میں دل کو یوں سمجھاؤں بوں گہراوے مت وہ آوے ہے  
اندھیا رے میں جگ جگ گ کچھ دورستی دکھلاوے ہے  
جی دیوے کا ہے بھوک سستی عاشق بیٹھا غم کھاوے ہے  
اک دم پہیلا، ہڈی ہڈی پہچان بھی کوئی پاوے ہے  
فرقت بھی ترے دیکھا دیکھی اب میرے تئیں تر پھاوے ہے

بن بن جو پھرے مارا مارا

سجّاد وہی کھلاوے ہے

یہ بولے کیا کہ ہے گھر میں بھی کوئی کہ نہیں ⑪ ملے حضور سے اب در میں بھی کوئی کہ نہیں  
جنون عام یہ ایسا ہمارے پوچھو کہ نے پاویگا اب گھر میں بھی کوئی کہ نہیں  
تھی اوسکے فوج بھی، نوکر بھی اور چاکر بھی گیا مزارِ سکندر میں بھی کوئی کہ نہیں  
سنا تو دامت و فرہاد و قیس کے قصے موابے عشقِ پیہر میں بھی کوئی کہ نہیں  
اٹے جہان میں لاکھوں کے مرغِ جاں لیکن ہے دامِ زلفِ معنبر میں بھی کوئی کہ نہیں

غریب جان کے سجّاد کو جو مارے ہو

تو تم سے پوچھے گا محشر میں بھی کوئی کہ نہیں

نہد ریا سے زائد تو بہ نہیں کرے ہے ⑫ نادان اپنے حق میں اچھا نہیں کرے ہے

کچھ بن کہیں پڑے ہر، دل کی ہوس کو آگے اپنے تو جانتے یہ کیا کیا نہیں کرے ہے  
یوں ڈوہتا ہووے دریا کے بیچ کوئی تیرا ک بیٹھا بیٹھا دیکھ نہیں کرے ہے  
ہو جاوے ہر محبت خود اپنے آپ ناصح کوشش سستی تو کوئی پیہ نہیں کرے ہے  
سجاد یاد آیا تو بیٹھے بیٹھے بولے

اب کوئی در پہ آ کے رویا نہیں کرے ہر

رسالہ نگار، لکھنؤ، بابت ماہ جنوری ۱۹۳۵ء کے حوالہ سے پرافسر معین الدین  
دردائی نے اپنی کتاب 'ہمار اور اردو شاعری' کے صفحہ ۱۶ و ۱۷ پر سجاد کی  
وہ غزل درج کی ہے۔ جس کا مطلع یہ ہے

بہشتی کو چلا ہوتے ہی سحر بولو چھو تو کوئی سجاد سستی  
نہا رات تلک تو کام اُس کو اشغال سستی اور اد سستی

یہ غزل معاصرین بھی شایع ہوئی ہے۔ اشعار کی تعداد برابر ہے مگر  
شعروں میں خفیف اختلاف پایا جاتا ہے۔

بعض افراد سجاد اور عماد کے کلام کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے۔ لیکن  
میرے نزدیک وہ سب اصلی ہیں۔ حکیم شعیب صاحب مرحوم کا بیان ہے  
کہ حضرت نورالحق تپاں پھلواری نے حضرت سجاد کے کلام کی نقل کی  
تھی۔ تپاں شاہ مجیب اللہ پھلواری کے پوتے اور حضرت سجاد کو داماد  
تھے۔ نورالحق تپاں کی تحریریں خاندانی دستاویزات میں ملتی ہیں اور  
پھلواری کے شاہ ماجان میں معروف ہیں۔ میں نے اور پرافسر حسن عسکری

صاحب نے بھی نپاں کی تحریریں حکیم شعیب صاحب مرحوم کے پاس دیکھی ہیں۔  
 نپاں کے بہت سے خود نوشت مرثیے پھلواری میں موجود ہیں اور ہم  
 نے دیکھے ہیں۔ پھلواری کے صوفیاء کے کلام ہرگز الحاقی نہیں۔ اگر تذکروں  
 میں ان میں سے بیشتر کا ذکر نہیں، تو یہ تذکرہ نگاروں کی نارسائی ہے۔ اب  
 جو مخطوطات و مسودات ہمارے سامنے آ رہے ہیں۔ تو خالق پر سے پرے  
 اٹھ رہے ہیں۔ داخلی شہادت بھی کوئی ایسی نہیں جس کی وجہ سے ہم نہیں  
 جھلی یا الحاقی سمجھیں۔ بزرگوں کے کلام کو شاہ نعمت اللہ (۱۱۶۰ھ تا ۱۲۴۴ھ)  
 پھلواری نے بھی مرتب کیا ہے۔ قدیم منقولات بھی موجود ہیں اور بعد  
 میں ان قدیم منقولات سے نقلیں ہوئی ہیں۔ حکیم شعیب صاحب مرحوم نے  
 شواہد کے ساتھ میرے اور پرافسر حسن عسکری صاحب کے سامنے اس مسئلہ  
 پر تشفی بخش روشنی ڈالی تھی اور ہم مطمئن ہو گئے تھے۔ حضرت عماد اور حضرت  
 سجاد کے کلام کے مخطوطات یا منقولات پھلواری سے باہر اب تک دستیاب  
 نہیں ہوئے۔

## حضرت بی بی ولیہ متوفی ۱۱۳۹ھ

حضرت بی بی ولیہ بنت سید شاہ عزیز الدین امہری شاہ آیت اللہ  
 شورش (جوہری و مذاقی) کی والدہ ماجدہ تھیں۔ شاہ محمد قدوم کی پہلی

شادی بی بی ولیہ سے ہوئی تھی جس سے صرف ایک صاحبزادے شاہ آیت اللہ ہوئے۔  
 ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۱۳۹ھ کو آپ کا وصال ہوا۔ بڑی زاہدہ و مرناض تھیں اور  
 علم تصوف میں دستگاہ رکھتی تھیں ”اُن کے معلومات و مکاشفات اُن کے وقت  
 ہی میں بہت شہرت پانچکے تھے۔ جس کے متعدد مجموعے پھلواڑی کے متعدد  
 کتب خانوں میں موجود ہیں۔ عربی کی تھوڑی اور فارسی کی بہت معقول یاقوت  
 رکھتی تھیں۔ حضرت مولانا محمد وارث رسول مابینا رسی قدس سرہ کی شان میں اُن کا  
 ایک مشہور قصیدہ ہے، جس کا مطلع ہے :-

ندانم کہ در روز مشہد باشد  
 کہ جرم و گناہم گزشت است از حد

اُردو میں دوہوں کے وزن پر اُن کے بعض اشعار بہت مشہور ہیں :-

کونستی تدبیرتادین      اون اپنے کنہ کو بلاوین  
 حضرت کی ڈیوڑھی بویا دیں      سیرجھکا کے آنکھ لگاوین

ندیم، بہار نمبر ۱۹۳۵ء میں ”شاعرات بہار“ ایک گرانقدر مقالہ لکھتے ہیں :-

بہار الدین احمد فیض پنا نوی سابق مدیر رسالہ ’موج نسیم‘، پٹنہ (حال سبج) کا  
 شائع ہوا تھا۔ پرافسر دردائی نے اپنی کتاب کے لئے اس مقالہ سے بھی مواد  
 لیا ہے۔

(بہار نمبر ۳۵ء - ۳۶ء و بہار و اُردو شاعری ص ۸)

# لالہ اُجاگر چند اُلفت

لالہ اُجاگر چند اُلفت، پسر مہائی - متوطن عظیم آباد - قوم کاستھ ماتھر - عزیز الدین۔  
 بلخی کہتے ہیں کہ پہلے غربت تخلص کرتے تھے۔ پرافسر حسن عسکری اُلفت اور غریب، تخلص  
 لکھتے ہیں۔ مکن ہر املا کی مشابہت کی وجہ سے اشتباہ پیدا ہوا ہو۔ میر محمد علیم تحقیق  
 کے شاگرد تھے۔ فارسی و اردو دونوں میں کہتے تھے۔ ڈاکٹر سید عبد اللہ کی  
 کتاب 'ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ' میں بھی اُلفت کا مختصر تذکرہ درج ہے۔  
 اُن کی ایک اردو غزل پرافسر عسکری صاحب کی تلاش و جستجو سے ملی ہے۔ ورنہ  
 اردو کلام مستور ہے۔ یہ غزل کسی شخص کو خط کے ساتھ بہ نظر اصلاح بھیجی گئی  
 تھی۔ خط اُن کے مجموعہ مکاتیب میں ہے، جس کے کچھ منتشر اوراق ملے ہیں۔  
 اس کا زمانہ کتابت معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن ایک خط جو اس کے قریب ہے  
 فخر الدولہ ناظم بہار کے نام ہے اور اس کی تاریخ کتابت ۲۵ شعبان ....  
 مطابق ۱۱۳۲ھ درج ہے۔ نواب فخر الدولہ کا عہد حکومت ۱۱۳۲ھ - ۱۱۳۶ھ ہے۔  
 یہ نواب صوبہ بہار میں سلاطین مغلیہ کا آخری صوبہ دار تھا۔ ۱۱۳۲ھ میں معزول ہوا۔  
 بہار، بنگالہ میں شامل کر دیا گیا اور مشرقی صوبہ داروں کی منصوبہ بازیوں کی  
 آماجگاہ بن گیا۔ سلطنت مغلیہ میں بھی اتنا دم نہ تھا کہ ناظموں کی خود سری کی

۱۔ تذکرہ قلی بند راجن داس خوشگو۔ ۲۔ انشائے غریب، رسالہ معاصر، پٹنہ ص ۳۳-۱۲۹۔

حصہ ۳۔ دسمبر ۱۹۵۳ء۔ وصالے عام، عید نمبر ۱۹۵۳ء۔ اُجاگر چند اُلفت، از پرافسر عسکری، ص ۳۵-۴۲۔

روک تمام کر سکے۔ بعد ازاں فتنہ فرنگ نے عظیم آباد کو شہر ”فتنہ“ (پٹنہ) بنا دیا۔

اُلفت کا نمونہ کلام ملاحظہ ہو :-

نخلوت نشین غم کون تماشا سبین کام کیا	مغور جام عشق کو صبا سبین کام کیا
دیوانہ محبت بے اختیار کون	تکلیف حال صحت دانا سبین کام کیا
مست مئے الست کو ہے تشنہ دگر	جام شراب کہنہ و مبین سبین کام کیا
آباد باد ملک قناعت و مردی	ویرانہ خرابی دُنب سبین کام کیا

پروردہ آفتاب محبت کون روز حشر	باغ نعیم و سایہ طوبی سبین کام کیا
جس کو ہے داغ سینہ و آتش تمام دل	سیر گل و تفرج لالہ سبین کام کیا
یا متاع دل کا کف اختیار سون	سودے عشق ہے سر و سودا سبین کام کیا

یارب غریب ملک معانی کو رہ نما      شکل مہیب و صورت زیب سبین کام کیا

رسالہ مصر میں پندرہ اشعار شائع ہوئے ہیں۔ میں نے آٹھ اشعار نقل کئے

ہیں۔ اس غزل میں فارسیّت کا غلبہ ہے۔ بعض مصرعوں میں کاتب کا تصرف معلوم

ہوتا ہے۔ اور اس وجہ سے ناموزونیت جا بجا ملتی ہے۔ مکتوبات کا کوئی دوسرا

نسخہ نہیں کہ مقابلہ کر کے قیصر کی جا سکے۔ پرافسر عسکری صاحب کو ”چند منشر اوراق جو اُلفت کے چند ابتدائی خطوط اور ایک ناہر غزل ریختہ پر مشتمل ہیں، ملے ہیں اور ایک دوسرا مجموعہ مکاتیب یعنی انشائے اُلفت (فارسی) جس میں ۱۱۷۱ھ تک کے خطوط شامل ہیں اور اُلفت کے ایک ناقص دیوان فارسی کا قلمی نسخہ دستیاب ہوا ہے۔

نوٹ:- افواجین مملی خان عاشق تذکرہ نشر عشق میں لکھتے ہیں کہ اُلفت ”از سکنہ عظیم آباد بود“ لیکن سفینہ خوشگو میں ہے کہ ”از مدتے در عظیم آباد ماند“۔ غالباً وہ اوائل عمر میں اپنے والد کے ساتھ دہلی سے پٹنہ آئے۔ ان کے بھائی حکیم چند دلی ہی میں رہے۔ ایک اور اُلفت تھے۔ منشی منگل سین۔ باشندہ عظیم آباد۔ قوم کا ستھ شاگرد جرات۔ دوسرے تھے ’اُلفت‘ راجہ پیارے لال۔ دہلی سے عظیم آباد آئے۔ منگل سین کا شعر ہے۔

ہر قدم پر بیاں تنک آنے میں سو سونا زہیں  
کیونکہ گھر جانے لگے شام و سحر دو چار کے

(تاریخ شعرائے بہار ص ۶)

## ہمارا جہ رام نرائن موزوں (متوفی ۱۷۷۷ء)

ہمارا جہ رام نرائن دیوان رنگ لال کے بیٹے اور قوم کا ستھ سری واستوسو تھے۔ اُن کا آبائی وطن سہرام ضلع میں کشن پور موضع تھا۔ تاریخ ہند میں ان کی شہرت ہے۔ مختلف عہدوں پر فائز رہنے کو بعد صوبہ بہار کے نائب ناظم ہو گئے تھے اور عظیم آباد و بہار پر فرماں روائی کرتے تھے۔ ان کی صوبہ داری ۱۱۶۶ھ تا ۱۱۷۷ھ مطابق (۱۷۵۳-۵۴ء) رہی۔ رنگ لال نواب محمد علی وردی خاں مہابت جنگ (۱۱۶۳-۶۴ھ) کے متوسلین میں تھے اور رام نرائن لال تو مہابت جنگ کے پروردہ تھے۔ وہ اپنے والد کی جگہ دیوان بھی رہ چکے تھے۔ لالہ جانی رام نائب صوبہ دار عظیم آباد کے مرنے کے بعد مہابت جنگ نے ان کو یہاں کا صوبہ دار مقرر کیا۔ نواب کے جیتے جی ہمارا جہ کی صوبہ داری میں کوئی خرخشہ واقع نہ ہوا۔ نواب مذکور کے بعد اُن کا نواسہ سراج الدولہ حکمران بنگال و بہار و اڑیسہ ہوا۔ (۱۱۷۹-۸۰ھ)۔ نواب سراج الدولہ کے مختصر عہد میں دربار اور قلمرو کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ہر طرف تعیش، افسر پر داری اور سازشوں کا بازار گرم تھا۔ کلاپو، ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے فریب، جہل سازی، دجل و مکر میں لگا ہوا تھا۔ سلطنت دہلی کمزور ہو کر شکست و ریخت اور بغاوتوں کا شکار ہو رہی تھی۔ انگریز ہر طرف لوٹ چارہے تھے۔ اور سلطنت

۱۔ سفینہ خوشگو، تذکرہ ہمارا جہ رام نرائن موزوں۔ از ہندو بن داس خوشگو۔ تاریخ شہزادے بہار، ج ۱ ص ۵۷



یہ قبضہ کرنے کی تاک میں لگے ہوئے تھے۔

جب سراج الدولہ نے والی پورنیہ، شوکت جنگ کے خلاف چڑھائی کی تو راجہ رام نرائن لال نے عظیم آباد کی فوج کے ساتھ نواب کی مدد کی۔ نواب سراج الدولہ کامیاب ہوئے۔ اس سے پہلے سراج الدولہ کلکتہ کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی شہزادوں کا قلع قمع کریں۔ انہوں نے انگریزوں کو شکست فاش دے کر فورٹ ولیم پر قبضہ کر لیا۔

کرنل کلابو نے مدراس سے آکر کلکتہ کی شکست کا بدلہ لیا۔ جنوری ۱۷۸۱ء میں کلکتہ پر پھر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ سراج الدولہ نے تاوان دینا قبول کر لیا۔ لیکن کلابو سے پر خاش جاری رہی۔ اس زمانہ میں انگریز اور فرانسیسی بھی برسرِ جنگ تھے۔ نواب کے پاس چند نگر کے شکست خوردہ فرانسیسی افسرینہ گزین تھے۔ کلابو نے اعتراض کیا تو جین لافرانسیسی کو اپنی جماعت کے ساتھ عظیم آباد روانہ کر دیا گیا۔ اُدھر یہ حال تھا کہ میر جعفر کو نواب سراج الدولہ نے فوج کی بخشی گرمی سے نکال دیا تھا۔ اور دوسرے اہل اقتدار بھی سراج سے بیزار تھے۔ کلابو تو نواب کے استیصال کی فکر میں تھا۔ سب نے مل کر سراج کے خلاف دجالی منصوبہ باندھا۔ کلابو مختصر سی فوج لے کر پلاسی چلا آیا۔ نواب کے لشکر کے مقابلہ میں اس کے مخالفوں کا گروہ بہت ہی حقیر تھا۔ لیکن نواب کی فوج اور عمدہ دار میر جعفر کی سازش میں تھے۔ کلابو نہایت آسانی سے کامیاب ہوا۔ (۲۳ جون ۱۷۸۱ء)

نواب سراج الدولہ پلاسی سے نکل کر عظیم آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ راہ میں ایک مکار پیر دانا شاہ نے انہیں ہمان رکھ کر بھی میر جعفر کے داماد میر قاسم کے حوالے کر دیا۔ میر قاسم نے نواب کو میرن پسر میر جعفر کے پاس مرشد آباد بھجوا دیا، جہاں نواب سراج الدولہ، بیدردی سے قتل کر دیئے گئے۔ میرن نے نواب کی ماں، خالہ، بھائی اور معصوم بچے کو بھی قتل کر دیا۔ (۴ جولائی ۱۷۵۷ء)۔ راجہ رام نرائن سراج کی بالکل مدد نہ کر سکے۔ اور جلد ہی انگریزی فوج عظیم آباد میں متعین کر دی گئی۔

پلاسی کے بعد میر جعفر نواب بن بیٹھا۔ کلیا بو نے خوب خوب رشوت لے کر میر جعفر کی مدد کی۔ علامہ اقبال نے اسی جعفر کے متعلق کہا ہے۔ ۵

جعفر از بنگال و صادق از دکن

بنگ ملت، بنگ دین، بنگ وطن

بنگلے میں حکومت قائم ہو جانے کے بعد میر جعفر نے راجہ رام نرائن کو مطیع کرنے کے لئے عظیم آباد دلوئی کے خطوط لکھے۔ یہاں راجہ سندرسنگھ (ڈکاری) اور دوسرے امراء و رؤساء نواب سراج الدولہ کے خون کا بدلہ لینا چاہتے تھے مگر حالات اتنے غیر یقینی تھے کہ راجہ موصوف نے کوئی کارروائی نہ کی اور اپنے حفظ و بقا کے لئے ساز باز کرتے رہے۔

میر جعفر ۱۷۵۷ء میں عظیم آباد آیا اور چند دن عیش و عشرت میں بسر کئے۔ اُس نے راجہ رام نرائن سے صوبے کے مداخل کا محاسبہ کیا۔ مگر راجہ نے برطرفی

کے ڈر سے پہلے ہی کلاہیو کی مدد حاصل کر لی تھی، لہذا پچ گئے۔

۱۱۷۵ھ میں شاہزادہ عالی گوہر (جو بعد کو شاہ عالم بادشاہ ہوا) نے غلام آباد پر حملہ کیا۔ شاہزادے کے آنے سے راجہ رام نرائن بہت گھبرائے۔ وہ شکنجے میں گرفتار تھے۔ ایک طرف میر جعفر اور انگریز تھے۔ دوسری جانب شاہزادہ عالی گوہر ولیعہد سلطنت۔ انہوں نے انگریزی فوج متینہ عظیم آباد کے افسر بھجر کوٹ سے بھی مشورہ کیا۔ اور شاہزادے کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔ اُس طرف میر جعفر اور کلاہیو کی فوج راجہ رام نرائن کی کمک کو آرہی تھی۔ یہ معلوم کر کے راجہ رام نرائن قلعہ بند ہوئے۔ اور لڑنا شروع کیا۔ شاہزادے کی مدد میں محمد قلی خاں صوبہ دار الہ آباد تھے۔ اُن کی غیبت میں شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ نے قلعہ الہ آباد پر قبضہ کر لیا اور اس گھبراہٹ میں محمد قلی خاں عین دورانِ جنگ عظیم آباد، الہ آباد کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور شاہزادہ عالی گوہر نے لڑائی ملتوی کر دی۔

شاہزادہ عالی گوہر عالمگیر ثانی کے بعد شاہ عالم کے لقب سے بادشاہ ہندوستان ہوئے۔ لوگ میر جعفر اور اُس کے بیٹے میرن کی حرکات سے بیزار تھے، انہوں نے بادشاہ کو دوبارہ حملہ پر ابھارا۔ راجہ رام نرائن سے دوبارہ لڑائی ہوئی۔ گھمسان کارن پڑا۔ پکتان کا کرین راجہ کی مدد کر رہا تھا۔ اس لڑائی میں کامگار خان نے راجہ کے ہاتھی سے اپنا گھوڑا ملا دیا، اور اتنے تیر اور نیزے مارے کہ راجہ کو اپنی دانست میں مار ڈالا۔ لیکن راجہ رام نرائن نے زخمی ہو کر ہودج کے اندر اپنی جان بچائی۔ اس جنگ میں انگریزوں اور

راجہ کو شکست فاش ہوئی۔ مگر بادشاہ نے گرفتاروں کو ازراہ نوازش معاف کر دیا۔ بعد ازاں بادشاہ نے بنگالہ کا رخ کیا۔ شاہ عالم بادشاہ ننھوڑی دور ہی گئے تھے کہ میرن اور انگریزوں کی فوج سے مقابلہ ہو گیا۔ انگریزی فوج نے شاہی فوج کو توپ خانہ سے پسپا کیا۔ بادشاہ عظیم آباد کی طرف واپس ہو گئے۔ یہاں کا رنگ پھر دگرگوں ہو چکا تھا۔ راجہ رام نرائن اور راجہ شتاب رائے انگریزوں سے مل گئے۔ ننہ۔ قلعہ عظیم آباد کا پھر محاصرہ ہوا اور شہر فتح ہوتے ہوتے رہ گیا۔ انگریزوں کی کمک پہنچی۔ شاہی فوج پیچھے ہٹ گئی۔ (۲۹ اپریل ۱۷۶۶ء)۔ لیکن جب خادم حسین خاں فوجدار پورنیہ عظیم آباد کے سامنے گنگا کے اُس پار اپنے نو راجہ رام نرائن کھل کر جنگ کرنے سے گریز کرتے رہے۔ اُنھوں راجہ شتاب کو بھی کپتان ناکس کا ساتھ دینے سے منع کیا۔ تاہم شتاب رائے نے کپتان مذکور کا ساتھ دیا، دریا پار جا کر جنگ کی اور کامیاب ہوئے۔

میرجعفر کی معزولی کے بعد میر قاسم کو انگریزوں نے بنگال، بہار و اڑیسہ کی سند نظامت پر بٹھایا۔ (۱۷۶۴-۱۷۶۵ء)۔ اس زمانہ میں انگریزوں نے شاہ عالم بادشاہ سے صلح کی۔ ہماراج شتاب رائے یچ میں پڑے اور بادشاہ نفیس نفیس شہر عظیم آباد تشریف لائے اور انگریزی کوٹھی میں تخت نشینی کا انتظام ہوا۔ میر قاسم ناظم بنگالہ نے بھی حاضر ہو کر نذریں گزاریں۔ راجہ رام نرائن بھی شرف یاب ہوئے۔

بادشاہ کے تشریف لے جانے پر میر قاسم نے راجہ رام نرائن سے صوبے کے محاصل کی حساب طلبی شروع کی۔ بعض خیانتوں کا پتہ چلا۔ راجہ صاحب قید کر دیئے گئے۔ سات لاکھ روپے اور جنس گھر سے برآمد ہوئی۔ دوسری مجربین بھی مجبوس ہوئے۔ راجہ شباب رائے بھی پلیمٹ میں آئے۔ وہ بے قصور تو ثابت ہوئے مگر انگریزی کونسل نے انہیں میر قاسم کی حکومت سے نکل جانے پر مجبور کیا۔ میر قاسم نے ان سے عظیم آباد کی دیوانی اور رہتاس کی قلعہ داری لے لی۔

تھوڑے ہی دنوں میں نواب میر قاسم عالی جاہ کی انگریزوں سے بگڑ گئی۔ وہ انگریزوں کی دخل اندازی، بے عزتائی، بددیانتی، غارتگری اور غلامی کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ لیکن خود ہندوستانی اُمراء انگریزوں سے سازش کر رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میر قاسم کی مقصد برآری نہ ہو سکی اور وہ نامراد پریشاں حال و تباہ ہوئے۔

نواب عالی جاہ نے راجہ رام نرائن وغیرہ کو پہلے سے قید کر رکھا تھا۔ انگریزوں سے سخت لڑائی ہو جانے اور پھپھیدگی و سازش بڑھ جانے سے حالات خراب تر ہو گئے۔ میر قاسم عالی جاہ مونگیر سے عظیم آباد کی طرف فرار کرنے ہوئے آ رہے تھے انہوں نے باڑھ کے قریب پہنچ کر مجوسین کو غرق دریا، یا قتل کرا دیا۔ راجہ رام نرائن کے گلے میں ریت سے بھرا گھڑا باندھ کر انہیں گنگا میں ڈبا دیا گیا تھا۔ یہ واقعہ

راجہ رام تران فارسی میں خوب کہتے تھے۔ ان کا مطبوعہ دیوان فارسی میں موجود ہے۔ شیخ علی حزیں کے شاگرد تھے۔ حزیں علیہ السلام میں اصفہان میں پیدا ہوئے ۱۱۶۶ھ میں دہلی آئے اور ۱۱۸۵ھ میں بنارس میں انتقال کیا۔ راجہ صاحب ان کی مدد بھی کیا کرتے تھے۔ راجہ رام تران ریختہ بھی بہت صغائی سے کہتے تھے۔ لیکن اس زبان میں انہوں نے بہت کم شعر لکھے ہیں۔ میرسن نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے سراج الدولہ کے قتل پر صرف ایک شعر اردو میں کہا تھا اور بس۔ لیکن اور تذکروں میں دوسرے اشعار بھی ملتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں :-

غزالان تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی  
دوانا مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری (گزارا)  
(تذکرہ میرسن)

کچھ گرائی نہیں مجھ کو وہ ستم گار کے ساتھ  
دل گھیل چو ہی پڑا اشک سبک بار کے ساتھ  
(چمنستان شعراء)

ابر ہوگا تو خجالت سبقتی پانی پانی  
ممت مقابل ہو مرے دیدہ خونبار کے ساتھ  
(تذکرہ گلزار ابراہیم)

تاریخ شعرائے بہار بلخی میں آخری شعر کو یوں لکھا ہے :

۷ ابر تو خود ہی خجالت سے ہے پانی پانی

کب مقابل ہو مرے دیدہ خونبار کے ساتھ

معلوم ہوتا ہے کہ ”کے ساتھ“ کی ردیف اور ”ستمگاری“ سب بار ”خونبار“ وغیرہ توانی میں پوری غزل موزوں نے لکھی تھی۔

ایک اور شعر موزوں کا ہے ۷

بھولی نہیں ہے مجھ کو بتوں کی ادا ہنوز

دل کے نہیں نقش ہے نامِ خدائے ہنوز

(تایخ شعرائے بہار، ص ۶)

یہ افسر حسن عسکری صاحب کو پٹنہ سیٹی کی ایک قلی بیاض سے موزوں کا

مندرجہ ذیل دوہہ ملا ہے۔

جب میر قاسم راجہ رام نرائن کے باغ میں خیمہ زن ہوئے، اور ان کے

فوجیوں نے باغ کے درختوں کو نقصان پہنچانا شروع کیا، تو موزوں نے

برجستہ ایک ہندی دوہہ کہا ۷

امبا اُمرت پہل دیت ہیں سدا رہت ہیں مون

ناہرتے ناہرے باگ بیرتے کون

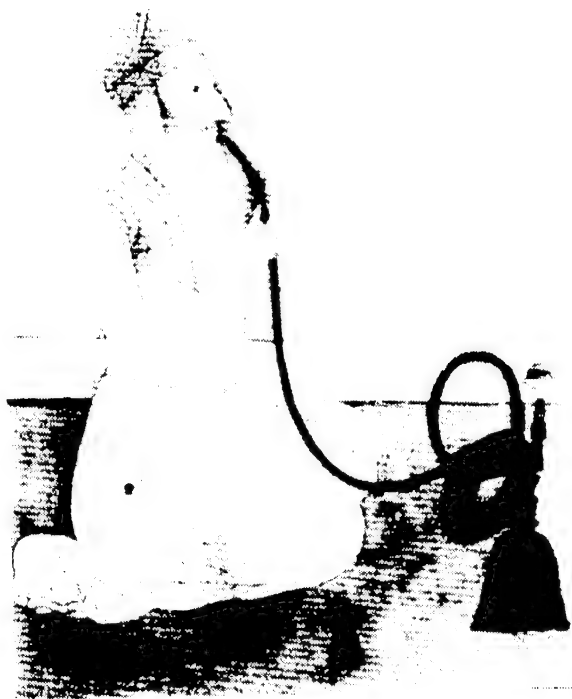
جس وقت راجہ رام نرائن موزوں کو گنگا میں غرق کرنے کے لئے

کشتی پر بٹھا کر لے جانے لگے، تو انہوں نے مندرجہ ذیل اشعار

پڑھے :-







موزیوں کے قول پر ہرگز نہ کیجئے اعتبار  
 چونک اگر مٹی ملے تو بھی لہو پیتی رہے  
 چادرِ تقدیر کی ہرگز رُو ہوتی نہیں  
 تا قیامت سوزنِ تدبیر گرسبتی رہے  
 بُلبُل بے درد کو مطلب ہے کیا پروانے سے  
 وصل میں مر جائے یہ، وہ ہجر میں جیتی رہے

یہ اشعار بھی برافسر حسنِ عسکری صاحب کو مذکورہ بالا بیاض میں منقول ملے ہیں۔  
 غالباً یہ اشعار موزوں کے نہیں سودا کے ہیں، جو موزوں کے حسب حال ہو گئے تھے۔

## شاہ آیت اللہ جوہری و مذاقی

(۱۲۶۱ھ تا ۱۲۸۱ھ)

حضرت غلام سرور، المعروف بہ شاہ آیت اللہ پھلواروی اُردو اور فارسی دونوں  
 زبان میں شاعری کرتے تھے۔ ان کا فارسی میں رُشورُش، تخلص تھا۔ گارسانِ دُناسی  
 غالباً غلطی سے سُوزش لکھتا ہے۔ آپ مولانا شاہ محمدِ مَعْرُوم کے بیٹے اور  
 جانشین تھے۔ ۱۲۸۳ھ میں اپنے والد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔

صاحب دیوان فارسی تھے۔ ”جوہری پھلواروی کا مختصر حال و کلام شورش و عشق کے تذکروں میں ہے۔ لیکن مفصل حال اور وافر کلام حکیم محمد شعیب صاحب نے اپنے تذکرے میں دیا ہے۔“ جوہری کا اُردو کلام جو اب دستیاب ہوتا ہے۔ اس میں مثنوی، مرثیہ، منقبت، شر آشوب، اور قصیدہ ہے۔ مثنوی میں جوہری تخلص برتا ہے۔ اور مرثیہ میں مذاقی۔ فارسی دیوان، جس میں تخلص شورش ہے، کلکتہ ایسٹرن لائبریری میں موجود ہے۔ ۵

گردش چشم بتان گردش جام ست اینج  
غیر ازین بادہ دگر بادہ حرام ست اینج

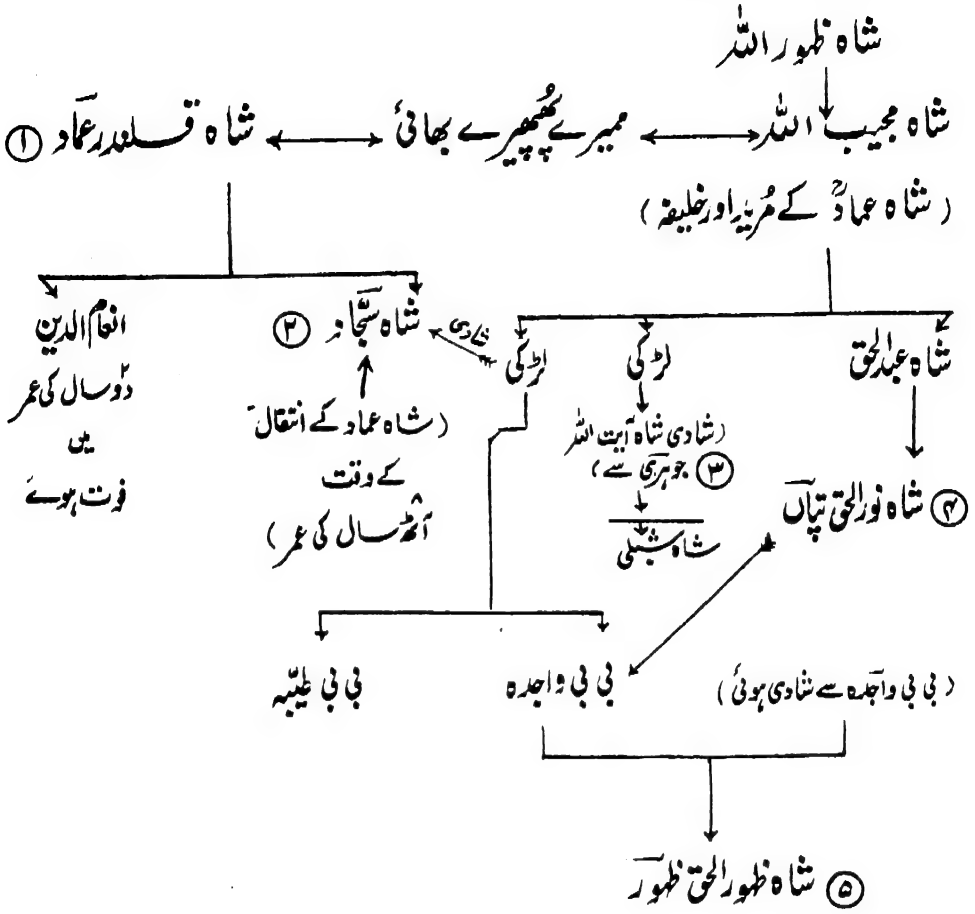
گر نید ملایک ہمہ بر حالت شورش : گر نیم شبے آہ بہ گردون رود از دل  
شاہ آیت اللہ حضرت شاہ مجیب اللہ پھلواروی کے داماد تھے۔ اس طرح اول الذکر شاہ سجاد پھلواروی کے ہم زلف ہوئے۔ پھلواروی شریف کے شعراء کا ایک ’سلکِ مردارید‘ ہے۔ یہ سب ایک لڑائی میں پروئے ہوئے ہیں۔ روحانی تعلق کے علاوہ ان کے جسمانی رشتے بھی ہیں۔ کبھی کبھی ان کے درمیان چشمیں بھی چلتی تھیں۔ مثلاً :-

شاہ نور الحق تپاں، جو شاہ سجاد کے داماد تھے، اور غلام مخدوم ثروت، جو شاہ آیت اللہ کے شاگرد اور خلیفہ تھے، ان دونوں کے درمیان چشمک

۱۔ ’بہار کی اُردو شاعری‘: قاضی عبدالودود، صدائے عام۔ عید نمبر ۱۹۵۳ء، ص ۱۵ +

۲۔ تجلیات الادوار، تذکرہ شیوخ بہار +

چلتی تھی - ملاحظہ ہو ذیل کا سلسلہ :



شاہ نورالحق تپاں بھی اپنے بھوپہا شاہ آیت اللہ جوہری سے فارسی میں اصلاح لیتے تھے اور ان کے شاگرد تھے۔

پرافسر حسن عسکری صاحب، صدر شعبہ تاریخ، پٹنہ کالج نے شاہ آیت اللہ جوہری کی "مثنوی گوہر" کا انکشاف کیا اور رسالہ اردو، دہلی، اپریل ۱۹۴۳ء میں ایک تفصیلی مضمون مثنوی کے متعلق سپرد قلم فرمایا۔ مثنوی گوہر جوہری کا ایک قلمی نسخہ پرافسر موصوف کو اپنے ایک ہندو شاگرد کے ذریعہ حاجی پور کے علاقہ سے ملا تھا۔ پھلواری شریف

میں کوئی نسخہ اب تک غائب نہیں ملا۔ ۱۹۵۴ء میں پرافسر عسکری صاحب نے اور  
میں نے ایک نامکمل نسخہ قلمی، مثنوی گوہر جوہری، کا شاہ مجتبیٰ احسن صاحب کے کتب خانہ  
بہار شریف میں دیکھا تھا۔ عسکری صاحب کا نسخہ فی الحال پٹنہ یونیورسٹی لائبریری،  
شعبہ مخطوطات کی ملکیت ہے۔ ۱۹۶۰ء میں عسکری صاحب کا یہ خیال تھا کہ بجز  
دیوان فارسی اور مثنوی گوہر کے شاہ آیت اللہ کا کلام مفقود ہے۔ لیکن اکتوبر  
۱۹۵۱ء میں مجھے اور پرافسر عسکری صاحب کو پھلوری شریف کے متقدم قلم مراٹی  
ملے جس میں شاہ آیت اللہ کے مراٹی بھی ہیں۔ بعد ازاں حکیم شعیب صاحب  
مرحوم سے مجھے شاہ آیت اللہ کی ”شہر آشوب“ کی نقل بھی ملی۔

شاہ آیت اللہ بقول صاحب تذکرۃ الصالحین، شوال ۱۱۲۶ھ کو پیدا ہوئے۔  
قصہ بین میں زندگی کے ابتدائی ایام گزارے، بنارس بھی گئے۔ سیروساحت کا  
شوق تھا۔ حضرت شاہ مخدوم کے سجادہ نشین ہوئے۔ چوراسی برس کی عمر میں بتاریخ  
یکم رجب روز سہ شنبہ ۱۲۱۰ھ کو انتقال فرمایا۔ آپ کے بعد آپ کے بیٹے شاہ شبلی  
سجادہ نشین ہوئے۔ تذکرۃ شورش (میر غلام حسین شورش عظیم آبادی) میں  
لکھا ہے :

”مولوی آیت اللہ جوہری تخلص۔ متوطن پھلوری۔ شاعر فارسی

۱۔ ملاحظہ ہو ”بہار کے اردو مراٹی“، از اختر اورینوی، سالنامہ ساقی، کراچی، ۱۹۵۲ء

۲۔ صاحب تذکرۃ الصالحین اور حکیم شعیب صاحب مرحوم نے منہجہ بالاتاریخیں ہی درج کی ہیں +

۳۔ برٹش میوزیم، فروریو ۳۵۔ اس تذکرہ کا فوٹو اسٹیٹ پٹنہ یونیورسٹی لائبریری میں آگیا ہے۔

است۔ صاحب علم و فضل۔ درویشِ مکمل۔ مزاجِ عالیشان سوئے ریختہ  
میلِ تمام دارد۔ از دوست :

لگایا عشق نے آجھ دلِ بیتاب میں آتش  
کہ دے ہر جون ہوؤں۔ بوتہٴ سیلاب میں آتش

تذکرہٴ عشقیِ عظیم آبادی ( شیخ محمد وجہہ الدین ) میں درج ہے کہ :  
”جوہری تخلص، اسمش مولوی آیت اللہ۔ مردے فاضل از بزرگان  
نفسہٴ پھلوار سیست۔ پیشتر فکرِ مرثیہ و سلام ہندی می کرد۔ و در  
مقطع مرثیہ مذاقی و در غزل فارسی شورشِ تخلص می آورد۔ گاہ گاہ  
بہ نظم پرداز سی ریختہ نیز جوہر طبع خود بہ عنوان فاضلان آشکارا می  
ساخت .. . . .“

عشقی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ آیت اللہ نے پہلے مرثیہ و سلام  
میں طبع آزمائی کی ہے۔ لہذا میں مراثنی کی مثالیں پہلے پیش کروں گا۔ اور بعد ازاں  
مثنوی سے حوالے درج کروں گا۔ میں فاضل عبدود صاحب کی اس رائے  
سے متفق ہوں کہ : ”اُردو غزلیں انہوں نے غالباً بہت کم لکھیں“ فارسی غزلوں  
میں تو وہ صاحب دیوان تھے +

ہمیں خانقاہ سلیمانہ (چھوٹی خانقاہ) سے مراثنی کی ایک قلمی کتاب ملی۔ یہ  
کتاب مجلہ ہے اور اس میں صوفیائے پھلوار سیست کے مرثیہ درج ہیں۔  
شاہ آیت اللہ کا حسب ذیل مرثیہ اسی مخطوطہ سے لیا گیا ہے :

# مرثیہ بُرہان قدیم از استاد کل حضرت شہید محمد آیت اللہ قدس سرہ منجلیں مذاقی

(۱)

آل بنی نہیں جینے پایا ہائے حُنین بیدیسی پنتی  
کٹا بتول و علی کا جایا ہائے حُنین بیدیسی پنتی  
تین ستم کو تن پر کھایا ہائے حُنین بیدیسی پنتی  
خنجر سے گردن کٹوایا ہائے حُنین بیدیسی پنتی

(۲)

تن کو سر سے ہے نہ پہرا و اسراوس تن سے دور ہر دور  
سرنیزہ پر جھوم رہا ہے تن مانٹی میں گھاؤ سے چور  
ہائے بنی کا حاصہ تو اسارا وائے بتول علی کا بلور  
کیا کیا ظلم نہ اوس پر آیا ہائے حُنین بیدیسی پنتی

(۳)

بعد شہید ہونے سرور کے غمہ زچ در آیا قاتل  
لو ہو بہرا و و خنجر بُران کف میں لے چمکایا قاتل  
گہر میں اساسا جو کچھ پایا پیا دوں سے لٹوایا قاتل  
سب نسوات سے نالہ بر آیا ہائے حُنین بیدیسی پنتی

(۴)

قتل کتیں عابد کے ہے ہے جب قاتل نے ارادہ کیا  
 اوس بیمار کے سر کٹنے کو جب کہ تعین پیادہ کیا  
 خواہی خواہی غصہ ہو کر قتل پہ زور زیادہ کیا  
 پہو پسی نے اوسکو روک بچایا ہائے حسین بید یسی پنتی

(۵)

اہل حرم کے مقتل اوپر جس دم ہائے سواری آئی  
 لاش کے پاس آئی سب بی بی نے غم کی ماری آئی  
 خاص کہ دو بہنیں سرور کی کرتی نالہ و زاری آئی  
 بے بانو کو غم نے رولایا ہائے حسین بید یسی پنتی

(۶)

بہن حسین کی روئے زینب بی بی زہرا جی کی جانی  
 آنکھ سے بوندیں ٹپک گرت ہے مانو ساون کہیں برسانی  
 لاش کے نال کھڑی وہ روئے ہائے بھائی ہائے بھائی  
 مٹا بہن کے سر کا سایا ہائے حسین بید یسی پنتی

(۷)

اور کلثوم حسین کی خواہر روئے کاندے پیٹے پچھڑے  
 کوئی نہ بکیں کا حامی ہے کون کرے مظلوم کی پچھڑے



کوفی شامی کٹھن کھڑ ہے کہاں ایہوں کو دیا اور چہرے  
کب نر موہے کو موہ اور مایا ہائے حُسن بید یسی پنتی

(۸)

روئے بانو شاہ کی بی بی ہائے رے سبیاں ہائے رے سبیاں  
توجتیا اور میں مرجاتی رہتی جگ میں تیر سی نیان  
ہوں قربان اور صدقے واری چٹھی مڑی تو پرگیان  
آہہ بن میں سبیں کٹایا ہائے حُسن بید یسی پنتی

(۹)

رَن ہے ڈرو نا بن ہے ہونا کوئی نہیں ہے ہیت اور سنگی  
دُرجَن کی سینا ہے بہاری چار و دس سب فوج ہے جنگی  
بچے پایا سے ہوک مر ت ہیں پانی کا ٹکڑا دانے کی تنگی  
یہاں میں اپنا مول گنوا یا ہائے حُسن بید یسی پنتی

(۱۰)

کون سُنے ہے تہا ہمار و کا سے کہیوں دُکھ کی کہانی  
اے میرو کنت اور اے میرو بالم تو رسی صورت خاک سمانی  
اے میرو جانی اے میرو جانی اے میرو جانی اے میرو جانی  
دُرجن مو سے توہ چھوڑا یا ہائے حُسن بید یسی پنتی

(۱۱)

ہوں میں اپنے نصیب کی کوئی پہوٹی کیا کہو نہیں قسمت کی خوبی  
 جی جینے سے ناک پر آیا گل میں سانس رو کی میں ادبی  
 جہ مورت سے چاند لجاتا سو صورت لو ہو میں ڈوبی  
 کاٹ گلا لو ہو سے نہلایا ہائے حسین بیداری پنتی

(۱۲)

جلو کس پر چھوڑ گئے ہو تم ہوئے جا فردوس کے باسی  
 عور نے نمکو پلایا پیالا میں رہی ویسی ہی ہو کی پیاسی  
 تم بن کون کہہ یا لیوے تو میرا والی میں تیری داسی  
 خلد برین میں جا گھر چایا ہائے حسین بیداری پنتی

(۱۳)

رہا نہ والی کوئی سر پر ہم بیکس کا حال بت رہے  
 دیکھیں آگے کیا پیش آوے دشمن کا اب خوف و خطر ہے  
 لاش پڑی ہے خاک کے اوپر کفن جدا لو ہو سے تر ہے  
 غسل شہید نے خون سے پایا ہائے حسین بیداری پنتی

(۱۴)

کاسے کھئے کون مٹنے ہے کوئی غمخوار نظر نہیں آوے  
 اے میرے سیبیاں تیرا جنازہ کون مدینہ لے پہونچائے  
 گور کندا کر لحد بنا کر جد کے روضہ پاس گرٹا وے

یہاں ہے دشمن کا ہمسایا ہائے حسین بیدریسی پنتی

(۱۵)

ٹپک ٹپک کر گرتے آنسو لاش کے جاتی واری پیری  
تو میرا مولا تو میرا خاوند میں تیری باندی میں تیری چیری  
کیا کروں بس بوسائی نہ اپنا ہوں بے بس میں دکھ کی گہری  
درد نے مج کو آگہرایا ہائے حسین بیدریسی پنتی

(۱۶)

دیکھ آ اپنا نور و دیدہ جس کو کچھ نہیں تاب تو اں ہے  
گل میں اوس کی طوق پڑی ہے دو نوپاؤ نہیں بند گراں ہے  
حفظ خدا ہی اوس کو بچا وے پیچھے کی اُمید کہاں ہے  
بچی کو تیری کلپایا ہائے حسین بیدریسی پنتی

(۱۷)

قتل کو اوس کے کوئی دہراوے غضب سے دیکھ آنکھ نکالے  
یتیم علم کئے ہے کوئی کوئی کف میں تولے بھالے  
ہائے یہ پیارا بیٹا تیرا پڑا ہے کس ظالم کے پالے  
کس شدت میں ہے تیرا جایا ہائے حسین بیدریسی پنتی

(۱۸)

لاش شہید کے گرد بگرد آسب بی بی دکھیا ری روئی

اماں اور پوہیاں کو رونے دیکھ سکینہ باری روئی  
ہائے یتیم وہ بہو کی لڑکی شاہ کی بیٹی پیاری روئی  
چُپ نہ ہوئی وہ گوہلایا ہائے حُبین بیدلیسی پنتی

(۱۹)

کھتی اماں مت رو بیٹی تجھ یتیمی کا دن آیا  
اس بچپن میں تیرے سر سے مٹ گیا بابا جی کا سایا  
بالی لڑکی دولاری کو اب کیوں کر پاؤں بار خدایا  
جس کے باپ نے سر کٹوایا ہائے حُبین بیدلیسی پنتی

(۲۰)

رونے سے وہ چُپ نہیں ہوتی جس رونے سے تڑکے سینا  
جب جب سبکو روتے دیکھے روئے پوکا روکا رسکینا  
اور غذا کچھ بھتی نہیں حاضر خون جگر تھا کھانا پسینا  
تیرا غم کس طرح سے کھایا ہائے حُبین بیدلیسی پنتی

(۲۱)

جاگ پڑی وہ خواب سے جس دم بابا بابا کسکر روئی  
نالہ کرسی بادیدہ پُرنم بابا بابا کسکر روئی  
تازہ ہوا زنداں میں پھر غم بابا بابا کسکر روئی  
ہو گیا نالہ بلند و بکا یا ہائے حُبین بیدلیسی پنتی

(۲۲)

رونے سے خاموش نہ ہوتی شام تک ووروتی جاوے  
 ڈھونڈھے ہے باباجی کو نہ پاوے آپ روئے اماں کو رولاوے  
 دیکھی باباجی کی صورت ایک شب اوس کو خواب جو آوے  
 خواب میں اوس کو آہسلا یا ہائے حسین بیدرسی پنتی

(۲۳)

تھا وہ نالہ ایسا ہساری جس کے سُننے پھٹے کیلجا  
 پر سیردو کی سنگ تہی چھاتی کچھ نہیں سینا اوسکا پسجا  
 اوس دختر کے کمانے کے لئے سر کو طبق میں دھر کے بھیجا  
 تیرا سر کھانے کو آیا ہائے حسین بیدرسی پنتی

(۲۴)

کر کے نظر بابا کے سر کو مرگئی ہائے بیچارسی سکینے  
 بہو کی تھی دیدار پدر کی سیر ہوئی ہائے دولاری سکینے  
 اماں روئی اماں پیٹی ہائے رے ہائے ہساری سکینے  
 غم کے اوپر پھر غم آیا ہائے حسین بیدرسی پنتی

(۲۵)

قصہ غم کا دور دراز ہے کہ مت آگے اس کے مذاق  
 قلم کا دل رقت میں آیا بہت رہا لکھنے کو باقی

روز جزا میں پانی پلانا لے کوثر کے عوض کے ساقی  
نالہ و آہ سے دل بہر آیا ہائے حُسن بیداری پنتی

—۰—

شاہ آیت اللہ مذاقی کا دوسرا مرثیہ حسب ذیل ہے :-

۱۔ جس کا پدر کٹا ہو نہ روئے تو کیا کرے

نن خاک میں پڑا ہو نہ روئے تو کیا کرے

مقتل میں خون بہا ہو نہ روئے تو کیا کرے

نیزہ پہ سر چڑھا ہو نہ روئے تو کیا کرے

جس کا بابا مرگیا چوری کو کھائے حسین

تسکا بیٹا عابدین روت ہے دن رین

۲۔ اماں یتیم خستہ کی بانو شکستہ دل

مُرنے سے شاہدین کے گئی خاک بیچ مل

کیونکر نہ روئے چھاتی پہ غم کی دہری ہو س

جس پر کے دکھ پڑا ہو نہ روئے تو کیا کرے

نینان مون انجوان بہرے بکھرے سبیں کربال

رُوت پی پیالے اوپر مکہ پر انجرا ڈال

۳۔ روتی تھی شہر بانوئے ناچار ہائے ہائے

کرتی تھی آہ و نالہ جس وار ہائے ہائے

کتنی تھی رو بدیدہ خونبار ہائے ہائے  
دیدہ میں خون بہا ہونہ روئے تو کیا کرے

جیسے بن کا پیہرا رٹت رہے پی پی پی  
ویسے میں پی پی پی رٹوں جو لہ گھٹ میں جی

۲ تھی حضرت امام کی دو محترم حرم  
بانو ستم رسیدہ کو کیا کیا نہ تھا الم  
اوڑتا تھا مرغ نالہ کا سینہ سے دمدم  
جس کا کہ شو کٹا ہونہ روئے تو کیا کرے

آگ لگے چہ سیس مون کیسے کل ہو واہ  
جیسے تڑپت لاش ہے ویسے تڑپت یاہ

(صفحہ ۷ مجلد مخطوطات پھلواڑی)

معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرثیہ نامکمل ہے۔ کیونکہ ناقل نے چار صفحات (۹-۱۲) سادہ چھوڑے ہیں۔ کسی وجہ سے مرثیہ مندرجہ بالا کی پوری نقل نہ ہو سکی۔ یہ مرثیہ خاصہ بڑا ہوگا۔ کم از کم سو لہ بند اور نقل ہونے سے رہ گئے۔ شاہ آیت اللہ کا تیسرا مرثیہ حسب ذیل ہے :-

لوٹ یو بنجا را بن میں طمانڈ لدا ہوا سارا بن میں  
ہائے حسین بچارا بن میں بیکس کر کے مارا بن میں

بَن میں کھڑی بخاری رووے      گھر جوٹا گھر باری رووے  
بانو دکھیا بچاری رووے      راول جس کا مارا بن میں

بٹماروں نے بن میں گھرا      لوٹ لیا سب خیمہ ڈیرا  
ہائے حینا راول میرا      سیس بدن سے اتارا تن میں

جو چھارا کبارن میں      لو تھ پڑی ہے کالے بن میں  
جیسے برے مینہ ساون میں      اڑت لہو کا پھارا بن میں

بانو دکھیا کو کے دکھ سے      اکبر کا ہے سوئے ہو سکھ سے  
بیٹھے بچن کچھ بو لو مٹکھ سے      جاگو سا بچھ سکا را بن میں

اکبر ہمارا راج دلارا      اکبر ہمارے نینوں کا تارا  
ہائے رے ہمارا اکبر پیارا      تو ہے کس نے مارا بن میں

زینب دکھیا سوگ کی ماری      لو تھ پہ بھائی کی کرے ہے زاری  
بھائی تم پر زینب واری      اب رہا کون سہارا بن میں



سوگِ بچن کا کوہِ سنو یا رکت سے بھر گئی تالِ تلیب  
یہ لوتھ پڑی ہے بھیٹا بہا سوندی دھارا تن میں

بیری لوگ نے بن میں گھیرا اجڑا دیں مدینہ میرا

{ عطیہ جناب حکیم محمد شعیب صاحب پھلواروی  
مطبوعہ معاصر، پٹنہ - حصہ ۳، دسمبر ۱۹۵۲ء ص ۱۳۳ }

پہلے مرتبہ کے اختتام پر قلمی نسخہ میں یوں لکھا ہے :  
” تمت المرتبہ من تصانیف مولیٰ الموالیٰ استاد کل ادافی و  
اعالی حضرت مذاقی الملقب بشاہ محمد آیت اللہ قدس اللہ  
تعالیٰ سرہ العزیز کتبہا <sup>و علیہ السلام</sup> عفی عنہ ذنوبہ و این مرتبہ در  
۱۳۰۶ھ یک ہزار و دو صد و شش ہجری در تقریر خانہ  
سید فیض علی صاحب علیہ الرحمۃ خواندہ شد و شنیدم کہ در  
خواندن این مرتبہ آثار قبول از گریہ و زاری عام و خاص  
چنان بظہور رسیدہ بود کہ عالی از اندوہ و غم تازی شد  
تا آنکہ مستمعان از غایت حزن بیہوش و حواس بودند“  
(مجلد قلمی نسخہ پھلواروی ص)

ہو سکتا ہے کہ یہ مرتبہ اور قبل کا لکھا ہوا ہو اور ۱۳۰۶ھ میں بھی

اسے پڑھا گیا ہو۔ اگر یہ مرثیہ ۱۲۰۶ھ کا لکھا ہوا ہے تو 'مثنوی گوہر' کے بہت بعد کا ہے (۱۱۶۱ھ)۔ مگر عشق لکھتے ہیں کہ "پیشتر فکر مرثیہ و سلام ہندی می کرد"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ آیت اللہ نے ۱۲۰۶ھ سے بہت پہلے بھی مرثیے اور سلام کہے تھے۔ کیونکہ ۱۲۱۰ھ میں تو ان کا وصال ہوتا ہے۔

اب میں 'مثنوی گوہر جوہری' کا جائزہ پیش کرتا ہوں:-  
مثنوی مذکور ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۸ء کی لکھی ہوئی ہے۔ جوہری کہتے ہیں:

کہا رختہ بیچ یہ مثنوی رکھا نام میں گوہر جوہری،  
کرے جس کی تاریخ کا گریال رتن جوت منکا، سین تو جو نکال  
پیرافسر عسکری صاحب کے حاصل کئے ہوئے قلمی نسخے ۱۱۶۱ھ کی  
ابتداءوں ہوتی ہے:- ۵

تو ہی آپ کر میری ساقی گری کہ مخمور مدت کا ہے جوہری  
اس مثنوی میں جا بجا نا اہل کاتب کی وجہ سے اِلا کی غلطیاں ملتی ہیں۔ جروں  
ایک حد تک پختہ و صاف خط شکستہ میں ہیں۔ اِرولی کاغذ کی چھوٹی تقطیع کے ایک  
سواڑ تالیس صفحے موجود ہیں۔ ہر صفحہ ۱۸ اینچ لمبا اور ۱۴ اینچ چوڑا ہے۔ عموماً ہر  
صفحہ میں ۱۶ سطریں ہیں۔ اوّل و آخر کے ورق غائب ہیں۔ کاتب کا نام اور کتابت  
کی تاریخ معلوم نہ ہو سکی۔ مثنوی میں جو اشعار موجود ہیں ان کی مجموعی تعداد ۲۳۰۱

(دو ہزار تین سو ایک) ہے فیض الدین بلخی صاحب کا قیاس ہے کہ اوّل ورق میں چھ شعر ہونگے۔ اور آخر ورق میں چار شعر۔ پوری ثنوی میں دو بحریں ترتیب وار استعمال کی گئی ہیں۔ بحر متقارب مثمن محذوف الآخر (فولن فولن فولن فعل) اور بحر ہزج مسدّس مقصور العروض والضرب یا محذوف الآخر (مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن یا فولن)۔ جو ہری نے اپنی زبان کو ہندوی اور ریختہ سے موسوم کیا ہے۔

ہن کی بات سن خاموش مت رہ

زبان ہندوی میں ثنوی کہہ

اور ۷ کہا ریختہ پنج یہ ثنوی

رکھا نام میں گوہر جوہری

حضرت جوہری کے ہم وطن معاصرین میں خواجہ امین الدین امین نے ایک ثنوی لکھی جس کے انیس شعر مرزا علی لطف نے 'گلشن ہند' میں نقل کئے ہیں۔ اسی طرح 'گلزار ابراہیم' اور 'گلشن ہند' میں محمد سلیم سلیم عظیم آبادی کا ثنوی در ریختہ مشتمل برساخنہ عجیب واقعہ ناصیہ عظیم آباد "لکھنا درج ہے۔ بعد میں راسخ عظیم آبادی نے ثنویاں لکھیں جو بقول حسرت موہانی بالکل میر کے انداز کی ہیں۔ اس کے بعد چودہویں صدی ہجری کے وسط تک شعرائے بہار نے متعدد ثنویاں لکھیں۔

ثنوی گوہر بارہویں صدی عیسوی کے وسط کی مروجہ زبان کا صحیح اور مکمل نمونہ ہے۔ یہ ایک عہد کی لسانی تکمیل کو آشکار کرتی ہے۔ اس ثنوی کا کوئی نسخہ پھلواری شریف کے کتب خانوں میں نہیں۔ اس کے انکشاف فخر پراسر حسن عسکری صاحب

کو حاصل ہوا۔ ان کے ایک عزیز شاگرد رائے شیوندر بہادر ام۔ اے رئیس وزمیدار  
 قصبہ بھکر ا ضلع مظفر پور نے اپنے بزرگوں کے قیمتی کتب خانہ کا ذکر کیا۔ اور دو تین بستوں  
 میں متعدد کتابیں پٹنہ یونیورسٹی لائبریری میں بچھا دیں۔ انہیں خستہ کتابوں میں شنوی  
 گوہر جوہری دستیاب ہوئی۔

میں نے شاہ مجتبے صاحب بہار شریف کے کتب خانہ میں "شنوی گوہر جوہری"

کا ایک نامکمل قلمی نسخہ دیکھا ہے۔ اس نسخہ میں بارہ ماسہ کا حصہ موجود ہے۔

شنوی گوہر جوہری، مختلف داستانوں پر مشتمل ہے۔ پیش رو داستان کے  
 آخری اشعار بعد میں آنے والی طق داستان کی طرف بلیغ و واضح اشارہ کرتے ہیں۔  
 شنوی کی کہانی روایتی رنگ کی ہے۔ آخری داستان اکبر آباد کے رام راجہ اور  
 کنول دی کی روداد عشق ہے۔ پریشانیوں اور دقتوں کے بعد دونوں کی شادی  
 ہو جاتی ہے۔ شادی کے بعد فراق کا دور آتا ہے۔ اساطھ سے جھٹھ تک کنول دی  
 برہ کی آگ میں تڑپتی رہتی ہے۔ بارہ ماسہ کنول دی کی زبانی پیش ہوا ہے۔ وصل  
 مکرر کے بعد کنول دی بیمار پڑتی اور مر جاتی ہے۔ کنول دی کی چتا کی راکھ سے  
 پھر شعلہ عشق بلند ہوتا ہے۔ اور 'رام راجہ ! رام راجہ' کی صدا آتی ہے۔ رام راجہ  
 اس شعلہ محبت کی طرف بیتا بانہ جاتا ہے اور اس سے ہم آغوش ہو کر بھسم ہو  
 جاتا ہے۔ شنوی کے آخر میں صوفیانہ کیف و حال پیدا ہوتا ہے۔ اور محض  
 روایتی رنگ کی جگہ تخلیقی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ ۵

دکھو کثرت میں وحدت کا تماشا      دو شعلے جو ن ہوا اک شعلہ پیدا

کنول دی بارہ ماسہ میں مختلف پرندوں کو اپنا پیا مہر بناتی ہے۔ مثلاً:  
 ہنم ، کوکلا ، کچن ، سبزک ، سرخاب ، سارس ، کبوتر ، بسنتا ، بلب ، کاک اور  
 طوطا۔ آخرش طوطا کامیاب قاصد بنتا ہے ۔ ۷

اساڑھ آیا لگا بادل گر جئے اندھیری رات میں بجلی چمکین  
 گلن پر برق نیں ہے گا چمکتا راشوقن ستین ہے دل پھڑکتا

گھٹا ساون کی کاری جب پڑی جھوم مرے جی بیچ برہا آکرے دھوم  
 زمین کون ہے قبائے سبز دربر سمن ایسے میں پیو میرے ہیں باہر

.....

پیا بن ہے ہماری سیج سونی ہوئے رہ رہ مجھے دکھ درد دونی  
 پیا کے وصل کی ہوں ایسی بھوکی کہ جوں سورج کے پیچھون سورج موکی  
 کنول ہوں میں کنول دی ہے مرا نام مجھے جل بیچ بن سورج نہ آرام  
 نہ سورج بن ہوں میں آرام وکل میں کھڑی جلتی ہوں نت آنسو کے جل میں  
 اکارت جائے ہے میری جوانی پیا پردیس کیا یہ زندگانی

ارے کاتک کے ایسی دودھ کی رات میں کوا روکے کچن سن مری بات  
 میا بے پر ہوں گی بے بس تو ہے پردار مراقاصد تو چین تجھ پر مرا بھار

.....

دکھاؤں تجھ کو دل کی آگ کیوں کر      کروں میں آہ تو تیرا جلے پیر

گیا پھاگن پڑھا اب چیت سر پر      جلی ہوئی ہماری آگ لے کر

رہا ہے پھول سنبھل آج بن میں      لگی ٹیسو کے دیکھے آگ تن میں

پھری پھرتی ہوں اس گل بن ڈنوا ڈول      کروں کیا لیکے غنچہ کیا کروں پھول  
مرے غم سین کوئی گل چاک دامن      مری حسرت ستیں غنچہ ہے حیران

تجھے تو گر مئی بازار ہے گل      مری آنکھوں میں آتش زار ہے گل  
جلے گا گل لگے گی باغ میں آگ      اے بلبشتابی بھاگ تو بھاگ

ستارے ہو گئے جل کر کے اُخگر      نکلتا ہر سحر خور شید جل کر  
بگولہ جیٹھ کا آتش فشاں ہے      غبارِ خاطر سرگشتگان ہے

لکھوں اس بے وفا کوں کیوں کہ پاتی      بھرا آتی آنکھ اور پھٹتی ہے چھاتی  
لکھوں تو جل کے کاغذ خاک ہوئے      قلم غم سن کے سیناں چاک ہوئے

طوطا کی زبانی کنول دی کو رام راجہ کے آنے کی خبر ملتی ہے ۔  
 مُشاطہ مجھ کو آرائش ہے درکار ہمارا آج کلہ گھر آچلا یار  
 شتابی کرمی زلفوں کو شانناں کہ آتا ہے چلا میرا دیواناں  
 جب آویگا میں دیونگی اسکوں زنجیر نکر تو شانہ کرنیں میں ذرا دیر

آخر کار رام راجہ آن ملا ۔  
 سکھی جس وقت میرا یار آیا اری مُردے نین پھر کر جان پایا  
 سکھی میں کیا کہوں سُکھ کی کہانی پڑا موئے دھنوں میں جا کے پانی

اب کنول دی کی بیماری کا حال سُنے ۔  
 گئی وہ اس قدر نازک بدن صو کہ یک گبرگ کا سو پیرھن ہو  
 نہ چُن سکتی زرخ زلفوں کا دامن گلے میں ہو گئے چوں طوق آصن  
 ایسی نازک ہوئی اور ناتواں حال نظر آتی نہ آئینے میں تمثال  
 نہ آتا لب تلک بھی شعلہ آہ نفس کپتی تھی چوں شمع سحر گاہ

کنول دی کی علالت کے غم سے رام راجہ کا حال زار سُنے ۔  
 پریشان خاطر و آشفۃ اطوار گیا ہو مُضطرب چوں نبض بیمار

سراسیمہ ہوا اور اشک ریزاں      گیا بستر تلک اُنقاں و خیزاں  
 دم آخر وہ شوریدہ تصویر      ہوا معشوق سے جا کر بغل گیر  
 لگی کھنے کہ اے دیوانہ میرا      میں تیری شمع تو پروانہ میرا  
 کوئی ساعت میں آوے گی قیامت      میں جاتی ہوں سدا تو رہ سلامت  
 ترے تبیں دیکھ کر آتی روائی      کہ دیگی اب اجل داغِ جدائی  
 ہوا اس فکر میں میرا جگر آب      کہ دوری کی بجھے کیوں کر کہ ہوتا اب

آخر کار کنول دی کی رُوح پرواز کر گئی ہے  
 اُڑی ہو اور گیا بے آب ہو گُل      پری سا اُڑ گیا شیشے ستین مَل

مثنوی گوہر کا بیشتر حصہ 'بحر ہزج' میں ہے۔ 'بحر مقارب' کا بھی استعمال ہوا ہے۔ مثنوی میں شاعرانہ محاسن قدم قدم پر ہیں۔ منظر نگاری، جذبات نگاری، سوز و درد، محاکات، تخیل، نادر، موزوں اور نفیس تشبیہات اور استعارات کا استعمال یہ سب مثنوی کو پُر تاثیر بناتے ہیں۔

چند پُر تاثیر و نادر تشبیہیں دیکھئے،

مرے جی یچ کیا کیا درد بانٹا      کسی کاٹے گلے کا ہے خراٹا

بھنواں خمدار تیری اے پیالے      لگے ہے ناؤ دریا کے کناے



ترمی یونست ہیں آنکھیں گلابی شرابی ہیں، شرابی ہیں، شرابی

پو نوبت وصل کی اس مہ کے آئی دیا دل کا نگیناں منہ دکھائی

داردات اور کوائف کا لطیف بیان ملاحظہ ہو

ترے آنسو کے تئیں دامن ہے منزل میرا آنسو گرے بر دامن دل  
 کرے ہے تو گریباں درد سے چاک میں جی ہی بیچ جل کر کے ہوئی خاک  
 مرد اور عورت پر غم عشق کا اثر جدا جدا حال پیدا کرتا ہے۔  
 اس نفسیاتی فرق کو کتنے لطیف و نفیس انداز میں پیش کیا ہے +  
 قاضی عبدالودود صاحب کا یہ خیال صحیح ہے کہ ”اس میں افضل کی  
 بکٹ کہانی کے رنگ کے اشعار بکثرت موجود ہیں“ پرافسر حسن عسکری صاحب  
 نے بھی اس مشابہت کو نوٹ کیا ہے۔ یہ مشابہت بارہ ماسہ کے حصہ میں ہے۔  
 مگر افضل جھنجھانوی کا بارہ ماسہ مکمل دستیاب نہیں ہوتا۔ پرافسر محمود شیرانی نے اپنی  
 کتاب ”پنجاب میں اردو“ میں افضل کے بارہ ماسہ میں سے کچھ حصے نقل کئے ہیں :-  
 افضل + جو ہری

گھٹا ساون کی کاری جب پڑی جھوم  
 مے جی بیچ برھا آکرے دھوم

گھٹا کاری اُم چھاتی سون آہی  
 برہون کی فوج نے کینی چراہی

## افضل

پھٹی جَل تھل پھیا سر سبز عالم  
نہیں جُز وصل کا سوکھا نہالم

## جوہری

زمین کون ہے قبائے سبز دربر  
سمیں ایسے میں پیو میرے ہیں باہر

ہندولی جھولتی سبھ نار پہ سنگ  
حد کی آگ فی جا را مرا رنگ

سکھی سب جھولنے پیو سنگ جھولا  
جھولا تا چرخ مجھ کون چرخ ہنڈولا

اندھیری رین جگنوں جگ مگاتا  
اری جلتی اوپر تیں کیا جلاتا

ارے جگنوں کا ایسا جگ گانا  
ہوانیں اس سمئے میں پیو کا آماں

.....  
.....

نہ جگنوں میرے اس دردوں کے ملے  
فلک سے آئے ٹوٹے ہیں ستارے

جوہری کے ہم عصر سجاد پھلواروی، تپاں پھلواروی، راجہ رام نرائن موزوں،  
وغیرہ تھے۔ شیخ محمد روشن جوشش، شیخ محمد عابد دل، خواجہ امین الدین امین، شیخ  
غلام علی حضور، میر غلام حسین شورش، شاہ رکن الدین عشق وغیرہ بھی جوہری کے  
ہمعصر یا قریب قریب ہمعصر تھے۔

اُس دور میں بہار کی ادبی زبان بہت شستہ و صاف ہو چکی تھی۔ لیکن اس

کے باوجود شاہ آیت اللہ کی مثنوی کی زبان پر افضل بھجوانوی کی زبان کا اثر ہے۔  
 بھاشا کا استعمال بھی کثرت سے ہوا ہے اور ساتھ ساتھ فارسی ترکیبیں بھی اسی  
 انداز کی ہیں۔ مثنوی کی زبان فصحا، مزاج اور اسلوب قدیم (ARCHAIC)  
 ہے۔ اس کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ صوفیوں نے مزاجِ ہندی کا بڑا پاس کیا  
 ہے۔ کنول دی اور رام راجہ کے قصہ کی مناسبت کے لحاظ سے بھی ہم آہنگ  
 فصاحتاری کی تکمیل کے لئے بھاشا کا خوب خوب استعمال ہوا ہے۔ یوں تو  
 اُردو کا قدیم نام ہندی ہی ہے۔ خود جوہری کہتے ہیں۔ ط

بہرا ہوں دردِ شعرِ ہندوی مون

جوہری کے مرثیوں کی زبان بھی بھاشا آمیز ہے۔ وہ اُن میں سوز و درد،  
 غم و اہم، رقت و بکا نرم و گداز ہندی لفظوں کی مدد سے ہی پیدا کرتے ہیں۔ ایسا  
 معلوم ہوتا ہے کہ شاہ آیت اللہ کو بھاشا کے عام پسند لفظوں سے ہم آہنگی  
 محسوس ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہ وہ فارسی ترکیبوں سے گریز کرتے ہیں۔ بلکہ فارسی ترکیبوں  
 کے خوبصورت استعمال سے بھی وہ اپنے کلام کو رنگ اور آہنگ عطا کرتے ہیں۔  
 قدامت کا رنگ غالباً افضل کی پیروی کا نتیجہ ہو۔ یا ممکن ہے قدیم رنگ اور  
 روپ مثنویوں کا خاص ذریعہ اظہار بن گیا ہو۔ لسانی خصوصیات کا مختصر تجزیہ  
 حسب ذیل ہے۔

نئی، نہیں، سبب = سے + کون = کو + مون = میں +

گیا = کہا + لیا = کدہوں، کدہیں = کہیں، کبھی + تہین = تہی +

جدہین = جب بھی، یا جب کبھی + دوکھ = دُکھ + لاؤنا = لانا + پاؤنا = پانا +  
 آؤنا = آنا + یو = یہ + نین = نے + گگن = آسمان + پچھوں = پیچھے + مروں ہوں =  
 مَرتا ہوں، مَرتی ہوں + جیونکر، جیونکہ = جس طرح + کرنا = کرنا + وغیرہ وغیرہ  
 نیز:- کیف سے کیفوں، خار سے خماروں، درد سے دردوں، جمع بنا لیتے ہیں۔  
 ’بہنویں‘ اور ’بہنواں‘ یہ دونوں جمع آتی ہیں۔ کلمہ کی جگہ کلمان بہ تافہہ مسلمان  
 بھی لکھتے ہیں۔ ’ر‘ اور ’ڑ‘، ’اوتار‘ اور ’پہاڑ‘، ’دوڑ‘ اور ’پھوڑ‘  
 ’توڑی‘ اور ’پھوری‘ کو ہم تافہہ لاتے ہیں۔ ’ہاے‘ ’ہوز‘ جابجا تقطیع میں گرتی  
 ہے۔ جابجا فارسی فقرے اور مصرعے کے مصرعے ملتے ہیں۔ ’ہوتا ہے‘ کی جگہ  
 ’ہو ہے‘، ’کھاتا ہے‘ کی بجائے ’کھا ہے‘، ’مستعل ہیں‘۔ غالباً یہ بہاری بولی  
 کا مقامی رنگ ہے۔ آج تک بہار میں یوں ہی بولتے ہیں۔ فارسی اضافت کے  
 ساتھ ساتھ ’کا‘ اور ’کی‘ کا استعمال بھی ہوتا ہے۔ گویا دُہری اضافت  
 لگتی ہے۔

اتے = اتنی - باورا = باؤلا - مندر = مندر  
 مغربی پراکرتوں میں جہاں ’ر‘ کی آواز ہوتی ہے وہ مشرقی پراکرتوں  
 میں آکر ’ل‘ کی آواز سے بدل جاتی ہے۔ جیسے ترے تلے، تڑے تلے،  
 مندر = مندر، باورا = باؤلا، بادر = بادل، جراؤ = جلاؤ،  
 کاری = کالی، کر = کل (پہلو) وغیرہ وغیرہ۔ اندھلا = اندھا،  
 سوا = سگلا (طوا)۔ فارسی ’ان‘ سے جمع کی مثالیں زیادہ ملتی ہیں اور پنجابی

اثر کے تحت ”ان“ سے جمع کی مثالیں نسبتاً کم۔ یعنی اسمِ ہندی اور فعلِ ہندی کی جمع ’ان‘ سے کم ملتی ہے۔ مگر ’ن‘ کا اضافہ کثرت سے ملتا ہے۔ بھنوں = بھنویں، باتان = باتیں + کون = کو، سین = سے +

’روپ‘، ’سندر‘، ’سلونا‘، ’پیو‘، ’پیا‘، ’کنت‘،

کچن وغیرہ الفاظ کا استعمال عام ہے۔

اب میں مرثیوں کا لسانی جائزہ لیتا ہوں :-

منہوی کی بُنیادی لسانی ساخت کھڑی بولی کی ہے۔ اس پر صرف قدامت کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ مگر مرثیوں کی زبان ملوان ہے۔ اس کا لسانی ڈھانچہ بیشک کھڑی بولی کا ہی ہے۔ لیکن بیچ بیچ میں اور بولیوں کی لسانی ترکیب نظر آ جاتی ہے۔ مثلاً :

’آل بنی نہیں جینے پایا‘، ’سرنیزہ پر جھوم رہا ہے‘، ’کوئی نہ بیگس کا حامی ہے‘، ’آبیہ بن میں سیس کٹایا‘، ’رن ہے ڈرونا بن ہے ہونا‘، ’کوئی نہیں ہے ہیت اور سنگی‘، ’کاٹ گلا لو ہو سے نہلایا‘، پہلے مرثیے میں کھڑی بولی کی اس دھج کے ساتھ ’آنکھ سی بوندیں ٹپک گرت ہے مانو ساون کہیں برسائے‘ کی ترکیب و ساخت دیکھئے اودھی بولی کا رنگ صاف نظر آتا ہے۔ نیز :

’بچے پیا سے بھوک مَر ت ہیں‘، ’پنجابی اثرات بھی ملتے ہیں۔ مثلاً : لاش کے نال (ساتھ) کھڑی وہ روئے‘، ’کون کرے مظلوم کے پچھ رے‘،

وغیرہ۔ زبان میں بھاشاؤں کے استعمال کے باوجود ریختہ پن موجود ہے۔ عربی و فارسی الفاظ اور بھاشاؤں کے شبدوں کے استعمال میں توازن پیدا کیا گیا ہے۔ مثلاً :

’تم بن کون کھیریا (خبر) لیوی...‘

اب دوسرے مرثیہ کا لسانی تجزیہ کیجئے :-

اس مرثیہ کی ترکیب مُسَدَّس کی ہے۔ ہر بند کے پہلے چار مصرعے کھڑی بولی میں ہیں اور اس میں ریختہ پن نمایاں ہے، چوتھے اور پانچویں مصرعے بلوان بولی میں ہیں اور ان میں بھاشاؤں کا رنگ گہرا ہے۔ ان ٹیپوں کی زبان پر اودھی بولی کی چھاپ زیادہ ملتی ہے۔ مثلاً :

جس کا پد رکٹا ہونہ روئے تو کیا کرے

تن خاک میں پڑا ہونہ روئے تو کیا کرے

مقتل پہ خون بہا ہونہ روئے تو کیا کرے

نیزہ پہ سر چڑھا ہونہ روئے تو کیا کرے

جس کا بابا مر گیا چھوڑی کو کھائے حسین

تسکا بیٹا عابدین روت ہے دن رین

اماں یتیم خستہ کی بانو شکستہ دل

مرنے سے شاہدیں کے گئی خاک یزید دل

کیونکر نہ روئے چھاتی پہ غم کی دھری ہوسل

جس پر کہ دکھ پڑا ہونہ روئے تو کیا کرے

نیناں مون انجوان بہری بکھرے سیس کے بال

رؤت پی پیاری او پرُمکھ ہر انچیرا ڈال

شاہ آیت اللہ کے علاوہ اور متعدد صوفیائے پھلوری شریف نے

اُردو مرثیے لکھے۔ ان کا ذکر آگے آئے گا۔ یہ مرثیے دکنی مرثیوں

سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ قماش بندی میں وسعت و ندرت پیدا کی گئی

ہے۔ شاعرانہ معیار بھی بلند تر ہے۔ واقعہ نگاری، محاکات، جذبات نگاری،

پروازِ تخیل، مصوری، درد و سوز، سادگی، مقامی رنگ اور بھاشا کے برعل و

پُراثر استعمال سے یہ مراثنیٰ حُسن و تاثیر کے محزن ہیں۔ زبان و بیان کی پختگی

سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۰۶ھ سے بھی پہلے پھلوری شریف میں مرثیہ نگاری

ہوئی ہوگی۔ افسوس کہ مجھے اس سے قبل کی بیاض دیکھنے کی سعادت اب تک

نصیب نہیں ہوئی۔

شاہ آیت اللہ کے تذکرہ کے اختتام پر میں ان کی ایک سہرا خوب

درج ذیل کرتا ہوں۔ یہ نظم بھی مجھے پھلوری شریف کے مخطوطات میں

ملی۔ میں اس سلسلہ میں حکیم شعیب صاحب مرحوم کا مسنون کرم

ہوں :-

کہاں ہے دین کی شوکت، گئی کبھر مُسلمانی

کیا ہے کفر نے اس دَورِ مون از بسکہ طغیانِ

قہراب ہیں مسجد محراب جنتے ہیں صنم خانہ  
 نہوئے..... یہ ابلیس کو ہے میر سامانی  
 خدا کا گھر اندھیرا اور چراغِ دیر ہے روشن  
 رواجِ کفر پھیلا مضحل ہے نورِ ایمانی  
 جیدھر دیکھو اودھر تخانہ مونا قوس بجتا ہے  
 سنی مسجد مون کم..... اب گلبانگ اذانی  
 برہمن قشفہ کش توقیر رکھتے ہیں..... زاہد  
 رواج مالا اکثر ہے زرِ رسم سیمہ گردانی  
 سواری لالہ و بابو کی کس بولش سین جاتی ہے  
 کہ صوبہ دار ہندو اور ہے ہندو کو دیوانی  
 مُسلمان کو نہیں توقیر کچھ ہی ان کی مجلس مون  
 سلام اس طور سین لیں سرسین جون کرتے گس رانی  
 درینا پتہ کُفار کا ہے اس قدر بھاری  
 کہ ہیں اب یہ مسلمان سب کم از پانگ میزانی  
 حیثیتِ دین کی نہیں ہی ہے مُسلمانو کو عالم مون  
 نہ ہے غیرت نہ ہے عار و نہ ہے ننگِ مُسلمان  
 ہراک کافر کو ہے سُر موانا الدجّال کا دعویٰ  
 نہ عیسیٰ چرخ سے اوترے مٹے جو کفر کے بانی



نہ ہمدی آتے جو یہ کفر سب رسمار ہو جاوے  
 چرخ کشتہ اسلام ہر گھر ہوئے نورانی  
 جہاں اب قاف سے ہے قاف تک ظلمت کردہ سارا  
 کہ دو دظلم سے روزے شبِ دیبجو نہ ظلمانی  
 مگر زلفِ پری رویان کو گھرے خوابِ مون دیکھا  
 کہ کرتی ہے درو دیوار سے بارش پریشانی  
 رباب وچنگ سے جاسوز تر ہے آہِ مظلوماں  
 ہوا بیشہ نیستان اور دلِ عالم نیستانی  
 رگیں نالاں تر ہیں تارِ رباب وچنگ برست سے  
 کہ دستِ گوشمال چرخ سے عالم ہے افغانی  
 ہو گوشِ فلک کا کردِ فغان داد خواہاں سے  
 نہ کھولے کان گل کا نالہ ہائے مرغِ شبانی

.....

.....

جہاں سے اٹھ گئی ہے اے عزیز و خیر و برکت سب  
 گئی ہر و محبت اور بڑھی ہے حرصِ جوانی  
 نہ شفقتِ باپ کو بیٹے سے نہ مادر کو دختر سے  
 حدِ بھائی کو بھائی سے کہاں ہے دردِ اخوانی

تقاعنت ہے کہاں عالم مون اب غنقائے مغرب ہے  
 لجالجت اور سماجت کی پیٹ ہے گرم دُکّانی  
 دہانِ مردم دانا کھلا رہتا ہے فاقہ سے  
 جو ناداں ہیں اونھوں کی ہے کرمون زراہمیانی  
 بجا ہے صاحب معنی جو نا پُرساں ہو عالم مون  
 کرے کیوں کر کے نادان مرد دانا کی قدر دانی  
 نہیں پوچھے بے کوئی پاکون کو ہرگز اس زمانہ میں  
 موقر ہیں کلوخ و سنگ استنجائے شیطانی  
 کبینوں کی بنی ہے اور بخیبانوں پہ حالت ہے  
 زمانہ منقلب برعکس ہے تاثیر دورانی  
 چمن میں کیوں نہ ترگس سب کی مقبول طباع ہو

.....

میر اور سودا کی شہر آشوبوں کی طرح آیت اللہ کی شہر آشوب سے بھی  
 اُس عہد کی حالت کا پتہ چلتا ہے۔ عظیم آباد و بہار پر اس عجوری و طوفانی دور  
 میں کیا گزری اُس کا کسی قدر حال میں مندرجہ بالا نظم میں ملتا ہے +  
 شاہ آیت اللہ کے مُرید اور شاگرد بہ کثرت تھے۔ چند کا نام حسبِ ذیل  
 ہے :-

سید شاہ وارث علی ، مفتی غلام مخدوم ثروت ، امان علی ترقی ، غلام شبلی

## نور محمد دلدار

قاضی عبدالودود صاحب لکھتے ہیں : ” دلدار کے حال یا کلام سے تذکرے خالی ہیں۔ “ (صدائے عام ۱۸، عید نمبر ۳۵۷ پٹنہ)۔ پرافسر سید حسن عسکری صاحب نے سب سے پہلے دلدار کے کلام کو ڈھونڈ نکالا۔ ان کے مختصر دیوان کا واحد نسخہ بہار ہسٹوریکل ریسرچ سوسائٹی کی ملک ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ شاہ مجیب اللہ صاحب پھلواروی کے مُرید تھے۔ لہذا دلدار شاہ سجاد اور شاہ آیت اللہ کے ہم عصر ثابت ہوتے ہیں۔ ان کا وطن آرہ تھا۔ ایک شعر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ستر سال سے زیادہ عمر پائی۔ مجموعہ کلام میں کم و بیش ۲۴۰ (دوسو چالیس) شعر ہیں۔ اور یہ سب ملتے جلتے اوزان و بحر میں ہیں۔ قاضی عبدالودود صاحب لکھتے ہیں : ” دلدار کے اشعار کی تقطیع عروض عربی و فارسی کی رو سے ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ بہتر ہوگا، اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ عروض ہندی کے مطابق ہیں۔ یہ سوال دوسرا ہے کہ ہندی عروض مقدم الذکر سے متاثر ہوا ہے یا نہیں۔ “ دلدار نے کسی زمین میں دو سے زیادہ شعر نہیں کہے۔ ہر مصرع میں قافیہ ہوتا ہے اور چاروں مصرعے ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں۔ دلدار، صوفی شاعر تھے، ان کے اندر

آفاقی مذہبیت اور وسیع القلب روحانیت پائی جاتی ہے۔ دلدار کی زبان پر  
 بھاشاؤں کا رنگ غالب ہے۔ بہاریت اور مقامی رنگ کی جھلک زبان و بیان  
 نیز تشبیہوں اور استعاروں میں ملتی ہے۔ اس لحاظ سے دلدار کی شاعری کی  
 بڑی اہمیت ہے۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے۔

کھیت کو من کے پریم کے ہل سے جوت کے چوکی درد کی کھینچ  
 گھاس دوئی کی کھود کے ساری کر وحدت کا کا دو کھینچ  
 دانہ یاد کا بوکر اے دلدار فنا کا پانی سینچ  
 ہوگا حاصل بہتر اس کا خلل نہ ہوگا اس کو بیچ

---

جو صورت جدی جدی ہیں اک مائی کے جائے ہیں  
 کھانا دانہ ان سبھوں نے ایک خوان سے کھائے ہیں  
 کوئی مسلمان، کوئی یہودی، کوئی ہنود کھائے ہیں  
 وحدت سے کثرت میں اور دلدار یہ سب .. ..

---

پہلے میا موہ کو چھوڑ کے ہرے مارے تن کو (کڑا)  
 بیم کی آگ لگائے کے اے دلدار جلائے تن کو  
 یاد کی انجن سے پھر روشن دل کے کرے تن رتن کو  
 ایسے جتن سے دیکھے تو تب اپنے مدن موہن کو

جس میں ہوے سکھی بھلا سو کر لے اے مدد ماتا  
 کہنا میرا دل میں تیرے کچھ بھی نہیں سماتا  
 وقت پڑے پر بھائی بیٹا کوئی کام نہیں آتا  
 ہوگا اے دلدار انہوں سے جیتے جی کا ناتا

انہیں چوپائی یا قطعہ یا رباعی کہہ لیجئے - بہ ہر حال کلام منظم، مربوط  
 سادہ، پُر اخلاص اور پُر اثر ہے -

## میر وارث علی نالائے متوفی ۱۱۹۹ھ

علی ابراہیم خاں لکھتے ہیں - ”نالائے عظیم آبادی، میر وارث علی خلیف میر آزادانی،  
 موطنش قصبہ بہارست، اما سکنے در عظیم آباد اختیار کردہ بہ سرداری شبیشہ گران  
 اعتبار دارد۔ جوان سنجیدہ اطوار از تربیت یافتگان مرزا اشرف علی خاں فغانست  
 .... سال وفات ۱۱۹۹ھ ہے۔“

جوشش اس کے وفات کی تاریخ : ”میر وارث علی نالائے“ ہے  
 مطبوعہ گلزار ابراہیم میں، نالائے کے اشعار نہیں۔ لیکن جن قلمی نسخہ سے انجمن  
 ترقی اردو کا شائع کردہ تذکرہ مرتب ہوا ہے اُس میں حسب اطلاع مرتب

۱۔ ”معاصر، پٹنہ، اگست ۱۹۴۱ء ص ۳۸، ۳۷ + ۳۶۔ یہ تذکرہ ”منہ شاہہ شکل میں انجمن ترقی  
 اردو کو طبع سے شائع ہوا ہے۔ دو قلمی نسخے پٹنہ میں ہیں +

پچیس اشعارِ نالآں کے موجود ہیں۔ مندرجہ ذیل اشعارِ کتب خانہ مشرقیہ کے قلمی نسخہ سے نقل کئے گئے ہیں :-

زُلفوں میں جب میں تیری گرفتار ہو گیا      آزادگی کے نام سے بیزار ہو گیا

نالآں اسیرِ زُلف کو آزادگی کہاں      اس سچ میں پڑا سو گرفتار ہی رہا

آغازِ محبت میں اگر جان نہ دیتے      یہ کام کسی طرح سے انجام نہ ہوتا

پو جا کرے ہے جو کوئی دل کو کنشت کا      اے شیخِ معتقد نہیں وہ سنگ و خشت کا

ایک بہ یک شام کو وہ یار جو گھر سے نکلا      لوگ حیران ہوئے یہ چاند کہ صبر سے نکلا

قتل کو تیرا ہی مزاج نہیں      ورنہ میں کب کہا کہ آج نہیں

اے چشمِ رازِ عشق کو افشا نہ کیجیو      ناحق کسی غریب کو رُسوا نہ کیجیو

چین سے بیٹھنے کہیں نہ دیا      مجھ کو میری ہی بدگمانی نے

آنکھیں پُر آب خاک بسر، جیب چاک ہو، نالائ یہ کیا ہوا، تری صورت بدل گئی

کل سے کچھ ہو رہے ہو، برہم سے ایسی تقصیر کیا، موئی ہم سے

کس روز میری خاک پہ تو نے گزر کیا آلودہ کب ہوا ترا دامن غبار سے

## غلام جیلانی محزون پھلواروی

۱۳۸ھ تا ۲۰۲ھ

غلام جیلانی نام - تخلص محزون - پیدائش ۱۳۸ھ - وفات ۲۰۲ھ - غزلیات فارسی میں سرشار تخلص کرتے تھے - فارسی میں صاحب دیوان - حضرت آیت اللہ کے شاگرد - مجھے خانقاہ سلیمانہ سے جو مجلد مخطوطات ملے تھے اُن کی ابتداء یوں ہوتی ہے:

الحمد للہ عالم

”فہرست مراٹے مندرجہ و مرقومہ این کتاب بتیہ اعداد صفحات و نام مصنف

آں بنظر برد آوردن ہر مرثیہ خواستہ باشند بسہولت و آسانی بروقتی عدد صفحہ کہ بالائے آں

۱۔ معاصر پٹنہ، اگست ۱۹۴۱ء - مرتبہ قاضی عبدالودود صاحب +

۲۔ ان تاریخوں کی اطلاع حکیم شعیب صاحب مرحوم کی مرہانی سے ہوئی +

۳۔ کاتب مجید عالم نامی کوئی صاحب تھے - مکتوب (م) ۱۲۶۶ھ کا ہے +

نوشته می آید :-

فهرست مجلد قلمی نسخہ مرآتی پُھلوار سی شریف

- ① شاہ محمد آیت اللہ مذاقی ص ۱ ، ص ۱۱۱ ایضاً ص ۱۱۲ (مرثیہ ۱۲۰۶ھ)
- ② مولوی غلام جیلانی محزون ص ۱۱ (غزل مرثیہ ۱۲۰۶ھ)
- ③ مولانا شاہ عبد الغنی مدظلہ ص ۱۵۱ ، ایضاً ص ۱۵۱ ، ایضاً ص ۱۹ ، ص ۲۳ ، ص ۲۵ ، ص ۲۸ و ص ۲۹ (مرآتی ۱۲۲۱-۱۲۲۲ھ)
- ④ شاہ امان علی ترقی ص ۳ ، ص ۳۶ ، ص ۳۹ ، ص ۴۲ و ص ۴۵ (مرآتی ۱۲۲۵-۱۲۲۶ھ)
- ⑤ مفتی غلام محیوم ثروت ص ۵ (مرثیہ ۱۲۱۲ھ)
- ⑥ شاہ امان علی ص ۵۴ ، ص ۵۵ ، ص ۵۶ و ص ۵۷ (مرآتی ۱۲۲۵-۱۲۲۶ھ)
- ⑦ مولوی احسان علی تودد ص ۶۹ (سلام ۱۲۳۵ھ)
- ⑧ شاہ امان علی ترقی ص ۱
- ⑨ مولوی جواد علی صاحب ص ۴۶ ، ص ۴۹ (مرآتی ۱۲۲۶-۱۲۲۷ھ)
- ⑩ شاہ محمد حسن صاحب وحدت ص ۸۱ ، ص ۸۳ (مرثیہ ۱۲۲۲ھ)
- ⑪ مولوی علی وارث ص ۸۵ (مرثیہ ۱۲۲۲ھ)
- ⑫ مولوی محمد وجیہ ص ۸۷ (مرثیہ ۱۲۳۲ھ)
- ⑬ مولوی سید ابراہیم علی ص ۸۹ (مرثیہ ۱۲۳۴ھ)
- ⑭ مولوی قطب الاولیاء ص ۹۱ (مرثیہ ۱۲۶۱ھ)
- ⑮ مولوی کمال علی صاحب ص ۹۵ (مرثیہ ۱۲۳۴ھ)



(۱۶) مولوی رضی الدین احمد - ۹۶ (مرثیہ ۱۲۶۰ھ)

(۱۷) مولوی محمد طالع مغموم - ۹۹ و ۱۰۱ (مرثیہ ۱۲۲۲ھ)

(۱۸) قاضی غلام حق - ۱۰۳ (مرثیہ ۱۲۲۸ھ)

مندرجہ ذیل نام فرست میں درج نہیں ہیں، نسخہ میں موجود ہیں۔

(۱۹) مرثیہ شاہ غلام شبلی وسعت - ۱۰۴، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵ (مرثیہ ۱۲۳۲ھ)

(۲۰) مولوی سید واحد علی واحد عرف محمد خیراتی، المعروف بہ خیرات علی - خلف قاضی مولوی

غلام قادر - ۱۱۹، (مرثیہ ۱۲۲۳ھ)

(۲۱) مولوی احسان علی تودد - ۱۲۲، - دو اوراق سادہ، ایک ورق غائب -

(۲۲) مولوی محمد علی سجاد - ۱۳۱ (مرثیہ ۱۲۳۹ھ)

(۲۳) مولوی محمد یونس، مرثیہ بہ اصلاح حضرت فرد مدظلہ العالی - ۱۴۳ (مرثیہ ۱۲۳۶ھ)

(۲۴) مولوی جانعلی - ۱۴۴

اکثر و بیشتر مرثیوں پر سنہ تصنیف یا سنہ خواندگی درج ہے۔

محزوں پھلواروی کا نمونہ کلام حسب ذیل ہے

غزل مرثیہ محزوں

پچلا خنجر کٹا جس دم گلا شبیر سرور کا      زمیں لرزی فلک کا نیا اوٹھتا بشور مشر کا

ملے تمت المرثیہ از مولوی محمد یونس مرحوم برادر خورد مولوی فوارش علی صاحب علیہ رحمۃ در ۱۲۳۶ھ یک ہزار

و دو صد و سی و شش ہجری بہ اصلاح استانی و مرشدی حضرت فرد مدظلہ العالی۔

(۱۴۴ - مجلد نسخہ پھلواروی)

۲۷. عزیز و قصہ اندوہ و طو مار جفا کوئی لکھے کیا، غم سے ہوتا ہر گریباں چاک دفر کا  
 ۱۸. ہوا خوشید محشر کا جہاں میں ہر طرف روشن بدن سے کاٹ نیزہ پر رکھا جب سیس سرور کا  
 ۲۲. اگرچہ دست کوتاہی نہیں یہ محزوں بچارا ہر نہ چھوڑے گا قیامت یح دامن سبط سرور کا  
 تمام شد غزل مولوی غلام جیلانی صاحب علیہ رحمۃ متخلص بہ محزوں و درغزلیات  
 فارسی کہ دیوان مرتب شدہ ست تخلص ایشان سرشار بود فقط  
 (قلمی نسخہ مجلد، پھلواری شریف، سنہ تصنیف ۱۲۰۶ھ)

## شیخ غلام یحییٰ قدس سرہ حضور - متوفی ۱۲۰۶ھ

جناب غلام یحییٰ کا شمار عظیم آباد کے مشائخ میں تھا۔ مذہب حقیقہ، مشرب  
 چشتیہ۔ لمبابت میں بھی ہمارت تھی۔ آپ کے مرید و معتقد بہ کثرت تھے۔ آپ  
 شاہ محمد مظہر بن شاہ محمد اظہر کے بیٹے تھے۔ تاریخ وفات ۸ جمادی الثانی روز  
 جمعہ، ۱۲۰۶ھ۔ آپ نے کسی کی شاگردی نہیں کی۔ تجارت کرتے تھے۔ انہوں  
 نے درگاہ شاہ ارزاں کی توصیف میں ایک مثنوی تقریباً ۱۱۹۰ھ میں لکھی تھی۔  
 چند شعر حسب ذیل ہیں۔

مزار اوس کی پہ گنبد نہیں، ہے قبہ نور وہاں ہے جلوہ نما کچھ عجب طرح کا ظہور

۱. قلمی نسخہ میں ”ہے“ چھوٹ گیا ہے + ۲. ”تذکرۃ الصالحین“ مؤلف مولوی محمد حبیب اللہ۔ اور

”تذکرہ گلزار ابراہیم“ + ۳. تاریخ شعرائے ہند، جلد ۱۵-۱۳ +

وہاں جو حوض نظر آتے ہیں وہ حوض نہیں  
 اور ایک طرف سین پری روہیں مایہٴ تسخیر  
 عجب طرح کی ہے اون کی نگاہ کیا کیئے  
 جب اون کے چاہ ذوق کا خیال آتا ہے  
 میں دیکھا چشم صداقت سے آج اوسکتے تیں  
 لئے دلوں کو پھنسانے کو زُلف کی زنجیر  
 وہ کھب رہی ہے مے دل میں آہ کیا کیئے  
 تو کیا کوں مرا جی ڈوب ڈوب جاتا ہے  
 حضور کی غزلوں سے اشعار نقل کئے جاتے ہیں :-

(۱)

جو یوں آپ بیرونِ در جائیں گے  
 خدا جانے کس کس کے گھر جائیں گے

مُسا فرہیں لیکن نہیں جانتے  
 کہاں سے ہم آئے کدھر جائیں گے  
 تمنائیں بوسہ کی کہتا ہے جی  
 بدن سے نکل بھی اگر جائیں گے  
 تو ہے ایک دم اور ہزاروں اُمید  
 ق لبوں پر کوئی دم ٹھہر جائیں گے  
 بہ صرمت ابھی اب تک جس طرح  
 حضور اتنے دن بھی گذر جائیں گے

(۲)

آبر و اُلفت میں اگر چاہیئے  
 دل تجھے دے ہی چکے، جان بھی  
 رکھے سدا چشم کو تر چاہیئے  
 لیجئے حاضر ہے اگر چاہیئے

دل بھی جو اہر ہے ولیکن حضور  
 اس کے پرکھنے کو نظر چاہیئے

(۳)

منم نہ ہو مغرور، سہرا پاس کسو کے      سیم وز روگو ہر نہ رہا ہے نہ رہے گا  
گر عیش میسر ہو تو کر لیجے کم و بیش      سب وقت برابر نہ رہا ہے نہ رہے گا

(۴)

ہے افسوس اے عمر جانے کا تیرے      کہ تو میرے پاس ایک مدت رہی ہے  
یہ طوفانِ اشک اس میں آنکھوں کی کشتی      تعجب ہے کیونکر سلامت رہی ہے

خانقاہ عمادیہ، منگل تالاب، پٹنہ سیٹی کے سجاذہ نشیں مولانا صبح الحق صاحب  
کے پاس حضور کی چند مثنویاں ہیں۔ ایک کا عنوان ”مثنوی در تعریف درگاہ  
شاہ ارزاں“ ہے۔ اس کے ۸۴ اشعار محفوظ ہیں۔ چند اشعار پیش کئے  
جاتے ہیں :-

خدا اگر مری آنکھوں کو دیوے بنیائی      تو کیجئے عالم کثرت میں سیر کیتائی  
گلِ ظہور سے اُس کے ہے یہ جہاں گلزار      جو چشم ہووے تو ٹک دیکھیے یہ باغ و بہار  
بندی ہے کیا ہی تہِ آسمان یہ صورتِ دہر      بسے ہیں صفحہ روئے زمیں پہ کیا کیا شہر

رواں کروں ہوں میں اسکو سوئے عظیم آباد      کہ وہ بھی زور ہے بستی رکھے کریم آباد

جو لوگ بولنے ہیں صویر بہار ہے یہ      بکسر بے غلط انعام ہے بہار ہے یہ

غرض جو ہے تو یہی ہے کہ اسکو لوگ پڑھیں گناہگار ہوں شاید دُعاے خیر کریں  
حضورؐ کی دوسری تنویٰ بھی یہ ہے۔ یہ ناقص الاخر ہے۔ کل ۳۱ اشعار  
ملے ہیں ۷

گر ولایت سے رزا لایا بھی یہاں آتا ہے اپنے تئیں عہدہ و اشرف ہی کہلاتا ہے

دہان کردرزی کے کتر بونت کی باتیں چونو اسکی قینچی سی زباں چلتے جو دیکھو تو کہو  
ایسا کوئی صاحبِ تقریر نہ ہو وے گا بشر جامہ طرز سخن قطع ہوا ہے اس پر  
حضورؐ کی تیسری تنویٰ ایک مہاجن کی بھیجی میں ہے۔ اس کے ۲۳  
اشعار ملے ہیں۔ ۷

مہاجن ایک ہرگز ذکر اس کے نام کا کیجئے تو ساری عمر پھر کھانیسے اپنا ہاتھ دھویں لے  
کسو کو وقت کھانے کے اگر اس کا خیال آئے تو ہر چاول کا دانہ پارہ الماس ہو جاوے  
اپنے گھریج جو پالے ہے وہ مرغامرغی دانہ کھانیکے تئیں پاتی ہے کچھ کیا مرغی  
تھوکتا جاوے زمین پر کہ غذا ہو اس کی صبح سے شام تلک ہنگی یہی خوش اس کی  
مرغی اس وقت نہ ہو اور کھنکھار آجائے جمع کر مٹھ میں لئے رہتا ہے جب تک آوے

## اصالتِ خانِ ثابت متوفی ۱۰۸۰ھ

اصالتِ خاں، تخلصِ ثابت، منوطنِ عظیم آباد۔ قوم افغانہ میں سے تھے۔ سنجیدہ

علی معاصر، پٹنہ، جولائی ۱۹۴۲ء - از قاضی عبدالودود۔ بحوالہ تذکرہ عشقی +

وضع، خوش اخلاق، گرم جوش و ثابت قدم۔ او آخر میں مرزا..... فدوی..... کے  
شاگرد ہوئے۔ ۱۲۰۸ھ میں وفات پائی۔ کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے :- ۷  
روشن ہے میرے سینہ سوزاں میں داغ ایک      تاریک گھر میں جلتا ہو جیسے چراغ ایک

زلف و رخ سے دُور پڑے ہیں، کہہ دل اب کیا کام کریں  
شام سے رور و صبح کریں، یا صبح سے رور و شام کریں

اب پیار کر وہو ہمسکو کیا ہے      پیارے کہیں دل تو نہیں لگا ہے

## ہیبت قلی خان حسرت سنہ ۱۲۱۰ھ متوفی

نام میر محمد حیات، عظیم آباد کے رہنے والے۔ مرزا منظر جانجاناں دہلوی کے  
شاگرد۔ پہلے میر باقر حزیں کے شاگرد تھے۔ ایک دیوانِ ریختہ جس میں قریباً دو ہزار  
اشعار ہیں، ان کی یادگاہ رہے۔ فیلن صاحب کے بقول ایک قصہ طوطی نامہ بھی ان  
کا تصنیف کیا ہوا تھا۔ حسرت کا دیوان حسرت موہانی کے پاس تھا۔ اور انہوں  
نے اس کا انتخاب بھی شائع کیا ہے۔

تاریخ شمعائے بہار میں بلخی صاحب ان کا لقب ہیبت قلی خاں لکھتے ہیں۔

۱۔ 'تاریخ شمعائے بہار' بلخی ص ۱۲ + ۲۔ قاضی عبدالودود صاحب، صدائے عام، عید نمبر ۶۵۳ ص ۱۹  
۳۔ مشنری کا ایک نسخہ آٹھ سو سال کی ملکہ کے مجموعہ میں

پیرافسر دردائی اپنی کتاب 'بہار اور اردو شاعری' میں لکھتے ہیں : ”گلشن نیجار میں بجائے بیعت قلی خاں کے ہیبت قلی خاں لکھا ہے۔ لیکن میرے خیال میں یہ صحیح نہیں ...“ (ص ۳۸)۔ پیرافسر عطاء الرحمن کا کوی لکھتے ہیں : ”دردائی صاحب نے باہر ان کا لقب بیعت قلی خاں لکھا ہے۔ یہ غلط ہے ... اور سب تذکرہ نگار متفق ہیں کہ یہ عظیم آبادی تھے“۔ نود عطاء صاحب لکھتے ہیں کہ ”میر محمد جیات نام سبت قلی خاں لقب، حسرت تخلص، خاص عظیم آباد کے رہنے والے تھے ...“ (ساتھی، پٹنہ۔ عید نمبر ۱۹۵۵ء ص ۱۷)۔ قاضی عبدالودود صاحب ہیبت قلی خاں ہی لقب لکھتے ہیں۔ عجیب بات ہے دلیل نہ دردائی صاحب دیتے ہیں۔ اور نہ عطاء صاحب۔ تذکرہ شورش میں حسرت کے ۱۶ اشعار درج ہیں۔ گلشن بہار میں ۱۴ شعر اور ’مسرت افزا‘ میں ۱۱ شعر۔ ’جواہر سخن‘، مرنبہ کیفی چڑیا کوٹی میں غزلوں کے ۴۹ شعر فرداً فرداً پیش ہوئے ہیں۔ نمونہ کلام حسب ذیل ہے :۔

تراغور مرے عمر کے مقابل ہے      ادھر پہاڑ ادھر ایک شیشہ دل ہے

آپ ہی اپنے یار تھے۔ جانا نہیں      بغیر میں بھولے تھے پہچانا نہیں  
ہم نہ ہوں تو ہو تو سب چرچا کریں      شمع ہے محفل میں پروانہ نہیں

کعبہ بھی ہم گئے نہ گیا ان بٹوں کا عشق      دیوانِ یوسف مرزا صاحب ہائیکو  
اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں

لے اوڑا کام اپنا پروانہ ہائے ہم بال و پر نہ رکھتے تھے

## شاہ کمال علی کمال <sup>سہ ۱۲۱۵ھ</sup> متوفی

شاہ کمال علی - تخلص کمال - منوطن مان پور، ضلع گیا - سکونت دیورہ متصل بہار شریف - اردو، فارسی دونوں میں کہتے تھے - ان کا دیوان قاضی عبدالودود صاحب نے بہ افساط معاصر، پٹنہ میں شائع کرایا ہے - ”اُن کے دیوان اردو سے کہیں زیادہ اہم ان کی ثنوی ہے“ (ق-ع-و) مثنوی فلسفہ آمیز نصیحت سے بھری ہوئی ہے - کہیں کہیں عاشقانہ رنگ بھی ہے - ملاحظہ ہو

بہار آئی ہے کس شوکت سوامسال	بنفشہ پر ہوا سنبل چنور ڈھال
سماتا نہیں ہے اب گل پیرھن میں	یکس کی بوسب لائی چن میں
یہ کس کے آنے کا مرزدہ لے آئی	یہ ایسی بوسب نے کس سے پائی
عجب کیا ہے جو بکبک کی فغاں سے	گرہ کھل جائے سوسن کی زباں سے
سبھی دستاں سرا کیا غچہ کیا گل	ڈریں ہیں باغ میں کیا غچہ کیا گل

## شیخ محمد عابد دل

شیخ محمد عابد نام - دل تخلص - وطن عظیم آباد - شیخ محمد روشن پوشش



کے بڑے بھائی تھے۔ دونوں بھائی جسونت رائے ناگر کے بیٹے تھے۔ صاحبِ دل،

مرد کامل، بے نیاز و بے ریا، عابد و عاشق مزاج، صاحبِ اخلاقِ جمیدہ، نواب  
علی ابراہیم خاں خلیل لکھتے ہیں کہ ۱۹۳۳ء ہجری میں عابد دل نے اپنا کلام مرشد آباد  
بیجھا۔ تاکہ تذکرہ گلزار ابراہیم میں درج کیا جائے۔ غالباً شیخ محمد روشن  
جوشش نے بھی اپنا کلام وہاں روانہ کیا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ پرافسر سید  
حسن عسکری صاحب اور عزیزم پرافسر حسین کو حال ہی میں مرشد آباد کے سرکاری  
کتب خانہ میں جوشش کا ایک اور دیوان ملا جس میں قاضی عبدالودود صاحب  
کے مرتب کردہ دیوان سے زیادہ غزلیں ملتی ہیں۔

قاضی عبدالودود لکھتے ہیں۔ ”ان کا دیوان سُنا گیا ہے کہ پٹنہ میں ایک  
صاحب کے پاس ہے۔ انہوں نے اردو عروض پر عروض الہندی کے نام سے  
۱۹۳۳ء میں ایک رسالہ لکھا تھا۔ جس کے دونے میری نظر سے گزرے ہیں۔“  
نمونہ کلام حسب ذیل ہے:-

بدنام ہوئے مفت میں، حاصل نہ ہوا کچھ

فریاد کی نسبت تو خموشی میں اتر تھا

۱۔ تذکرہ مسرت افزا۔ فقہ قلمی اسکفرورڈ دعام، پٹنہ۔ ۱۹۵۳ء و ۱۹۵۴ء۔ ابوالحسن امرتسار آبادی۔ ملاحظہ ہو  
دیوان جوشش: قاضی عبدالودود ص ۱۰۱۔ اور تذکروں میں بھی اس امر کا ذکر ہے + ۲۔ تاریخ شترائے بہار ج ۱ ص ۱۹  
۳۔ صدائے عام، عبدغیر ۱۹۵۳ء: ص ۱۹۔ نوٹ: ۱۔ عشقِ عظیم آبادی کے بیان سے دل کا دہلی سے عظیم آباد  
۲۔ ناظاہر غنا ہے۔ لیکن کسی دوسرے تذکرے سے اسکی تائید نہیں ہوتی۔ مقدمہ دیوان جوشش از قاضی عبدالودود ص ۱۵۔

گریار نے آنے کا وعدہ نہ کیا ہوتا      اب تک دل مضطرب نہ کیا کیا نہ کیا ہوتا

مجھے تو حکم ضبطِ نالہ و فریاد ہوتا ہے  
پر اس بیتیاب دل کو حق میں کیا ارشاد ہوتا ہے

ہون آئینہ یہ ستم رسیدہ      رہتا ہے مدام آب دیدہ  
شرِ جوشِ کماہر      ملامتِ ہر دولہ

## شیخ محمد روشن جوش

قریباً ۱۱۱۵ھ تا ۱۲۱۶ھ - قریباً

محمد روشن نام - جوش تخلص - شیخ محمد عابدہ دل کے چھوٹے بھائی، نو مسلم۔  
جوش کا سال ولادت و وفات معین نہیں - یہ بھی معلوم نہیں کہ کس کے  
شاگرد تھے - قاضی عبدالودود صاحب نے دیوان جوش جناب عبدالرشید نبوی  
کے قلمی نسخہ سے مرتب کیا ہے - اسے انجن ترقی اردو (ہند)، دہلی نے ۱۹۴۱ء  
میں شائع کیا - قاضی عبدالودود لکھتے ہیں ”ان کے دیوان کا صرف ایک نسخہ قلمی  
باقی ہے“ لیکن اب پرافسر حسن عسکری صاحب اور ڈاکٹر حسنین نے دیوان جوش  
کا ایک اور قلمی نسخہ مرشد آباد کے سرکاری کتب خانہ میں دیکھا ہے - دیوان مطبوعہ  
کے مقدمہ میں جوش کے حالات، مرتب نے نہایت کاوش سے پیش کر دی ہیں۔

کہتے ہیں :

”بوشش، عظیم آباد کے مایہ ناز شاعروں میں ہیں۔ ہمعصر تذکرہ نگاران کی استاد کی فائز ہیں۔ اور شیفتہ سائیکل پسند نقاد ان کی نثر گوئی کا محترف ہے۔“  
(دیوان بوشش ص ۳)

”بوشش کے واقعات زندگی تذکروں میں بہت کم ملتے ہیں، اور دیوان بھی اس پر زیادہ روشنی ڈالنے سے قاصر ہے۔“ (ص ۴)

تذکرہ میر حسن، طبع ثانی ۱۳۳۵ء :- ”میاں بوشش تذکروں میں“ (۱) محمد روشن، المخلص بہ بوشش مردے ست ساکن

عظیم آباد، خوش طینت و نیک اعتقاد۔ شاعر شہری کلام، صاحب دیوان از خاصان آں دیار ست ...

(۲) تذکرہ شورش۔ نسخہ قلمی آکسفورڈ :- ”محمد روشن ... از خاک عظیم آباد ... در نظم و نثر صاحب استعداد۔ حسن معانی و شستگی الفاظ از کلامش ظاہر ... غزل و قطعہ و رباعی و مخمس و غیرہ بہ فصاحت و بلاغت تمام بہ زبان قلم می آید ... مذاق درویشانہ دارد ... دیوانش قریب سہ ہزار شعر خواہد بود“

(۳) مسرت افزا، مرتبہ ابوالحسن امر اللہ آبادی، نسخہ قلمی آکسفورڈ یونیورسٹی :- ”میاں محمد روشن بوشش برادر خرد محمد عابد دل، کہ ہر دو برادر از صلب حیونت لے“

۱۔ فوٹو اسٹیٹ پٹنہ یونیورسٹی لاہوری + ۲۔ فوٹو اسٹیٹ پٹنہ یونیورسٹی لاہوری۔ ابوالحسن ۱۹۶۲ء  
میں عظیم آباد آئے اور کچھ دنوں یہاں مقیم رہے تھے۔ ... ”بوشش“

ناگرجون ابراہیم خلیل از آذر ظاہر شد ..... دیوان اشعار وے مرتب است “

(۴) گلشنِ سخنِ قلمی مرتبہ مردان علی خان بتلاً :- ” ..... جویشش ..... “

رفیقِ راجا رام نرائن ناظمِ عظیم آباد بود ..... کلامش مرغوبِ طبعِ سخنِ سنجان و در  
نظم و نثر صاحبِ استعداد - دیوانش دو ہزار بیت دیدہ شد ..... “

(۵) تذکرہ قدرت اللہ شوق و قدرت :- ” ..... اشعار دال بر جویشش دلی

اوست ..... “

(۶) گلزارِ ابراہیم :- ” جویشش ..... از ابالی صوبہ بہار - ..... ابیات

منتخبہ دیوان خود در سال ۱۹۲۵ ہجریہ بہ راقمِ آئٹم فرستادہ ..... می توان گفت کہ شیدہ  
خواجہ میر درد را بہ خوبی ورزیدہ ..... “

(۷) تذکرہ عشقِ عظیم آبادی :- ” جویشش ، اسمش محمد روشن ..... از ریختہ

گویان با استعدادِ عظیم آبادست ..... “

(۸) تذکرہ ہنرمندیِ معنی ص ۶ :- ” محمد عابد جویشش تخلص ..... “ قاضی عبدالودود

صاحب لکھتے ہیں ” نام کے متعلق معنی کی غلط بیانی جبرت انگیز ہے “ (دیوان جویشش)

(۹) ریاض الفضا معنی ص ۶۸ :- ” میان محمد روشن ، جویشش تخلص -

از قدماست “

(۱۰) گلشنِ ہند مرتبہ مرزا علی لطف ، طبع اول ص ۶۷ - گلزارِ ابراہیم کا ترجمہ ہے - دو

ایک تعریفی فقرے بڑھا دیئے ہیں -

(۱۱) گلشنِ بے خار ، مرتبہ شیفتہ دہلوی - مطبوعہ مطبع اودھ اخبار ۱۹۱۰ء - ص ۵۷ :-



سے ہو سکتا ہے۔ ۷

جو دل کے جلوہ گاہ ہوا اُس کے نور کا مشتاق وہ نہیں ہے تجلی طور کا

کیوں نہ مضطر ہوں اُسے دیکھ کے دیکھو تو سہی

شع کے سامنے کیا حال ہے پروانے کا

ہر ایک خارِ بیا باں رکھے ہے نوکِ زباں یہ ماجر ہے ہمارے برہنہ پائی کا

وہ زمانہ کیا ہوا جو مرے گرے میں اثر تھا

یہی چشمِ خوں فشاں تھی، یہی دل، یہی جگر تھا

غزلوں کے علاوہ رباعیات، مختصات، مثنویات، قطعات اور

قصائد دیوانِ مطبوعہ میں موجود ہیں۔

## میر محمد رضا رضاؒ - ۱۱۶۳ھ تا ۱۲۱۶ھ

میر محمد رضا ابن میر جمال الدین حسینؒ جمال۔ تخلص رضا۔ یہ ضیاءِ دہلوی کے شاگرد تھے۔ رضا کا ذکر مختلف تذکروں میں ہے۔ مثلاً تذکرہ شورش

عظیم آبادی - قاضی عبدالودود صاحب کو ان کا دیوان ملا تھا جو بہ افساط رسالہ  
معاصر، پٹنہ میں شائع ہوا تھا۔ بعد ازاں ایک سیر حاصل مقدمہ کے ساتھ دیوان  
کو یکجا مربوط کر کے پیش کیا گیا۔ نمونہ کلام حسب ذیل ہے :-  
مجھے آگے گرفتاری ہوئی تھی نہ اتنی زندگی بھاری ہوئی تھی  
رضا کا اب خدا حافظ ہے یارو یہی مجنوں کو بیماری ہوئی تھی

مجھ کو کچھ دل پہ اختیار نہیں تمہیں اس گھر کے آب تو سب کچھ ہو

ایک تو آپ ہی مروں ہوں میں دردِ جی کو کھپائے جاتا ہے  
پوچھنا تس پہ دوست داروں کا اور بھی جان کھائے جاتا ہے

## مفتی غلام مخدوم ثروت

۱۲۵ھ تا ۱۲۱۹ھ

مفتی غلام مخدوم خلف مولوی جمال الدین پھلواروی۔ شاگرد شاہ  
آیت اللہ شورش ثم جوہری ثم مذاقی۔ پیدائش ۱۲۵ھ - وفات ۱۲۱۹ھ - ابتداء  
میں مغلوں کے آخر میں کسی مقدمہ متروکہ کی بدولت ثروت کو سرکار ایسٹ  
۱۲۱۹ھ معاصر، دائرہ ادب، پٹنہ + ۲ تاریخ شعرائے بہار، بلچی ۶۷ + ۳ بدریہ حکیم شعیب صاحب

اندیا کپنی سے چالیس ہزار روپے ملے۔ غزل کا ایک شعر لمحنی نے درج کیا ہے۔

آستیں جو ہو گئی دریا بد اماں اشک سے  
چشم یہ مجکو نہ تھی اے چشم گریاں اشک سے

محظوظات پھلوا ری میں ثروت کا مرثیہ بھی ملتا ہے۔ نمونہ کلام حسب

ذیل ہے :-

### مرثیہ ثروت

جب خاک پہ شہہ بیٹھے اور خانہ زین سے سرکاٹ لیا شہر نے آنخبر کیں سے

اوس سر کو جو رفت تھی سر عرش بریں سے ① نیزہ نے رکھا سر پہ اوٹھا اوسکو زین سے

بیٹھا جو او تر گھوڑے سے وہ شاہ دلاور تھے زخم لگے اوس تن نازک پہ بہتر

جیونکر کے شفق میں ہو چڑیا مہر منور ② تھی چہرہ کی صورت بھی وہی خون جبین سے

وہ صیدِ حرم ماندہ و مجروح تھا بیٹھا تھے دام کے حلقہ کی طرح گرد سب اعدا

یوسف کا غرض دیکھ کے بگڑا ہوا سودا ③ دس تھو سگ گر گئیں اوٹھے ایکبار کیں سے

اون سب سگ ناپاک میں اک خاک شمر تھا نہ شرم پیمبر اوسے نہ حق سے خطر تھا

دل اُس سگ ناپاک کا سختی میں جھرتھا ④ اوس سگ کو عداوت تھی مرے شیر غریب سے

مرثیہ میں کل ۳۲ بند ہیں۔ آخری بند ملاحظہ ہو :-

میں در کا گد اہوں تیرے اور تو میرا شاہ ہر تجھ مولیٰ کے ہاتھوں سے غلاموں کی بقاء ہر

ثروت ترا بندہ ہے خدا اس کا گواہ ہر ③۲ واثق مجھے امید ہے تجھ جبل متیں سے

”تمت المرثیہ فی ۱۲۱۲ھ یکہزار و دو صد و دوازدہ ہجری از تصنیفات



مفتی غلام مخدوم صاحب علیہ رحمۃ متخلص بہ ثروت  
(مجلد قلمی نسخہ پھلواری شریف ص ۵۳-۵۱)

## خواجہ امین الدین آیین

خواجہ امین الدین نام - آیین تخلص - عظیم آباد کے رہنے والے - میر حسن نے آیین کو مرشد آبادی لکھا ہے - یہ غلط ہے - وہ کچھ دنوں تک نواب ناظم مرشد آباد کے یہاں ملازم رہے تھے - نواب شیفقہ نے اپنے تذکرہ نگشتی بے خار ص ۱۲۶ پر میر حسن کی تردید کی ہے - لکھا ہے :- (امین) "از ارباب عظیم آباد ست" دوسرے تذکرے بھی امین کو عظیم آبادی بتاتے ہیں -

نواب مظفر جنگ میر محمد رضا کی سرکار سے منسلک تھے - نجم الدولہ کی طرف سے میر محمد رضا خاں مظفر جنگ نائب ناظم مقرر ہوا - صوبہ بہار میں میر محمد کاظم خاں اور راجہ شتاب رائے حکومت نبائی کرتے تھے - راجہ دھیرج نرائن برادر راجہ رام نرائن دیوان مقرر ہوا - جب دربار کا سلسلہ دہم برہم ہوا - اور نائبین عظیم آباد قید کر لئے گئے تو خواجہ امین خان نشین ہو گئے اور نہایت قناعت سے بقیہ زندگی گزار دی - ۱۲۴۰ھ تک زندہ تھے (پلنی)

۱۔ سنہ وفات کا صحیح پتہ نہیں چلتا - نختہ جاوید سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۱ء) تک زندہ تھے - (دردائی)

ان سے اور نواب علی ابراہیم خاں غیل سے بھی ربط و تعلق تھا۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے تھے۔ ”دیوان فارسی کا ایک نسخہ خانقاہ عمادیہ عظیم آباد محلہ منگل تالاب کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ ریختہ کا دیوان اب نایاب ہے۔“ تذکروں میں زیادہ حال نہیں ملتا۔ گلزار ابراہیم میں ان کی تعریف و توصیف یوں ہے۔ ”شعر فنی اور سخن رسی میں نادر روزگار ہیں۔ بلندی فکر اور استقامت ذہن ایسی رکھتے ہیں جو ان کے معاصرین میں کم تر پائی جاتی ہے“ (ترجمہ) نمونہ کلام ملاحظہ ہو:-

دُنیا میں جو آکر نہ کرے عشقِ بتاں کا      نزدیک ہمارے نہ یہاں کا نہ وہاں کا

خوشبید ترادیکھ کے مُنہ کانپ کے نکلا      مہ چادرِ مَتّاب میں مُنہ ڈھانپ کے نکلا

گر ارادہ نہیں ہے آنے کا      فائدہ اس قدر بہانے کا

آئی بہار ہو گئے ہر خار راہِ سبز      لیکن ہوئے نہ آہ یہ بختِ سیاہِ سبز

۱۔ تاریخِ شرایے ہمارے عزیز بلخی ص ۶ +

نوٹ:- خواجہ امین الدین کے ہم عصر ایک اور شاعر مولانا محمد امین اللہ، موضع نگر نرسہ ضلع عظیم آباد کے گذرے ہیں۔ وفات ۱۲۳۳ھ۔ فارسی میں ’قصیدہ عظمیٰ‘ مشہور ہے +

کیا کہوں یا رے اپنی سی کئے جاتا ہوں گابیاں کھاتا ہوں غصہ کو پسے جاتا ہوں

فائدہ کیا ہے بھلا ہم جو کریں فکرِ معاش غم کو کھاتے ہیں آئینِ خون جگر پیتے ہیں

میں بوسہ جو مانگا تو مجھ بھلا کہ وہ لگا کئے کیا ہے۔ کہا کچھ نہیں

دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری میں کٹی  
صبح گر صبح قیامت ہو تو کچھ پروا نہیں ہجر کی جب رات ایسی بے قراری میں کٹی  
اس زمانے میں آئینِ مت کر کسی سے دوستی شمع کی گردن نہ دیکھی دوستداری میں کٹی

دل باندھے تو یار کے کاگل سے باندھے بلبُل کو باندھے تو رگِ گل سے باندھے

ایکدم ہو گئی گراوس سے ملاقات تو کیا زندگی کا ہے مزا یہ کہ مساوات کٹے

دنیا میں کتنے کو سبھی کہلاتے ہیں بھلے پر ہے وہی بھلا جو کسی کا بھلا کرے  
(تاریخ شعراے بہار، ملخصی ص ۵)

خواجہ صاحب کے کلام میں شوخی، بے ساختگی اور لطیف ظرافت کے ساتھ  
رنگِ تصوف بھی چمکتا ہے۔ زبان صاف اور رواں ہے۔ آئین کی مثنوی کے

انیس شعر مرزا علی لطف نے گلشن ہند میں نقل کئے ہیں۔ مزار ابراہیم مرہٹہ

## شاہ نورالحق طیان پھلواروی

۱۱۵۶ھ تا ۱۲۳۳ھ

شاہ نورالحق بن شاہ عبدالحق ابدال بن حضرت پیر محبوب اللہ پھلواروی پیدائش

۱۱۵۶ھ (جمادی الاولیٰ)۔ بیعت اور اجازت خلافت حضرت پیر سے ۱۱۷۳ھ

میں حاصل کی۔ اپنے پھوپھا حضرت سجاد کی بڑی لڑکی سے بیاہے گئے۔ حضرت سجاد کے بعد ان کی جانشینی بھی قبول کی۔ ۱۲۳۳ھ میں شاہ نورالحق نے اپنے لڑکے حافظ شاہ ظہورالحق کو اپنی زندگی میں خلافت عطا کر دی اور خود گوشہ نشین ہو گئے۔

آپ کا انتقال ۴ شعبان ۱۲۳۳ھ کو پٹنہ میں ہوا۔ لاش پھلواروی شریف لائی گئی۔ وہیں مدفون ہیں۔

”اورادو وظائف کے مختلف رسائل کے ماسوا فارسی کے دو کلیات ضخیم آپ

کی تصانیف سے ہیں۔ ایک بیاض ضخیم اردو مراثی کی ہے“ (ملّی)۔ مراثی کی ایک بیاض میری نظر سے گزری ہے۔ یہ مجھے خانقاہ سلیمانہ پھلواروی سے حاصل ہوئی تھی۔ اس بیاض میں شاہ ظہورالحق کے مرثیے بھی ہیں۔ حکیم شیب صاحب مروح

حکیم شیب صاحب مروح کے رکارڈوں سے ان تاریخوں کا پتہ چلتا ہے۔ ملّی اور مولوی تنّا پھلواروی نے بھی

یہ تاریخیں لکھی ہیں۔ (تاریخ شعرائے بہار، ص ۶۹ اور معاصر پٹنہ، جنوری ۱۹۴۲ء ص ۳)

کا یہ قول ہے کہ بیاض میں خود نوشتہ مریشے ہیں۔ چٹاں اور ظہور کی شان تحریر مہرہم  
 بخوبی پہچانتے تھے۔ چٹاں کے مریشوں کی ایک دوسری قلمی بیاض پٹہ سیٹی کی  
 خانقاہ میں ہے۔ پرافسر ذکی الحق صاحب سلمہ بی۔ ان کالج نے اپنی تحقیقات کے  
 سلسلہ میں دوسری بیاض کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ میں نے جو قلمی بیاض دیکھی ہے اُس  
 کے مریشوں کے اختتام پر تاریخ تصنیف یوں درج ہوتی ہے: ”غنائک شد  
 فی سنہ فلاں یا المناک شد فی سنہ“ فلاں یا ”خوبارشہ فی سنہ“ فلاں۔

جناب محی الدین تمت پھلواری نے چٹاں کی اکیس غریس قلمی بیاضوں سے  
 نقل کر کے رسالہ معاصر، پٹنہ میں شائع کروائی تھیں۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:-  
 جو کام تیرا ہے سو کر رٹ یعنی نام اللہ کا کر لیو لگا اللہ جو ہو دے گا کام اللہ کا

ہوش والوں سے جو سنتا ہے فسانہ تیرا بیٹھا منہ پھیر کے ہستا ہے دوانہ تیرا  
 عقل کو چھوڑ دیا تو نے تو ہشیاری کی پڑ گیا نام تپاں کیونکہ دوانہ تیرا

ناشاد نہیں بلبل ناشاد کے ایسا پھر بھی وہ نہیں اس دل برباد کے ایسا  
 ایمان کی یہ بات نپاں ہم تو کہیں گے استاد نہیں حضرت سجاد کے ایسا

۱۔ معاصر، جزوی ۱۹۴۲ء۔ ۳۱-۳۵ اور معاصر، فروری ۱۹۴۲ء ص ۴۲-۴۰ +

۲۔ تاریخ شعرائے ہمار، بلتئی میں صرف یہی شعر درج ہے اور یوں ہے (ص ۶۹)

عقل والوں سے جو سنتا ہے فسانہ تیرا بیٹھا پھرے ہوئے ہستا ہے دوانہ تیرا

عزم آنے کا جو وہ اے دل بیتاب کریں      فرش ہم راہ میں جا دیدہ بخواب کریں  
لے لیا ہے تو کریں قدر بھی میرے دل کی      آپ برباد نہ یہ گوہر نایاب کریں

بیچ دیوں گوہر دل کیوں نہ اوس دلبر کو ہاتھ      قدر جو ہر بے لگے گر صاحب جو ہر کے ہاتھ  
جھک نہ آؤ کہ دست بوسی کے لئے پیر فلک      لونہ انگریزانی خدرا دونوں اوپر کر کے ہاتھ

ہوش بھی کوئی شے ہے رکھے کی      عقل سے کچھ تو کام کوئی لے  
دیوے پرچک نہ چشم ساقی گر      کیوں بڑھا ہاتھ جام کوئی لے

مارتے ہیں نظر کے بھالے سے      اور دیکھے میں بھولے بھالے سے  
چارہ گراٹک سمجھ سے بھی لے کام      موت ملتی نہیں ہے مالے سے  
مونہ سے خم ہی لگا دے لے ساقی      کون پیتا رہے گا پیالے سے  
اپنی کلمی ہی میں گن ہے تیاں      کام کیا شال سے دوشالے سے

پانی کی جگہ مئے نعتی تو مٹی کی جگہ دُرد      سہرست ازل سے ہے مری آب بھی گل بھی  
ہم جان رہے تھے کہ فقط زلف ہے آفت      دانش غضب ہے ترے رخسار کا تل بھی

اک خواب سے بڑھ کر نہیں یہ سستی موہم      وہ خواب جو شرمندہ ہے تعبیر کے آگے

جی تو چاہے ہے بہت قاتل باگر      ہائے کب جی بھر کے تڑپھا جائے ہے  
 تیرے عاشق، تیرے شیدا کا یہ حال      ہائے کیسے تجھ سے دیکھا جائے ہے  
 لگ گئی ہے آگ سی سینے کے بیچ      اور دل کجخت، بجھتا جائے ہے  
 کب مٹے ہے دل سے یاد رُوئے یار      سر سے کب زلفوں کا سودا جائے ہے  
 منزل مقصود پاوے ہے وہی      جو ترے رستہ میں کھویا جائے ہے  
 اُٹھ رہا ہے درد دل جب بار بار      دل سے پوچھو کا ہے بیٹھا جائے ہے  
 اب بلاوا آ رہا ہے یار کا      دو قدم بھی جب نہ جایا جائے ہے

دل کو سمجھاویں ہیں یہ کہہ کہہ کے ہم      یار بس اب آئے ہے اب آئے ہے

اللہ رے اُمیدیں کوئی آوے نہ جائے      ہے در کی طرف آنکھ کہ شاید کوئی آوے

دل مرا، میری بہنیں کہتا، تو پھر میرا نہیں      جب تمہارا ہی یہ گاتا ہے، تمہارا ہو گیا

لگا دی اپنی آنکھوں سے بھڑی خود آخر تنہا ہم نے      کہ رستہ کبتک لائے ابر رحمت دیکھتے رہتے  
 بڑھایا حضرت واعظ نے آخر ہاتھ ساغر پر      فقط بیٹھے ہوئے حضرت سلامت دیکھتے رہتے

بتکدے میں تم پہ کیا گذری تپاں بتلاؤ تو      بیٹھ کر مسجد میں کیوں یاد خدا کرنے لگے

مرثیہ کا نمونہ حسب ذیل ہے :-

(۱)

کوفی کی مکر چالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے  
رو باہی یا شغالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے  
قتل حسین عالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے  
اس مونہ پہنوں کی لالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے

(۲)

کیا کیئے ہائے دل میں مجز آہ کچھ نہ آوے  
پانی کا ایک قطرہ آل بنی نہ پاوے  
بڑھتا ہی لحظہ لحظہ دشمن کا فوج جائے  
اور قتل ہوں موالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے

(۳)

پانی ملے کسی کو ہے ہے کو کدھر سے  
ظالم نے راہ رو کا شمشیر سے سپر سے  
مقتل پہ تشنگاں کی زہرا کی چشم تر سے  
آنسو کی بر تشنگالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے

(۵)

تھی کر بلا کے بن میں قاسم بنے کی شادی  
شادی نہ کیئے اوس کو کیا کیئے نامرادی  
اے دوستان ستم ہے ظالم کی بد نہادی  
دولہ کی تنگ حالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے

(۶)

کس چاؤ سے بنے نے خلعت زری کا پہرا  
باندھا چچا نے تیسر ہاتھوں سے اپنے سہرا  
تر ہو گیا لوہو سے دو ایک پل میں چہرا  
تن ہو گیا گلابی ہے ہے یہ کیا بلا ہے

(۸)

یہ دن دیکھا بیو مت کسہو کو حق نقالے  
دُہن کے پاس روئیں عورات کر کے نالا  
دولہ بنے کا ڈوبا لوہو میں سرو بالا  
اور یہ بنی ہے بالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے



پھر گردِ زندگی کو لوہو سے سر کے دہوناں  
اور اوسکی خرد سالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے

(۱۵)

اصغر کی لاش لے کر رن سے پھرے جو سرور  
لوہو سے نابدا من جیب اور کنار سب نر  
گودی میں شہر بانو کی ہائے ہائے لیکر  
لاش اوس بچے کی ڈالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے

(۲۶)

..... کا پیراوترناں روغہ میں مصطفیٰ کے  
شیر کے لوہو میں بازو کتیں ڈوبا کے  
پیر مارناں زمین روناں فناں اوٹھا کے  
اور اوسکی سرخ بالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے

(۲۷)

آنسو سے خشک کب ہیں آنکھیں کو کسو کی  
یہ نالہ طہاں ہے یہ نیت آرزو کی  
رونے کو مومنوں کے یہ طرز گفتگو کی  
گو سب ہے نرالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے  
غمناک شد فی سنۃ ہجری

(۱۱)

اکبر علی کی رن میں پھر جب گئی سواری  
بابا کی چشم تر سے خواب دل تھا جاری  
کیا کہئے اے جہاں بانو کی بے قراری  
اور اوسکی فونہالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے

(۱۲)

وہ دوسرا جوانی باروئے ارغوانی  
انگشتری کو چالے پیاوے نہیں جو پانی  
کٹ کر گرا زمین پر جیون سرو بوستانی  
کہا تیغ پرتگالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے

(۱۳)

وہ باغ مصطفیٰ کا شیریں مقال طوطی  
دلبر مرتضیٰ کا اور فاطمہ کا پوتا  
شایاں تھا جس کے اوپر عالم نثار ہوتا  
اوسکی شکستہ حالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے

(۱۴)

کیا کہئے تشنگی سے اصغر علی کا روناں  
آغوش میں پدر کے چھکے شہید ہوناں

( بغیر جلد قلی نسخہ پھلوا ری شریف خانقاہ سلیمانہ )

ایک اور مرثیہ حسب ذیل ہے :-

(۱)

کسی سے غم کی خبر کہئے ہائے کیا کہئے  
زباں ہے شعلہ اثر کہئے ہائے کیا کہئے  
نہ کہئے کیونکی اگر کہئے ہائے کیا کہئے  
گناہین کا سر کہئے ہائے کیا کہئے

(۲)

زماں زماں ہی تو بڑا تاہے اپنے دل کا محن  
بدل ہونا لہ سے گر لایئے زباں پہ سخن  
بہرا کے مثل شفق خون دیدہ سے دامن  
بگوش شام و سحر کہئے ہائے کیا کہئے

(۳)

دو ماجرائے الم اب تلک ہے داغ جگر  
جہاں تنور میں تھا حضرت شہیر کا سر  
کھڑی جو روقی تہیں جنت سے بیبیاں اگر  
اب اوسکو بار دگر کیئے ہائے کیا کہئے

(۲۲)

وداع ہوش کیا سرنے تن نے تاب و تول  
گری و و خاک پہ بیہوش ہو کے نالہ کناں  
فناں سے حضرت زہرا کے یہ تو کیا ہے کہ پا  
پھٹا جہاں کا جگر کہئے ہائے کیا کہئے

(۲۴)

یہ سر ہے حضرت زہرا کے نور دیدہ کا  
کہ جس پہ کرتی ہیں جنت آ کے جو رہا  
کڑاے پلید اسے کس گناہ پر کاٹا  
چلا ہے لیکے کدھر کہئے ہائے کیا کہئے

(۲۸)

تو دلبران ہمیں کیتن یتیم کیئے  
تو دختران علی پرستم عظیم کیئے  
خراب خانہ دیں اپناں اے لیئم کیئے  
جگہ تری ہے سقر کہئے ہائے کیا کہئے

(۳۰)

غم حسین میں اوٹتا ہے آساں سے خروش  
 پیاں زین کو بھی چٹوں سے اشک کا ہر جوش  
 کو تو جس کے بیاں میں ہو جبریل خموش  
 کہاں ہے حد بشر کئے ہائے کیا کئے

غمناک شد فی سنۃ ۱۲۰۰ ہجری (قلی نسبی غیر جلد پہلوا ری)

## غلام علی راسخ

متوفی ۱۲۳۸ھ ۱۱۶۹ء

شیخ غلام علی نام - راسخ تخلص - شیخ محمد فیض کے بیٹے - متاخرین تذکرہ نویس  
 موضع سائیں کو راسخ کا مولد و وطن قرار دیتے ہیں - سائیں پٹنہ سے دس کوس کے فاصلہ  
 پر ہے - غالباً راسخ بچپن سے ہی عظیم آباد آکر رہ گئے تھے - تقریباً ۱۱۸۲ھ سے  
 ۱۲۲۲ھ تک یہ عظیم آباد میں بہت کم رہے - غالباً اسی وجہ سے راسخ جیسے جلیل القدر  
 شاعر کا تذکرہ نگلزار ابراہیم، میں نہیں - راسخ نے لکھنؤ، دلی، مونگیر، بھاگلپور، مرشد آباد،  
 کلکتہ وغیرہ کا سفر کیا تھا - تذکرہ گارسان دتاسی، میں راسخ مذکور ہیں -

۱۔ 'تذکرہ گل رعنا' جلد لمبی - 'دسواں راسخ' انگریزی از خان بہادر سید ضمیر الدین مروم - مقالہ بہار و اڑیسہ

ریسرچ سوسائٹی ۱۹۱۸ء مارچ + ۲۔ 'تاریخ شعرائے بہار' جلد لمبی ص ۶۹

سال ولادت ۱۶۲۲ھ - حمید عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ :  
 ” راسخ مرحوم کے سال ولادت میں کوئی اختلاف نہیں - تمام تذکرہ  
 نویس متفق ہیں کہ آپ کی ولادت کا سال ۱۶۲۲ھ ہے - لیکن سال وفات  
 میں اختلاف ہے “

پرافسر دردائی تحریر کرتے ہیں :  
 ” لیکن گلشن بے خار کے علاوہ جتنے اور معتبر تذکرے ہیں سب میں راسخ  
 کا سال وفات ۱۶۳۸ھ بتایا گیا ہے “

سیرے خیال میں راسخ کے شاگرد یاس آروسی کا قول زیادہ معتبر ہے - وہ راسخ  
 سے قریب ترین تھے - لکھتے ہیں :

” الحال تاریخ رحلت شیخ غلام علی راسخ، بہ تلاش و تجسس کمائینی بہ  
 دریافت رسید کہ تاریخ بنتم جادی الاولیٰ ۱۶۳۸ھ روز دوشنبہ  
 بودہ است “

ظاہر ہے کہ یاس کو سال وفات کے بارے میں شبہ نہیں تھا، صرف تاریخ کے  
 بارے میں انہیں تلاش و تجسس کرنا پڑا - راسخ کی قبر ابتر حالت میں محلہ لودکیڑہ میں  
 موجود ہے -

---

علی راسخ از حمید عظیم آبادی ص ۱۷ + ص ۱۷۲ بہار اور اردو شلوی : پرافسر دردائی، ص ۵۳ - نواب  
 شیفتہ گلشن بے خار میں سال وفات ۱۶۳۸ھ بتاتے ہیں - اور گارسان و ناسی بھی + ص ۱۷۲ راسخ عظیم آبادی  
 حمید عظیم آبادی ص ۱۹ + ص ۱۷۲، حمید، ضیاء الدین، دردائی +

رائخ عظیم آبادی کی شاگردی کا مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے۔ قاضی عبدالودود صاحب لکھتے ہیں :-

”رائخ بہ حیثیت مجموعی ہمارے قدیم شعرائے اردو میں سب سے بڑے ہیں۔ یہ ابتداء میں فدوی شاگرد عشق دہلوی سے اپنے کلام پر اصلاح بیا کرتے تھے اور اس کا اعتراف انہوں نے خود کیا ہے۔ قلمی دیوان میں جو خود ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا (کتب خانہ مشرقیہ پٹنہ) یہ شعر موجود ہے :-

شاگرد ہیں گے حضرت فدوی کے بے شمار  
رائخ ہوں ایک میں بھی ولے کس شمار میں  
..... عشقی نے لکھا ہے کہ رائخ کو میر سے بڑی عقیدت تھی۔ اور  
ان کی کشش انہیں لکھنؤ لے گئی، جہاں وہ میر کے حلقہ تلامذہ میں داخل ہوئے :-

دیوان رائخ میں بکثرت مقطعات ایسے ہیں، جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ رائخ کو میر کی شاگردی پر فخر تھا۔ فدوی کی شاگردی بھولی بسری بات تھی۔  
رائخ کو ہے میر سے تلمذ یہ فیض ہے اون کی تربیت کا

---

زندہ ہے نام میر رائخ سے کون ہے شاعروں میں ایسا آج

کتب خانہ مشرقی، خدابخش خاں، پٹنہ میں جو راسخ کی خود نوشتہ بیاض ہے۔ اس

میں متعدد ایسے اشعار بھی ہیں جو مطبوعہ دیوان میں نہیں پائے جاتے۔ ان اشعار پر خود

راسخ نے ”نباید نوشت“ لکھ دیا ہے اور شاید اسی وجہ سے یہ اشعار مطبوعہ کتبیات

میں شامل نہیں کئے گئے۔ انہیں اشعار میں وہ شعر بھی ہے جس میں فدوی کی شاگردی

کا اعتراف پایا جاتا ہے۔ تین (۹) تنویریاں غیر مطبوعہ بھی ہیں۔

غالباً صرف فارسی میں راسخ شاہ نورالحی تپاں پھلواردی سے اصلاح لیتے

تھے۔ ”الہامات شاد“ میں عبدالملک صاحب آردوی مرحوم نے راسخ کو مستقلاً

تپاں کا شاگرد بتایا ہے۔

۱۳۱ھ میں کتبیات راسخ خیر المطالع عظیم آباد سے شائع ہو چکی ہے۔ لیکن

مطبوعہ نسخہ جو زرد کاغذ پر چھپا تھا۔ اب بہت کمیاب ہے۔ کتب خانہ مشرقی پٹنہ

میں تین قلمی نسخے میرے دیکھنے میں آئے۔ ایک تو وہ مشہور قلمی نسخہ ہے جسے راسخ

نے خود لکھا، دوسرا ظفر نواب صاحب، گیارہ کے کتب خانہ سے آیا ہوا ہے اور ایک

تیسرا نسخہ ہے۔ ایک نسخہ میں عرف غزلیں ہیں۔ چوتھا نسخہ راج برج صاحب

پٹنہ سیٹی سے دستیاب ہوا ہے۔

مطبوعہ کتبیات راسخ کے شروع میں دس قصیدے اور چند قطعات و

۱۔ راسخ، حمید عظیم آبادی بحوالہ ”خاتم السیما“ مصنفہ شاہ غلام حسین صاحب پھلواردی حصہ

چہارم ص ۱۵۸، ملفوظات (۲۲۸)۔۔۔۔۔ ”ہمارے ہاں بھی راسخ مرحوم کی تخریریں موجود ہیں، وہ اپنا فارسی

کلام تو پھلواردی کے ایک مشہور و معروف بزرگ حضرت نیاں قدس سرہ کو دکھاتے تھے“

رباعیاں ہیں۔ جن میں چند قصائد نواب آصف الدولہ اور غازی الدین حیدر کی تعریف میں ہیں۔ ان کے بعد غزلیں ہیں۔ آخر میں پندرہ مختلف ثنویاں ہیں۔ قلمی نسخہ میں ان کے علاوہ ادبیت ثنویاں بھی ہیں۔ یہ غیر مطبوعہ ثنویاں ہزلیات پر مشتمل ہیں۔

راسخ کو میر کی ہمسری سے تسلی نہیں ہوئی۔ اُن کی نظر اور بلند ہے۔ یہ نظری اور شفا کی کا بے بدل راسخ : یہ ادب کا فن نہیں گزیر سیر ہوا ” ان کے کلام میں سوز و گداز کے ساتھ تصوف کا رنگ بہت نمایاں ہے ” (بلخی)۔ بقول حسرت موہانی ثنویوں کا انداز میر کی ثنویوں سے اس قدر ملتا جلتا ہے کہ دونوں میں تمیز بھی مشکل ہے۔ ثنویوں کے نام یہ ہیں : حسن و عشق، ناز و نیاز، نور و انظار، جذب عشق، مکتوب شوق، کشش عشق، گنجینہ حسن، سبیل نجات، نیرنگ محبت، اعجاز عشق، مرآۃ الجمال، شرح حال، شہر آشوب، ثنوی مرحبہ۔ اکثر ثنویوں میں عشق کی داستانیں نظم کی گئی ہیں صرف نور و انظار ایک اخلاقی ثنوی ہے۔

قاضی عبدالودود صاحب لکھتے ہیں کہ ”اور اصناف کے مقابلہ میں یہ غزل اور ثنوی میں زیادہ کامیاب ہوئے“ جناب قاضی صاحب کئی سال سے راسخ پر مزید تحقیقاتی کام کر رہے ہیں۔ اور ادھر دس سال سے میرے ایک شاگرد پٹنہ یونیورسٹی کے ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے اس مضمون کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ قاضی صاحب راسخ کے دیوان یا کلیات کو نئے سرے سے ایڈٹ کر کرشائع کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ بلخی نے پندرہ کی تعداد لکھی ہے۔ اور حبيب عظیم آبادی نے چودہ کی۔

۲۔ رسالہ اردوئے معلیٰ، مئی ۱۹۷۰ء۔

راسخ کے چند تلامذہ کے نام حسب ذیل ہیں :-

انور علی یاس آروی، حکیم احمد حسین، خواجہ فیض اللہ معروف بہ شاہ علام مخدوم  
عظیم آبادی، تخلص فرحت، خواجہ محمد حسن، مرزا مراد بخش مراد، نواب ہمدی علی خاں  
راسخ کو شاعری، موسیقی اور تصوف سے بڑی دلچسپی تھی۔ حضرت شاہ ابوالحسن  
فرد پھلواروی کے مرید تھے۔ راسخ نے اپنے پیرو مرشد کو جو خط لکھا ہے وہ اب تک  
بڑی خانقاہ پھلواروی میں موجود ہے۔ حضرت فرد، راسخ سے عمر میں چھوٹے تھے۔ اسی  
اعتبار سے آپ کا تذکرہ بعد میں آئے گا۔ راسخ کے کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے :-  
ہوئے میں ہم ضعیف اب دیدنی رونما ہمارا ہے پلک پر اپنی آنسو صبح پیری کا ستارا ہے

خاک ہوں پر طوطیا ہوں چشم ہر رواہ کا آنکھ والا تب سمجھے مجھ غبارِ راہ کا

طالبانِ یار کی منزل تو غیر از دل نہیں کعبہ کہتے ہیں جسے سو راہ ہے منزل نہیں

مِت پوچھئے مجھ سے حال میرا حیرت زدہ کیا بیان کرے گا

سائے خطِ شوق میں، میں نے یہی رو رو لکھا اے صاحب کیا کیا تم نے جدا تم ہیوں ہوئے

۱۔ راسخ: حمید عظیم آبادی ۲۸-۲۹ + ۳۰ راسخ از حمید عظیم آبادی ص ۳۱ اور معین الدین احمد قیس مرحوم کا مضمون  
راسخ عظیم آبادی: بہارِ نمبر، نایم گیا، ۱۹۳۳ء ملاحظہ ہوں +



بے مدعا ہوں یہ بھی ہے اک مدعائے دل      اس قیدِ مدعا سے نہ کوئی رہا ہوا

ضبطِ گریہ تو ہی پردل پہ جو ایک چوٹ سی ہے      قطرے آنسو کے ٹپک پڑتے ہیں دو چار ہنوز

نہیں ہوش والوں پہ کچھ حسد، مجھے رشک ہے تو انہوں پہ ہے  
جنہیں تیرے جلوہ کے سامنے مری طرح بے خبری رہی

کس قدر بو قلموں جلوہ ہے محبوب اپنا      کوئی بھی اوس کی تجلی نہیں تکرار کے ساتھ

برق سے پوچھا کہ شادی کتنی اس عالم کی ہے      کچھ کہا اُس نے نہ لیکن اک تبسم سا کیا

آپ سے ہو گئے ہیں بیگانے      جن سے ملک آشنا ہوئے ہو تم

خوشی کے پردہ میں ہے شورِ میرا      مجھے چُپ نہ جانو سراپا فغاں ہوں

مُذر خواہی کا اب دماغ نہیں      خوش رہو گر خفا ہوئے ہو تم

بُحرِ داغ ہے کیا دلِ حزیں میں      لالہ ہی اُگے ہے اس زمیں میں

دل کیوں نہ عزیز مجھ کو ہوے      ہے نام تمہارا اس نگین میں

اٹھا دیں کس روشِ اس باغِ دل کش سے دل اپنا ہم  
کہ ہر کانٹے سے یاں اُلجھا ہوا اپنا تو داماں ہے

مجھے تو زندگی سی تھی میں اس کو کیا جانوں      نہیں کہو کہ بیا تم نے کس ادا سے دل

ہم مصیبت کشوں کے دن نہ پھر      گو زمانہ کو انقلاب رہا

مرزا اس بن کہ جیتے رہنا      راسخ! کو کیا قرار پایا

صُح سے بتیابی ہے دل کو آہ نہیں کچھ بھاتا ہے  
دیکھئے کیا ہو شامِ تلک جی آج بہت گھبراتا ہے

اب ثنویوں میں سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں :-

یہونچی ہے کارِ دستواں تک      بے مری آسماں کہاں تک  
جینا دشوار ہو گیا ہے      میرا تو چھری تلے گلا ہے  
کاهش ہے غموں کی پیہم جہاں ہوں      مانسہ ہلالِ ناتواں ہوں

کچھ حال نہیں ہے ہائے تن میں  
 غم پر اک غم دیا فلک نے  
 بیغا سے اس کی کیا ہے باقی  
 سو وہ بھی آمادہ گسستن  
 آرام کا عرصہ بس کہ ہے تنگ  
 اس دائرہ فلک میں مجبور  
 کیا کہئے خمیدہ آسمان کو  
 یاں تک کھینچوں کہ ٹوٹ جائے  
 ہوں تار کی طرح پیرہن میں  
 تاراج مجھے کیا فلک نے  
 یک تار نفس رہا ہے باقی  
 یہ چرخ ہے میرے جی کا دشمن  
 دل تنگی سے ہے عجب مرانگ  
 ہوں نقطے کی طرح آہ محصور  
 گر ہاتھ چلے تو اس کہاں کو  
 کب تک عدۂ کوئی اٹھائے  
 (تنبوی حسن و عشق سے)

ایک اور نمونہ :-

دل کے کاشانے کا دیا ہے عشق  
 آب گوہر ہے اور آتش سنگ  
 خون ہو برسا ابر مرزاں سے  
 تپ غم ہو کے استخاں میں رہا  
 گاہ رُسا کہیں رہا اک عمر  
 محاکہ محفل نشین ناز ہوا  
 کو پیہ مئے سے نالہ ہو نکلا  
 روشن اس سے ہے جاں کا کاشانہ  
 شمع ایوانِ کبریا ہے عشق  
 ہر جگہ اس کا اک نیا ہے رنگ  
 ٹپکا آنسو ہو چشم گریاں سے  
 ضعف ہو جان ناتواں میں رہا  
 کہیں پردہ نشین رہا اک عمر  
 کہیں سرتاقدم نیاز ہوا  
 خاک گلشن سے لالہ ہو نکلا  
 ہے پتنگا اسی پہ پروانہ

بزمِ گیتی اسی سے ہے پُر نور      ذرّہ تا مہر ہے اسی کا ظہور  
 بلبّلِ آشفّت ہے سدا اس کی      ہے گلِ تازہ کو ہوا اس کی  
 سینے میں ہو کے دل دھڑک اٹھا      کہیں شعلہ ہوا بھڑک اٹھا  
 (مثنوی جذبِ عشق سے)

## شاہِ امان علی ترقی - ۱۱۸۰ھ تا ۱۲۵۵ھ

نام امان علی - تخلص ترقی - شاگرد شاہِ آیت اللہ مذاقی -  
 وطن پھلواڑی - مرثیہ کا نمونہ حسب ذیل ہے :-

شب عاشور جو کی شہ نے عبادت میں بسر      غمِ فرقت سے ہوئی چاک گریبانِ سحر  
 کہا سجاد کتبیں سرور دیں نے رو کر <sup>(۱)</sup>      آج ہووے گا جراتن سے ہمارا یہ سر

نقدِ جاں را برو دوست فدا خواہم کرد

سر خود گوئے بمیدانِ رضا خواہم کرد

ہم نے شبِ خواب میں دیکھا ہے کہ مادرِ زہرا      ہوئیں اس دشتِ بلا خیز میں جلوہ فرما  
 اپنے گیسوئے سمن سائے کو جا رو ب بنا <sup>(۲)</sup>      خار و خاشاک کو اس دشتِ کزرتیں میں صفا

صاف میدانِ بلا ساختہ گیسوئے بتول

نور پیدا شدہ ہر گوشہ از روئے بتول

داستانِ غمِ شیر نہایت ہے دراز <sup>(۳)</sup> جس کے یک حرف کو سننے سے جگر ہووے گداز

ہونہیں سکتا قلم یک سرِ مو شرح طراز کز ترقی شہ کونین سے تو عرض نیاز

اے شہ از لطف دہی دولت دیدار مرا

کہ بود در دو جہاں با تو سر و کار مرا

تمت المثنیٰ من ترقی رحمۃ اللہ تعالیٰ فی ۱۲۲۷ھ یک ہزار و دو صد

بست و ہفت ہجری - (مجلد قلمی نسخہ پھلوا ری ص ۳۶-۳۱)

## شاہ ظہور الحق ظہور پھلواروی ۱۱۸۵ھ تا ۱۲۳۴ھ

شاہ ظہور الحق، شاہ نور الحق طبّاء کے بیٹے تھے۔ تخلص ظہور۔ پیدائش

۱۱۸۵ھ، وفات ۱۲۳۴ھ۔ وطن پھلواروی شریف، ضلع پٹنہ۔ شاہ نور الحق طبّاء نے

اپنی زندگی میں ہی شاہ ظہور الحق کو اپنی جگہ پر بٹھا دیا تھا۔ اس طرح شاہ ظہور خانقاہ

عمادیہ کے سجادہ نشین ہوئے (سنہ ۱۲۰۰ھ)۔

مولانا محی الدین تمنا پھلواروی رسالہ معاصر میں لکھتے ہیں :-

”سنہ ۱۲۳۰ھ میں بعض اقارب کا اعتقارب کی طویل اور مسلسل ستم کشیوں

سے تنگ آکر حضرت مولانا ظہور الحق محدثؒ کو اچانک شب کے وقت

گھر چھوڑ کر پٹنہ سیٹی چلا آنا پڑا۔ اور ہجرت کے وقت کچھ ضروری

۱۔ پیدائش و وفات کی تاریخیں حکیم شعیب صاحب مرحوم سے معلوم ہوئیں۔ خاندانی کاغذات

میں درج تھیں۔ ۲۔ معاصر، پٹنہ، جنوری ۱۹۲۲ء +

تبرکات اور کتب ضروریہ کے سوا کچھ سامان ساتھ نہ لے جاسکے۔ جب  
 پٹنہ میں قیام کا انتظام قابل اطمینان ہو گیا تو تیسرے دن کچھ لوگوں کو  
 پھلواری روانہ کیا تاکہ باقی کتابیں اور سامان وہاں سے لے آئیں مگر  
 آنے والوں نے مکان کو بالکل جلا ہوا ایک تودہ خاک پایا۔ اور  
 کوئی چیز لانے کے قابل نظر نہ آئی۔ وہ مولانا کے پاس ناکام  
 واپس آئے اور حالت بیان کی۔ مولانا نے فرمایا: ”خوب شد،  
 اسباب خود بینی شکست اور کہا ’الحمد للہ علی کل حال‘“  
 ”حضرت پٹاں اور حضرت سجاد کے اور خود حضرت مولانا  
 ظہور الحق رحمہ (کے)۔ دو اوین فارسی و ذخیرہ کلام اردو اور اکثر  
 تصنیفات، تالیفات اور نیز بعض بزرگان پیشین کی بعض اہم  
 تصنیفیں اسی سلسلے میں ضائع ہو گئیں۔ یہ واقعہ ہے کہ  
 بعض گھروں پر اس وقت تک بعض چیزیں ان میں کی موجود  
 ہیں۔ مگر وہ لوگ دکھاتے تک نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان  
 بزرگوں کے کلام کے بیشتر اجزاء ادھر ادھر سے کسی طرح  
 جمع کئے جاسکتے ہیں۔ وہ بھی بمشکل تمام۔ بعض حصہ کلام تو  
 محض بوسیدہ مسودات پر ہے جس سے بمشکل نقل کیا۔ اور پھر  
 مسودات اس قابل بھی نہ رہے کہ محفوظ رکھے جاسکیں۔  
 کیونکہ اوراق کے جس حصہ پر بھی انگلی پڑی وہ وہیں سے

## سفوف ہوگیب

مجلد مخطوطات کے علاوہ مجھے مخطوطات کا ایک دوسرا پلندہ خانقاہ سلیمانہ پھلواری شریف سے ملا تھا۔ ان مخطوطات کو جناب پرافسر عبدالقادر سروری صدر شعبۂ اردو، عثمانیہ یونیورسٹی اور پرافسر سید حسن عسکری صاحب صدر شعبۂ تاریخ، پٹنہ کالج نے بھی ملاحظہ فرمایا ہے۔ میں ان پر ایک مقالہ بھی لکھ چکا ہوں جو رسالہ ساتی، کراچی (سالنامہ ۱۹۵۲ء) میں شائع ہو چکا ہے۔

دوسرے پلندہ میں شاہ نورالحق طہاں اور شاہ ظہورالحق ظہور کے بہت سے مرثیے مکتوب ہیں۔ ایک مرثیہ کے آخر میں سرخ روشنائی سے حسب ذیل عبارت لکھی ہوئی ہے :-

”ہر چند کہ ایجا جو ہر و آن ہم یوں جواہر مرآت ست۔ جو صخر خط  
راکہ می پرسد۔ لکن یوں جو ہر در جو ہریت مجبور و عرض در  
عزیت معذور است ناچار بدست مؤلف ترقیم یافت۔ وانا لفقر  
المدعو بنظورالحق المطلق.....“ (آگے کاغذ کرم خوردہ ہے)

مذکورہ بیابان میں شاہ نورالحق طہاں اور شاہ ظہورالحق ظہور کے ہاتھ کے لکھے ہوئے مرثیے ہیں جن کے وہ خود مصنف ہیں۔ اب تک مجھے ظہور کی کسی غزل یا کسی دوسری صنف شاعری کا نمونہ سوائے مرثیے کے نہیں ملا۔ مرثیہ کا

علیٰ بن اس سلسلہ میں اپنے عزیز شاگرد علی اکبر قاسم کے عم محترم جناب شاہ جیسی صاحب پھلواری، بن مولانا شاہ سلیمان صاحب مرحوم پھلواری کا بے حد ممنون کرم ہوں۔ (اختر اور نیوی)

نمونہ حسب ذیل ہے :-

(۱)

۱۔ (نمونہ) ایسوی بابل بیت بابل۔

کہیں سکیئہ ہائے رے بابل گیلو سو گیلو گیلو ہے گیلو  
دیس برانا پو اور جنگل گیلو سو گیلو گیلو ہے گیلو  
تج دیونگری اپنو رکھوال گیلو سو گیلو گیلو ہے گیلو  
بابل مورا جو گے راول گیلو سو گیلو گیلو ہے گیلو

(۶)

اپنی بتیا میں کاسے کہوں اب جیرا نہ نکسے نہ موہے چیناں  
آٹھ پہر موہے کل نہ پڑت ہے بیند نہ آوے دن نہ رتیاں  
آنسوَن کے تو چھڑی لگاؤ رکت ہے رووت مورے نیناں  
دیکھو نہ بابل انوکھا یہ بادل گیلو سو گیلو گیلو ہے گیلو

(۷)

نگر براناں لوگ بگانا ٹھا رہے رُوو ہوں اکیلی بن میں  
مُون دیکھاوے جی ڈریاوے لوٹھ پہ لوٹھ نہاروں رن میں  
لوہو آگ لگایو بن میں سلگت آ مورے تن من میں  
بابل گرا کے ہمارا سو پل گیلو سو گیلو گیلو ہے گیلو

(۱۳)

لاکے میں ہاتھ پٹھاروں سندھیا کا کروں گن سن مورے دیا



کمت رہوں میں لکبیاں نہ پتیاں عابد مورے بیرن بہتیا  
 بابل رو سے کت کتا ہاں ایسا نون کا ہے بدینوجیا  
 موسوں کمت نہ سنت گیوسل بل گیلو سو گیلو گیلو ہے گیلو

(۱۸)

موہے کچو نہیں بہاوت بابل کھک کھک مورے بیتن رتباں  
 آپن آوت ناہیں بابل نالکھ بھیجیاں تون موہے پتیاں  
 موہنی مورت توری بابل لگت رہوں ہم اپنی چنتیاں  
 نینن سو مورے تون جو رہت مل گیلو سو گیلو گیلو ہے گیلو

(۱۹)

دھوبیا کا پر دھوے بابل داگ نہ دھوے کوو میرو  
 آگ لوہے کی بھاوے لہرو آگ نہ کہوت کوو میرو  
 اپنوں کلبا آپ ڈست ہون ناگ نہ ہووے کوو میرو  
 تم بن بابل ہم ہیو بیکل گیلو سو گیلو گیلو ہے گیلو

(۲۰)

کا پر میرو مل ہیو بابل ہیو بال ہمارو کٹا  
 دھول پسوان لگ لگ سین پھوٹے چوں جوگی نون جٹا  
 سینڈ رتیل سب چورا بابل توریے کارن جیو ہیو کٹا  
 رووت ڈہرڈ ہر جات مورا کا جل گیلو سو گیلو گیلو ہے گیلو

(۲۴)

ہم جو جانت تہ ہو جو یا سبس تھا روپا ین دہریتوں  
جے تم کام کہت سے کرتیوں پنیاں سین بہریتوں  
ہم سوں کہہ کے جو جاتو بابل جتر اکر کے بد اچھو کرتیوں  
جادن گیلو ہو دن منگل گیلو سو گیلو گیلو ہے گیلو

(۲۶)

بس رے طور اب اگان بس کے بسکی غم کی بتیا بس کے  
نکسے نہ پیر کو بیٹن کا راہ پانکی میں کد ہوں دہنس کے  
کالی ناگن درد کی نکست گیو پھر لوگاں کو ڈس کے  
سرور گیلو پڑ گئی کھل بھل گیلو سو گیلو گیلو ہے گیلو  
غمناک شد شد شد

(غیر مجلد نسخہ، مراٹھی خانقاہ سیلیمانہ پھلوارنی شریف)

طور الحق پھلواروسی کا ایک اور مرتبہ ملاحظہ ہو۔ مرتبہ بتیں بند ہیں

(۲)

(۱) مکمل ہوا ہے۔

باغ بنی یہ آج خزاں کی ہوا ہی  
شمشاد مجتبیٰ کو ملا تخت نوشی  
نیکن کہاں کسی کو حقیقت سے آگئی  
ایسا ہے تخت تختہ تابوت سے بتر

بلبل چمن میں ہے غم قاسم سے نوہ گر  
گل نے کیا ہے جیب و گریباں لہو سے تر  
نچہ جھکا کے سر کو کسے ہو کے گریہ در  
کٹتا ہے آج قاسم نو کہ خدا کا سر

(۳۱)

(۳)

و وعذلیب باغ رسالت امام دین  
یعنی کہ قاسم ابن حسن سرورِ زمیں  
جس کی لگن لگی شکرِ شبیر سے کہیں  
لکن جدا چمن سے رہا زار و نوہ گر

خلعت تمام خوں سے بہا ہائے ہائے  
سہرا لوہو سے سرخ ہوا ہائے ہائے ہائے  
بدلے حنا کے خوں ہی لگا ہائے ہائے ہائے  
زخموں سے رشکِ باغ ہوا جسمِ سرسبز

(۳۲)

دیدم بوقت صبح کہ گلزارِ مرگرسیت  
گل جامہ چاک کردہ بیازارِ مرگرسیت  
دربوستانِ ظہورِ دل افکارِ مرگرسیت  
چوں عذلیب نالہ سرا بود گریہ ور

طیّان کے چودہ (۱۴) مرثیے اور ظہور کے اکتیس (۳۱) مرثیے قلمی نسخہ پھلوری  
میں موجود ہیں۔ پیرافسرِ ثوابِ کریم صاحب ان پر کام کر رہے ہیں۔

شاہ ابوالحسن فرد  
۱۱۹۱ھ تا ۱۲۶۵ھ

نام ابوالحسن۔ تخلص فرد۔ معروف بہ فرد الاولیاء۔ خلف و  
جانشین شاہ محمد نعمت اللہ ولی۔ سجادہ نشین پھلوری۔ بڑے عالم و فاضل بزرگ  
گذرے ہیں۔ ”ابتدا میں اپنی غزلیں اپنے چچا زاد بھائی مولوی شاہ محمد نور الحق طیّان

۱۔ مگر عیدِ عالم ۱۲۶۵ھ ہجری میں فرد کو ”مدظلہ“ لکھتے ہیں۔ مجلہ قلمی نسخہ پھلوری شریف۔  
تجلی لے مددِ ہا الحسن دیئے ہیں۔

کو دکھانے نکتے ۛ (پہلی مء) فارسی کے دو دیوان مطبوعہ ہیں۔ ۲۴ محرم ۱۲۶۵ھ  
کو انتقال کیا۔ نمونہ کلام اردو حسب ذیل ہے :-  
نگاہ مست تیری کس قدر غوریز عالم ہے      عبث آنکھوں کو تیری نگرں بیمار کہتے ہیں

عشق نے رسوا کیا یاں تک مجھے      نام سے میرے جیا کو ننگ ہے

مجھے اپنی تحقیقات کے سلسلہ میں پھلواڑی شریف کی بڑی خانقاہ کے کتب خانہ  
سے فرد کے تیس، پینتیس اردو مرثیے ملے ہیں۔ ایک مسدس کی ہیئت کا مرثیہ  
ملاحظہ ہو :-

① اس طرح قافلے پھرتے ہوئے کم جاتے ہیں  
جس طرح آج کے دن اہل حرم جاتے ہیں  
کفِ افسوس بھی ملتے بہم جاتے ہیں  
تڑ بہ تر اشک سے سرتا بہ قدم جاتے ہیں

کاروانند و ندادند دراء و بحر سے  
نہ ریفقہ نہ اینسے نہ کسے ہمسفر سے

③ راحتِ عیش تھا بے قدر برابر با خاک  
گرد کیوں سے تھا دلِ سینہ بے کینہ پاک

آستین اشک سے تر، جیب و گریباں سب چاک  
منہ پہ تھا گردِ اَلَم آنکھیں تجھیں نوں سے نہ ناک

بہ زمینیکہ فتادے کفِ پائے ایشاں

لالہ میرست زخوٰں نابہ چشمِ ایشاں

ساز و سامان سفر بے سرو سامانی تھی

(۴۲)

دستِ تقدیر میں سوچنے ہوئے تھے کامِ سبھی

سب کی آنکھوں سے تھا خونِ ناب کا دریا جاری

تھی اُسٹھی سب کے دل و جاں سے تمنائے خوشی

بہر و اندر شکستہ دل و خستہ جگرے

بجز غم و درد ندارند ایسے دگرے

ضبطِ نالہ کریں تو سبینہ پھٹا جاتا ہے

(۴۱)

نہ کریں گریہ تو دل غم سے جلا جاتا ہے

نا تو انی سے بدن اپنا گرا جاتا ہے

صبر کا تاب و تواں دل سے اٹھا جاتا ہے

رہ دراز است مرا طاقتِ رفتارِ نہاں

تا بعمرم بجز از رنجِ سروکارِ نہاں

صبر دل چاہئے تا ہو رقتِ دردِ اَلَم

(۴۳)

آگیا رشتہ و اندیشہ میں اب دستِ قلم

اب زباں پر ہے ہراک فرد بشر کے ہر دم  
جب مددگار مرے ہیں یہ امام عالم  
در کینم فلک از گشت نباشد باکم  
کہ فلک را نہ رسد دست بسوئے خاکم

## قادر علی فگار عظیم آبادی

دعوت: زمام پور  
(دو اختصاراً عوام و جوان ہر)

قادر علی عظیم آبادی کی ثنوی 'عشق نامہ' کا ایک نسخہ مجھے ملا ہے۔ یہ  
ثنوی مولانا جامی کے قصہ یوسف و زلیخا کا آزاد چربہ ہے۔ قادر علی کہتے ہیں:-  
ۛ ولیکن قصہ یوسف زلیخا ہراک قصہ سی میری دل کو بھایا  
کہ ہندی کچی یہ ان کی کہانی یہاں کچھ چھوڑئی اپنی نشانی  
ۛ ہزاراں آفرین بر روح جامی یہ قصہ کو کیا جو اس فی نامی  
"عشق نامہ" آب حیات سائز کی ایک قلمی کتاب کا جڑ ہے جس میں  
تین ثنویاں درج ہیں۔ پہلی ثنوی 'عشق نامہ' ہے۔ دوسری ثنوی 'سحرالبیان'  
از میر حسن دہلوی اور تیسری 'کنور کام روپ و کلام'۔ آخر الذکر ناقص الاخر ہے  
نسخہ سے ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ کس کی تصنیف ہے۔

ۛ اس قلمی مجموعہ کی ابتدا ایک فارسی نثری قصہ سے ہوتی ہے جس کے تین اوراق موجود ہیں۔ آغاز داستان  
منقود ہے۔ یہ مجموعہ مجھے ممتاز احمد ریسرچ اسکالر، شعبہ اُردو جامعہ پٹنہ کے ذریعہ ملا۔  
یہ ثنوی انیسویں صدی سے زیادہ مرہون چھپ چکی ہے۔ مغل بادشاہ نے اس کو بہت سے نسخے لکھوائے اور انہیں مال کا  
جسار ہوا۔ ان نسخوں کو کتب خانہ مغل بادشاہ نے جمع کیا۔

مثنوی 'عشق نامہ' کا آغاز یوں ہوتا ہے: س

الہی عشق سی اپنی تو کر شاد مراد دل کر تو اپنا عشق آباد

حَظِ باطل مہری دل سی مٹا دی تو اپنی حُسن کا جلوہ دکھا دی  
منور شمع کر داغ جگر کے کہ بستی ہو ی روشن اس نگر کی  
بڑی آدل میں میری نور ایسا کہ خاک تریہ دل ہو طور ایسا  
ہوس مٹ جای دل سی ماسوا کی رہی باقی ہوا تیری لقا کی

مثنوی 'عشق نامہ' ۱۹۱ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اختتام پر مندرجہ ذیل اشعار ملتے ہیں:-

ہزار و دو صد و دہ اور نہی دو کیا انجام جب اس داستاں کو  
رگنی ابیات جو ہیں اس کی اکبار ہوئی تب سہ ہزار و بیست اشعار  
لکھا تھا عشق سی جو اس کو خاما رکھتا تب نام اس کا عشق ناما

فکار اب خامشی ہی تجھ کو بہتر بھلا ہی اب یہ قصا مختصر کر  
گئی آنکھوں سی نیند اب ناگانی زبان کر بند بس کر یہ کہانی

مثنوی ۱۲۰۸ء میں منظوم ہوئی۔ زیر نظر قلمی نسخہ کا سنہ کتابت ۱۲۵۱ھ ہے۔ کاتب لکھتا ہے:-

”تمام شد نسخہ زلیخا بزبان اردو تصنیف قادر علی عظیم آبادی قدس سرہ تبایخ

ہشتم ماہ جمادی الاول۔ مطابق بست ششم ماہ بہادور ۱۲۴۲ھ فصلی۔ مطابق ۱۲۵۱ھ  
 ہجرے قدسہ از دست یکے از طلبایان کم استعداد عاصی الہ غلام صفدر برائے درس  
 خود از کتاب یکے از دوستان دلبر اکھوری لعل سہاے سنکے صاحب قوم کاہستہ  
 ساکن موضع جگدیشپور بمقام موضع گایگھاٹ پرگنہ بہوچور بدروازہ لالہ گردہاری  
 لعل صاحب قوم کاہستہ .. .. . اختتام یافت ۛ

مجھے قادر علی فگار عظیم آبادی کے حالات سے آگاہی نہیں ہو سکی۔ بہر حال  
 صاحب ذوق شخص معلوم ہوتے ہیں۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے۔ زلیخا کے حسن کی  
 تعریف ملاحظہ ہو :-

قداس کا سروسی رعنا ہوا ہی      بلای عالم بالا ہوا ہی

.....

یہ پیشانی کے اس کی تھی صفائی      کہ آتی تھی نظر اس میں خدائی  
 نہیں چیں برجیں وہ نازنین ہو      کہاں ممکن کہ آئینی میں چہین ہو

.....

خار حسن سی آنکھیں سیہ مست      نگہ کرتی تھی آہو کی طرح جست  
 زلیخا کے عشق کا حال دیکھے :-

زلیخا خواب میں دیکھ اسکی صورت      نبی حیرت سی ماہکی وہ مورت

.....

ہوی ہو اور وہ در خواب شیریں      رہی بیہوش ہو جو نقش قالین



وہ رخسارہ جو تھا جیوں شمع کا فور ہوا مثل چراغ صبح بے نور  
 مجموعی طور پر شنوی بہت رواں اور پُر اثر ہے۔ اس میں روایتی رنگ  
 ہر جگہ موجود ہے۔ لیکن تشبیہات و استعارات میں شاعر نے اپنی اُپج بھی  
 دکھائی ہے۔

## بہار کے تذکرہ نگار شعراء

غلام حسین شورش متوفی ۱۱۹۵ھ  
 ۱۱۹۳ھ

شورش، میر باقر حزیں کے شاگرد تھے۔ ان کی شہرت شاعری سے زیادہ  
 تذکرہ نگاری کی وجہ سے ہے۔ تذکرہ کا صرف ایک قلمی نسخہ اب تک دستیاب ہو سکا  
 ہے۔ یہ بوڈلین لائبریری آکسفورڈ میں ہے۔ اب پٹنہ یونیورسٹی نے اس کی فوٹو اسٹیٹ  
 کاپی منگوائی ہے جو میری نظر سے بھی گزری ہے۔ پرنسپل کلیم الدین احمد صاحب  
 کی مساعی جیلہ کی وجہ سے یہ خزانہ انگلستان سے ہندوستان آیا۔ آرٹ فیکلٹی  
 کے ’ڈوین‘ کی حیثیت سے آپ نے بہت سے کارنامے نمایاں کئے ہیں۔  
 ان میں یہ بھی ایک اہم کام ہوا ہے۔ مذکورہ قلمی نسخہ سے اسپیئرنگر نے اپنی

فہرست کتب خانہ شاہان اودھ مرتب کرنے میں مدد ملی تھی۔ اس تذکرہ کی تالیف کی ابتدا مؤلف کی وفات کے چند سال پہلے سے ہوئی ہے اور تکمیل، وفات سے کچھ قبل۔ اس کی زبان ہرگز اُردو نہیں۔ عزیز الدین بلخی مرحوم اور دوسرے لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس کا باعث یہ ہے کہ صاحب گلزار ابراہیم نے لکھا ہے کہ ”شورش تذکرہ در ریختہ نوشتہ“ در ریختہ کے معنی شعرائے ریختہ کے متعلق کے ہیں۔ بہر حال ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ اب ہمارے پاس قلمی تذکرہ کا باضابطہ اور مصدقہ نوٹ موجود ہے۔ بوڈین لائبریری آکسفورڈ کی فہرست میں اس کا سال تصنیف ۱۱۹۳ھ لکھا ہے۔

میر غلام حسین شورش عظیم آباد کے رہنے والے تھے۔ ان کے پیدائش کا علم نہیں۔ بلخی سال وفات ۱۱۹۵ھ لکھتے ہیں اور قاضی عبدالودود صاحب ۱۱۹۳ھ بتا رہے ہیں۔ مگر آخر الذکر صاحب مُشْتَبَہ ہیں۔ شورش کا دیوان ریختہ میں مرتب تھا مگر وہ ہنوز ملا نہیں۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:-

رقیب گرچہ بہت برخلاف ہے شورش ہوا کرے ہیں ہے یار اپنے کام سے کام  
(تذکرہ گلشنِ پنجار)

کسی کو خُم سے غرض ہے کسی کو جام سے کام قسم مٹان کی ہے ساقی کے مجھ کو نام سے کام  
ہماری صبحِ رُبِخ یار شام زلفِ نگار نہ حرمِ ماہ کے ہے ہم کو صبح و شام سے کام  
(شعر المند)

۱۔ مقدمہ دیوان رضا، از قاضی عبدالودود۔ معاصر، پٹنہ + ۲۔ تاریخ شعرائے بہار، بلخی، ص ۲۶ + ۳۔ حدائق عام، عید نمبر ۱۹۶۳ء۔ پرافسر ودائی نے بھی اس سے بحث کی ہے۔ بہار اور اُردو شاعری ص ۳۱ + ۴۔ تاریخ شعرائے بہار، بلخی ص ۲۶

ہم جو روتے ہیں لوگ ہنستے ہیں      ہنستے ہی گھر سنا ہے بستے ہیں  
 رو برو جلنے کی رخصت نہیں دیتے درباں      حالِ دل میں پس دیوار سنا آتا ہوں  
 (تاریخ شعرائے بہار)

## نواب علی ابراہیم خان خلیل — بہنا ۱۲۰۸ھ

نواب امین الدولہ عزیز الملک علی ابراہیم خان بہادر، نصیر جنگ المتخلص بہ خلیل  
 عظیم آبادی۔ یہ نواب میر تقاسم علی خان عالی جاہ کے وزیر تھے۔ کچھ دنوں تک عظیم آباد  
 کے صوبہ دار اور نائب ناظم بھی رہے۔ اس دور کے بیشتر شعراء نواب کے  
 واقف کار اور کسی نہ کسی رنگ میں عالی جاہ کے متوسلین میں سے تھے علی ابراہیم  
 خان نے نواب عالی جاہ کی رفاقت خوب کی مگر عالی جاہ کی بربادی کے  
 بعد وہ نواب اودھ، شجاع الدولہ سے بے تعلق ہوئے اور مرشد آباد کا رخ  
 کیا۔ لارڈ ہسٹنگز گورنر جنرل نے ان کو عدالت دیوانی ضلع بنارس کا حاکم اعلیٰ مقرر  
 کر دیا اور لارڈ کارنوالس کے عہد میں انہیں وہاں کی گورنری بھی ملی۔ قیام  
 بنارس کے دور میں تالیف و تصنیف میں مشغول ہوئے۔

خلیل، اردو و فارسی دونوں کے شاعر تھے۔ لیکن ان کی شہرت  
 تذکرہ گلزار ابراہیم کی وجہ سے ہے۔ یہ تذکرہ منج شدہ شکل میں انجمن ترقی اردو (ہند)

دہلی کی طرف سے شائع ہوا تھا۔ دو قلمی نسخے کم از کم پٹنہ میں موجود ہیں۔ نواب علی ابراہیم خاں خلیل عظیم آبادی نے ۱۱۸۴ھ میں ’تذکرہ گلزار ابراہیم لکھنا شروع کیا اور ۱۱۹۸ھ میں تمام کیا۔ یہ تذکرہ بھی فارسی زبان میں ہے۔ قاضی عبدود صاحب مقدمہ دیوان رصا میں لکھتے ہیں کہ :

”مقدمہ دیوان جوشش میں لکھا گیا تھا کہ مصنف تذکرہ (گلزار ابراہیم، ناقل، کہ) ’نہیال عظیم آباد میں تھی، صحیح یہ ہے کہ علی ابراہیم خاں کے نانا مولوی نصیر شیخوہ کے رہنے والے تھے۔ اور ایران سے واپسی کے بعد عظیم آباد میں اقامت پذیر تھے۔ سیر المتاخرین نوکثوری ص ۶۱“

نواب علی ابراہیم خاں، شیخوہ ر ضلع مونگیر کے رہنے والے تھے۔ تذکرہ گلزار ابراہیم بنارس کے قیام کے دوران مکمل ہوا۔ خلیل مرشد آباد میں بھی رہے ہیں۔ ان کے والد کا نام خواجہ عبدالحکیم تھا۔

تصانیف :- ① گلزار ابراہیم - شعرائے رنجیت کا تذکرہ - ۱۱۸۴ھ  
ابتداء، ۱۱۹۸ھ (مطابق ۱۷۸۳ء تکمیل)۔

② صفحہ ابراہیم - شعرائے فارسی کا تذکرہ - ۱۲۰۵ھ میں مکمل ہوا۔ ”نیف بخشن زما“

(۱۲۰۵ھ)۔

③ خلاصۃ الکلام - فارسی منظوم نگاروں کا تذکرہ -

④ وقائع جنگ مرہٹہ - لارڈ کارنوالس کے زمانہ میں، ۱۸۱۷ء۔

⑤ ایک رسالہ راجہ چیت سنگھ والی بنارس کی بغاوت، کے حالات میں۔

⑥ 'خطوط' - برٹش میوزیم - خطوں کے دو طبقہ، قطع میں اور چھپ کر۔  
 اُن کا اردو کلام اب نایاب ہے

تاریخ شعرائے بہار میں صرف چار اشعار درج ہیں۔ لکھا ہے، بہت تلاش سے

ملے ہیں۔

خلش رکھتا ہوں جبے دل مرا چوں غارِ پسلو میں      ہوا رکھنا ہے اس دشمن کا کیا دشوارِ پسلو میں  
 دل پر درد ہو جس کا او سے آرام کیا ہوئے      یہ سچ ہے کیونکہ سووے جہر کو ہو بیمارِ پسلو میں  
 اور رونے سے میرے تر ہو اجیب و کفار آخر      خلیل آنکھوں کو ہاتھوں ہو گیا گمراہِ پسلو میں

اڑ گئے کچھ حواس سے میرے      اٹھ گیا کون پاس سے میرے

۳ مختصر ماحولیات فارسی : اوجا کا

## وجیہ الدین عشقی

شیخ محمد وجیہ الدین عشقی، شیخ غلام حسین مجرم کے بیٹے تھے۔ وطن عظیم آباد۔

عشقی کے والد محترم بھی اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ اُن کا ایک اردو

۱۔ 'تاریخ شعرائے بہار' از عزیز الدین بلی راز، ص ۱۷۷۔ اور 'بہار کی اردو شاعری' از قاضی عبدالودود،

مدائے عام، عید نمبر ۳۵ ص ۲۔ و مقدمہ دیوان بوشش و مقدمہ دیوان رضا۔ از ق۔ ع۔ و +

مرثیہ بھی قاضی عبدالودود صاحب کی نظر سے گزرا ہے۔ عشقی فارسی انشا پردازی میں بڑا پایہ رکھتے ہیں۔ مرزا غالب نے اپنے بعض خطوط میں ان کا ذکر کیا ہے۔ عشقی اٹا وہ اور ڈھا کہ وغیرہ میں بھی رہے ہیں۔ آخر دفعہ جو ڈھا کہ گئے تو پھر واپس نہ آئے۔ اور وہیں انتقال کیا۔

عشقی کی سب سے مشہور چیز اُن کا تذکرہ ہے۔ انہوں نے شعرائے اُردو کا تذکرہ فارسی میں لکھا۔ اس کا آغاز تیرھویں صدی کے اوائل میں ہوا اور انجام ۱۲۳۳ھ میں۔ ممکن ہے اس کے بعد تک آخری قلم کاری ہوتی رہی ہو۔ تذکرہ عشقی کے دو نسخے اس وقت تک دستیاب ہوئے ہیں۔ ایک آکسفورڈ میں ہے اور ایک قاضی عبدالودود صاحب کے پاس۔ تذکرہ کے علاوہ ”ایک دیوان اور مثنوی“ یادگار چھوٹی تذکرہ گارسان و تناسی تذکرہ عشقی سے ماخوذ ہے۔ افاحسین قلی خاں عاشقی عظیم آبادی صاحب تذکرہ ”نشر عشقی“ (مؤلف ۱۲۳۳ھ) عشقی کے شاگرد تھے۔ اور بہترے شعراء اُن کے تلامذہ میں تھے۔ قاضی عبدالودود صاحب نے بقول ”عشقی، اُردو برائے نام کہتے تھے“ ممکن ہے کہ تذکرہ ’روز روشن‘ میں فارسی دیوان کا ذکر ہو۔ تذکرہ عشقی میں قریباً ستر عظیم آبادی شعراء کا ذکر ہے، خواہ وہ یہاں کے پُرانے متوطن ہوں یا یہاں مقیم ہوں۔ ڈاکٹر اسپرنگر کے ’کیٹ لاگ‘ سے پتہ چلتا ہے کہ تذکرہ عشقی کا قلی نسخہ شاہان اودھ کی لائبریری میں موجود تھا اور بقول گارسان و تناسی ایک قلی نسخہ مٹرجے۔ بی۔ ایٹ کے پاس بھی تھا۔ تذکرہ عشقی میں جتنے شاعروں کا ذکر ہے اُن کے

نام اور حالات مع اضافہ تحقیقات کے ڈاکٹر اسپرنگر کے ’کیٹ لاگ آف اودھ لائبریری‘  
(فہرست کتب خانہ شاہان اودھ) اور تذکرہ ”گارساں دتاسی“ (تاریخ ادبیات  
ہندی و ہندوستانی) میں عشقی کے والد کے ساتھ موجود ہیں۔ شعر آئندہ جلد اول کے  
دیباچہ میں لکھا ہے کہ رحمت اللہ عشقی عظیم آبادی نے ۱۱۵۱ھ میں ایک تذکرہ رنجیت  
مرتب کیا۔ یہ صحیح نہیں۔ عشقی تخلص اور رحمت اللہ نام کا اجتماع عظیم آباد میں  
نہیں ہوا۔

تذکرہ ”روزِ روشن“ (۱۲۶۱ھ) از عمرتی عظیم آبادی میں مذکور ہے کہ انہوں  
نے خود عشقی کا دیوان وثنوی اور دیگر تصنیفات نظم و نثر وغیرہ ڈھاکہ میں عشقی کے  
اجاب کے پاس دیکھیں۔ ہنوز مجھے اُردو نمونہ کلام کہیں نہیں مل سکا۔  
نوٹ:- ۱۔ انا حسین نفلی خاں بن آغا علی خاں قاجار وجیبہ الدین عشقی کے شاگرد تھے۔  
ان کا وطن اصلی خراسان تھا۔ عظیم آباد میں پیدا ہوئے انہوں نے تذکرہ  
”نشر عشق“ لکھا۔ اس میں ایران و ہند کے چودہ سو شاعروں کا تذکرہ ہے۔  
اُردو میں کہتے تھے ۵

جس سے کہ میں پوچھوں ہوں مزاعشق کا کیا ہے

رو رو کے یہ کہتا ہے کہ کچھ کہہ نہیں سکتا

عشقی کے ایک اور شاگرد خواجہ حبیب رجان شائق، ڈھاکہ میں تھے۔

(تذکرہ ”روزِ روشن“ عمرتی)

# شعراے شاہجہاں باد جو عظیم آباد میں آباد ہوئے

میر محمد باقر حزیں - متوفی ۱۱۶۵ھ

نام میر محمد باقر، تخلص حزیں۔ دہلی کے رہنے والے۔ حضرت مرزا منظر جانچانا کے مرید اور شاگرد رشید۔ محمد شاہ بادشاہ کے عہد سلطنت کے شاعر تھے۔ حملہ نادری کے بعد پریشان حال ہو کر عظیم آباد چلے آئے۔ (قریباً ۱۱۵۴ھ)۔ نواب سید احمد خاں صولت جنگ سے وابستہ رہے۔ ۱۱۶۵ھ میں فوت ہوئے۔ ایک دیوان (قصائد وغزلیات) یادگار چھوڑا۔ سودا نے بھی انہیں اکابر شعراء میں شمار کیا ہے۔ شورش عظیم آبادی حزیں کے شاگرد تھے۔ نمونہ کلام حسب ذیل ہے :-

یہ کیکے باغ سے رخصت ہوئی ببل کہ یا قسمت      لکھا تھا یوں کہ فصل گل میں چھوڑیں آشیاں اپنا

دیراں ہوا خزاں سے چن یاں تلک کہ اب      چاہیں کہ جل مریں تو کہیں خار و خس نہیں

جو ہیں آنکھوں کو مخور او نکو منجانے سے کیا نسبت      نگہم کو جو ہیں تشنہ او نکو پیمانے سے کیا نسبت  
ہوا ہر تحریر دیوانہ ان شہری غزالوں کا      تجھے صحر سے اب کیا کام ویرانے سے کیا نسبت

علامہ تاریخ شعراء بہار ص ۱۱۶۵ - بحوالہ تذکرہ فتح علی گڑ دیوبند (مؤلفہ ۱۱۶۵ھ) +



# اشرف علی خاں فغاں - متوفی ۱۱۸۶ھ

اشرف علی نام - مرزا علی خاں کے فرزند - فغاں تخلص - احمد شاہ بادشاہ کے کوکہ (سو تیلے بھائی) تھے - حاضر جواب، لطیف گو، ظریف و بذلہ سخ - خطاب شاہی - ظریف الملک کوکہ خاں - احمد شاہ ابدالی کے حملوں سے پریشان خاطر ہو کر مرشد آباد گئے - پھر فیض آباد - نواب اودھ شجاع الدولہ نے بہت آؤ بھگت کی مگر بے تکلفی میں گرم پیسے سے ان کا ہاتھ داغ دیا - فغاں جل کر عظیم آباد چلے آئے - یہاں ہمارا بھتیجا راسے کی قدردانی دامن گیر ہوئی - عظیم آباد سے کہیں نہ گئے - ۱۱۸۶ھ میں یہیں وفات پائی - ان کی قبر محلہ دھول پورہ میں شیر شاہی مسجد کے قریب ہے - قبر کے پتھر پر تاریخ انتقال کندہ ہے - ”سیرور دہلا رفت“ - نواب علی ابراہیم خاں خلیلی کے بقول فغاں کے دیوان ریختہ کے علاوہ ان کی دو مثنویاں بھی تھیں - ان میں سے ایک بحویہ تھی - نمونہ کلام حسب ذیل ہے :-

ہستی کے خرابے نظر آتے جو عدم میں	ہرگز کوئی اس خواب سے بیدار نہ ہوتا
دل بستگی قفس میں یہاں تک ہوئی بے	گویا مراجن میں کہیں آشیاں نہ تھا
جھٹ تو ترپے ہر کنج قفس میں مرغ چمن	اسی ترپ میں تو یہ بال و پر گئے اپنے
میری طرف سے خاطر مباد جمع ہے	کیا اڑ سکے گا طائر بے بال و پر کہیں
مباد راہ باغ فراموش ہو گئی	کنج قفس سے مت مجھے آزاد کیجیو

مل - ’تاریخ شہرے بہار‘ - ج ۱ - صفحہ ۵۲

فغان کا قلمی دیوان ، اصلاح ، لاہری دسہ ، ضلع پٹنہ میں محفوظ ہے۔ (شہاب  
راے از مولانا سید ابو ظفر ندوی۔ بہار نمبر ۱۹۳۵ء ص ۲۹۷ +

## میر ضیا الدین ضیا

میر ضیا الدین <sup>حسن</sup> بنام۔ ضیا تخلص۔ دہلی کے رہنے والے۔ سودا کے ہمعصر۔ وہاں سے  
نکل کر فیض آباد و لکھنؤ ہوتے ہوئے عظیم آباد میں آکر بس گئے۔ راجہ شہاب راے کے  
بیٹے ان سے نہایت اچھا سلوک کیا کرتے تھے۔ میر حسن دہلوی ان سے اصلاح لیا  
کرتے تھے (تذکرہ میر حسن)۔ نواب علی ابراہیم خاں سے تذکرہ گلزار ابراہیم لکھتے وقت  
تک اوقات نہیں ہوئی۔ اس امر کا صاحب تذکرہ نے ذکر کیا ہے (تاریخ شعرائے  
بہار ص ۲۵)۔ ۱۱۹۶ھ تک زندہ تھے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو :-

کل کی رسوائی تجھے کیا بس نہ تھی اے ننگ خلق  
اوس کے کوچہ میں ضیا تو آج پھر جانے لگا

رسوائیوں کی اپنے مجھے کچھ ہوس نہیں      ناصح پہ کیا کروں کہ مرادل پہ بس نہیں  
کچھ کل سے بھی زیادہ ہے بیتاب آج تو  
قاصد ضیا کو کیسی خبر آ کے کہ گیا

بھول کر بھی کبھی نہ یاد کیا      ہم ترے جی سے ایسے بھول گئے

## شاہ رکن الدین عشق — متوفی ۱۲۰۳ھ

شیخ رکن الدین نام۔ عرف شاہ گھسیٹا۔ شیخ محمد کریم فاروقی کے بیٹے اور شاہ محمد فرہادؒ ابوالعلائیؒ کے نواسے تھے۔ وطن دہلی تھا۔ بچپن سے آغاز جوانی تک وہیں رہے۔ غالباً درابنوں کے حملہ کی شہر آشوبی سے متاثر ہو کر وطن چھوڑا اور مرشد آباد پہنچے۔ خواجہ محمدی خان رسالہ دار نواب میر قاسم علی خاں عالی جاہ کی رفاقت میں ”ہزار سوار کی افسری کے منصب پر فائز ہوئے“ مرزا علی لطف اور اکثر تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عشقؒ ایام شباب میں شاہجاں آباد سے مرشد آباد آئے۔ ”یادگار عشق“ از مولوی سید حسن رضا صاحب ثاقب عظیم آبادی میں حضرت عشقؒ کی عمر سو برس قرار دی گئی ہے۔ اور سال ولادت ۱۱۰۳ھ متعین کیا گیا ہے۔ یہ تاریخی لحاظ سے بالکل صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ میر قاسم کے عہد نظامت کا آغاز ۱۱۷۲ھ مطابق ۱۷۶۷ء میں ہوا۔ یہ قرین قیاس نہیں کہ اکثر سال کی عمر میں عشقؒ کو فوجی ملازمت ملی ہو۔ ایک عرصہ تک اس رنگ میں بسر کرنے کے بعد فقر و درویشی کی طرف مائل ہوئے اور نزرک ملازمت کر کے عظیم آباد چلے آئے۔ حضرت مخدوم منعم پاک رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ سے فیض پایا اور بقیہ عمر ذکر الہی و خدمت خلق

۱۔ تاریخ شولہ بہار بمبئی ۳۲-۳۳ھ + ۱۹۱۳ء + ۱۔ ”یادگار عشق“ حالات زندگی، خصوصیات شاعری و انتخاب کلام مع مقدمہ علامہ سلیمان ندوی ۱۹۲۹ء + ۲۔ ”گلشن ہند“ : مرزا لطف علی۔ تذکرہ مصنف و تذکرہ میر حسن، و تاریخ تذکرہ اکرام از شاہ محمد کبیر صاحب ابوالعلائی دانا پوری +

میں گزاردی۔ ۱۲۰۳ھ میں وفات پائی۔ فدویٰ فی تاریخ وفات لکھی ہے

گفت فدویٰ سال تاریخ وفات ہادی شاہ رکن الدین عشق

کسی مستند تذکرہ میں سال پیدائش درج نہیں اور قطعی طور پر یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ عشق عظیم آباد کس سال تشریف لائے۔ قرینہ غالب یہی ہے کہ ۱۱۶۴ھ کے چند سال بعد تشریف فرمائی ہوئی ہوگی۔ میر قاسم عالی جاہ کی نظامت کا عہد ۱۱۶۴ھ تا ۱۱۶۸ھ (۱۷۶۱-۶۴ء) ہے۔ جناب ثاقب عظیم آبادی نے حضرت عشق کے ورود کا سال ۱۱۶۲ھ بحوالہ کیفیت العارفین لکھا ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ حضرت عشق قریباً پچیس سال تک عظیم آباد میں اقامت گزریں رہے۔ ڈھاکہ، مرشد آباد، عظیم آباد و بہار کے اہل عقیدت آپ پر پروانہ وار نشر ہوتے تھے۔ نواب علی ابراہیم خلیل اور دوسرے تذکرہ نویس حضرت عشق کا ذکر بڑے ادب و احترام سے کرتے ہیں۔ پروفیسر درویشی لکھتے ہیں :

”اگر ملکہ نور جہاں ایرانی نژاد ہونے کے باوجود ایک ہندوستانی

ملکہ کہلا سکتی ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ میں شاہ گھسیٹا یا میاں فدویٰ

کو عظیم آبادی شاعر نہ کہوں“

نواب شیفتہ صاحب گلشن بے غار نے بھی عشق کو ”از سخن پرورانِ معروف

عظیم آباد“ لکھا ہے۔

۱۔ نواب علی ابراہیم خلیل سند وفات ۱۱۹۵ھ لکھتے ہیں۔ لیکن ایک اور تاریخ وفات بے محمدی صاحب مرقوم

شاہ کا آئی کی۔ ”آفتاب طریقت“ (۱۲۰۳ھ)

۲۔ بہار اور اردو شاعری، معین الدین درویشی ۱۳۳۳ + ۳۳ گلشن بے غار، ص ۱۳۲ +

عشق کا اُردو دیوان مرتب ہے۔ دیوان کا ایک قلمی نسخہ پیرس میں پراسفر گارسان دتاسی کے پاس تھا۔ ایک دوسرا قلمی نسخہ خانقاہ 'تکیہ حضرت عشق'، پٹنہ سیٹی میں موجود ہے۔ تیسرا قلمی نسخہ خانقاہ پھلواری شریف کے کتب خانہ میں ہے۔ دیوان ریختہ میں غزلیں، رباعیاں اور مثنویاں ہیں۔

حضرت عشق کی زندگی اور شاعری سے متعلق 'یادگار عشق'، از مولوی سید حسن رضا صاحب ثاقب عظیم آبادی نہایت ہی غنیمت تذکرہ ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے مختصر مگر بصیرت افروز مقدمہ لکھا ہے۔ اسلامی پریس صدر گلی، پٹنہ سیٹی سے یہ چھوٹی سی کتاب ۱۹۲۹ء میں شائع ہوئی۔ ایک نسخہ میرے پاس موجود ہے۔ باب اول حالات زندگی میں ہے۔ باب دوم خصوصیات شاعری میں، اور باب سوم انتخاب کلام عشق پیش کرتا ہے۔ تذکرہ میں ہمعصر شعرائے عظیم آباد، پھلواری شریف اور مرشد آباد کے بارے میں بھی اہم اطلاعات ملتی ہیں۔ شاعر عظیم آبادی نے بلا ثبوت یہ بات اپنی کتاب 'تاریخ صوبہ بہار' اور 'حیات فریاد' میں لکھ دی ہے کہ حضرت عشق کو راسخ عظیم آبادی سے تلمذ تھا۔ یہ بالبداهت غلط ہے۔ راسخ ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوئے۔ اور ان کے ہوش سنبھالنے سے پہلے عشق مسلم الثبوت اساتذہ میں شمار کئے جانے لگے تھے۔ جیسا کہ تذکروں سے ثابت ہے۔ حضرت عشق کے کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے۔ اس میں صوفیانہ، عارفانہ، و عاشقانہ کیفیت ہے۔ درد و میر کا انداز ہے۔

تذکرہ 'طبقات الشعراء'۔ از مولوی کریم الدین، ۱۳۳۵ء + ۲۷ تاریخ شعرائے بہار: تلخیص ۲۶-۲۵  
 'یادگار عشق'، از ثاقب عظیم آبادی +

آہ جانسوز کو سرد فتر دیوان کیا عشق نے دیکھتے ہو پہلے ہی طوفان کیا

عرشِ تافرش سیر کر دیکھا تو ہی آیا نظرِ جدھر دیکھا

آگے میاں نصیب ہے سرسبز ہونہ ہو دل کی زمیں میں تخمِ محبت تو بویا

چین ہی اس دل بے تاب کا منظور نہ تھا ورنہ آنا ترا مجھ پاس تو کچھ دور نہ تھا

داغِ دل کا تو کبھی ہم سے مٹایا نہ گیا یہ دیا وہ ہے جو دن کو بھی بجھایا نہ گیا

نہ بتخانہ کو جاتے ہیں نہ کعبہ میں بھٹکتے ہیں جہاں تم پاؤں رکھتے ہو وہاں ہم سر ٹپکتے ہیں

کیا پوچھتے ہو مجھ سے کہ کیوں تو نے رو دیا دل نے کیا تھا جمع سو آنکھوں نے کھو دیا

عشقِ یادش بخیر اے یارو آگے آتا تھا اب نہیں آتا

محنتِ دل سوئے دیدہ آتا ہے ٹوکومت! نورِ دیدہ آتا ہے

دل دھڑکتا ہے آج کچھ بے طور کوئی خنجر کشیدہ آتا ہے

تیسرے کے نام پر تڑپتا ہے اس طرح کا کہیں جگر دیکھا

ڈر سے اُس کے زباں پہ حرف نہیں تِس پہ ہے بدگمان کیا کہئے

اُس کے دامنِ تلک نہ پہونچے ہم خاک میں آپ کو ملا دیکھا

میری آنکھوں سے وہ جُدا بھی نہیں گو وہ مجھ پر نظر نہیں رکھتا

بسا ہر دل میں آ وہ خانہ دیراں خدا وندا اُسے آباد رکھنا

اپنی آنکھوں سے پوچھ اے خوش چشم مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا دیکھا

مکن نہیں جی بچے سحر تک باقی ہے ابھی دوپہر رات

جان کو بے قرار پاتے ہیں دل کو بے اختیار پاتے ہیں

یہُں، یہ ادا یہ نگاہیں یہ گرمیاں نامِ خدا کہاں ہیں کسی طرح در میں  
 نذر کو کچھ نہ تھا مجھ پاس دلِ بے اختیار لایا ہوں  
 ایک دن بھی خیالِ دلداری نہ کیا آہ تو نے پر نہ کیا  
 کون سی رات خونِ دل سے عشقِ دامن و آستین کو تر نہ کیا  
 جاتا ہے فلک کے پار نالہ یہ تیر بھی کا رگر نہ ہوگا  
 دل کے ہاتھوں خراب پھرتا ہوں اس میں کچھ اختیار ہے میرا  
 بولے تو زبانِ جل جائے چپکے رہے تو جانِ جل جائے  
 کس کی بستی ہے کون بستا ہے کر بلا جس کے گھر کا رستا ہے  
 تم حبث اب ڈھونڈتے ہو آشیانِ عندلیب

مُشت پر گلشن میں باقی ہے نشانِ عندلیب

## مرزا محمد علی فدوی - سنہ ۱۲۱۹ھ متوفی

مرزا محمد علی عرف مرزا بھویا جو دہلی کے رہنے والے تھے۔ احمد شاہ  
 بادشاہ کے دربار میں وفائے نوبین کی حیثیت سے ملازم رہے۔ دہلی سے

علی قاضی عبدالودود صاحب اور پرافسر حسین سلمہ کو اس بیان پر شبہ ہے۔ احمد شاہ کا عہد سلطنت (۱۱۶۲ھ تا ۱۱۶۹ھ)

۱۱۶۹ھ) مختصر رہا ہے۔ فدوی کی پیدائش اگر ۱۱۴۴ھ کے لگ بھگ مانی جائے تو یہ ممکن ہے۔ لیکن اس صورت

میں وہ جوانی میں عظیم آباد نہیں آسکتے، بلکہ ۴۵ - ۵۰ سال کی عمر میں یہاں آنا زیادہ قرین قیاس ہے۔

مرشد آباد گئے۔ کچھ دنوں وہاں مقیم ہوئے۔ سن ۱۱۹۰ھ میں عظیم آباد آکر مستقل سکونت اختیار کی۔ حضرت عشق کے علوم ظاہری و باطنی میں شاگرد ہوئے۔ سن ۱۲۱۱ھ میں انتقال کیا۔ فن موسیقی میں بھی ماہر تھے۔ ان کا اردو دیوان مکمل ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ مولوی سید ضمیر الحسن صاحب رئیس موضع گیلانی، مضافات بہار شریف کے کتب خانہ میں ہے۔ دوسرا روائل ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ کی لائبریری میں اور تیسرا پٹنہ یونیورسٹی کے شعبہ خطوطات میں۔ آخر الذکر پرافسر حسن عسکری صاحب کو پٹنہ سیٹی سے ملا۔ پرافسر حسین سلمہ عظیم آبادی فدوی پر ریسرچ کی تکمیل کر چکے ہیں۔ انہوں نے کئی سال کی محنت سے قلمی نسخوں اور تذکروں سے مواد مہیا اور دیوان فدوی مرتب کیا ہے۔ اُن کا مقالہ پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لئے پیش ہو چکا اور انشاء اللہ شائع بھی ہوگا۔

فدوی کی شاعری میں لفظی خوبیوں کے ساتھ درد و گداز بھی پایا جاتا ہے۔  
نمونہ کلام حسب ذیل ہے :-

چل ساتھ کہ حسرت دلِ مرحوم سے نکلے      عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے  
ہی ملے تو یہ حال ہے فدوی      وہ ملے گا تو کیا غضب ہوگا

۱۔ تذکرہ گلزار ابراہیم۔ فدوی کا تذکرہ گلشن بے خار، ۱۴۷۱ھ اور تذکرہ میر حسن میں بھی ہے۔  
۲۔ تذکرہ ہند ۱۳۲۰ھ۔ اور تذکرہ شورش عظیم آبادی میں +

۳۔ تاریخ شعرائے بہار: لجنہ۔ مگر دردائی نے 'بہار اور اردو شاعری' میں اسی شعر کو یوں لکھا ہے :-  
چل ساتھ کہ حسرت دلِ مرحوم سے نکلے      عاشق کا جنازہ بھی ذرا دھوم سے نکلے



کیوں کی اودھرنگاہ جو وہ محسوس پا گیا      دل پر ہوئی جو ہونی تھی آنکھوں کا کیا گیا  
 بیخودی اور شرم سے باتوں کا کس میں ہوش تھا      وہ اودھرخاموش تھا کل میں اودھرخاموش تھا  
 وہ ہم پہ مہربان کبھی ہے کبھی نہیں      جینے کا اب گمان کبھی ہے کبھی نہیں  
 پھرتے تھے تم تو آنکھ بچائے پچھے پچھے      نکلا کہ صر ہے چاند جو آئے پچھے پچھے  
 تری ہم نے تاثیر بس آہ دیکھی      نہ آیا وہ کافر بہت راہ دیکھی

## ہمارا جہ کلیان سنگھ عاشق ۱۱۶۵ھ تا ۱۲۳۶ھ ۶۱۸۴۱

ہمارا جہ کلیان سنگھ تخلص عاشق - یہ ہمارا جہ شباب رائے کے بیٹے تھے۔  
 باپ کے مرنے کے بعد ان کا منصب بھی پایا تھا۔ ان کی پیدائش بھی دھلی کی ہے  
 مگر کم عمری میں پٹنہ چلے آئے تھے۔ ان کی شاعری آنغوش عظیم آباد میں  
 پروان چڑھی۔

پرافسر سید حسن عسکری صاحب نے مدیم بہار نمبر ۱۹۴۲ء میں ایک سیر حاصل  
 مقالہ بعنوان صوبہ بہار کے آخری ہندوستانی گورنر لکھا تھا۔ اس میں بڑی تفصیل سے  
 اس زمانہ کے حالات کا پس منظر اور انتظام الملک ممتاز الدولہ ہمارا جہ کلیان سنگھ  
 بہادر تھوڑے جنگ کے احوال پیش کئے ہیں۔ پرافسر موصوف نے خلاصۃ التواریخ اور  
 واردات قاسمی (۱۲۲۶ھ) مؤلفہ ہمارا جہ کلیان سنگھ، ان کی دوسری تصانیف

مل تذکرہ 'معراج الجنان' از عبرتی عظیم آبادی۔

کے قلمی نسخوں اور بتیرے تاریخی شواہد سے مواد اکٹھا کیا ہے۔

ہمارا راجہ کا خاندان دہلی کا سکسینہ کاؤستہ خانوادہ تھا۔ راجہ رام نرائن لال موزوں ۱۱۶۶ھ تا ۱۱۷۶ھ - بہار، بنگال و اڑیسہ کی نظامت پر مامور رہے۔ اس عہد میں بڑے بڑے انقلابات رونما ہوئے۔ ہمارا راجہ شتاب رائے نے کچھ عرصہ راجہ رام نرائن لال کے ساتھ مل کر کام کیا۔ آخر ۱۱۷۹ھ میں ہمارا راجہ شتاب رائے اس عہدہ پر مامور کئے گئے۔ جنگ بیرپور سے بادشاہ دہلی کا زوال اور انگریزوں کا عروج شروع ہوتا ہے اور اسی وقت سے راجہ شتاب رائے کا ستارہ اقبال طلوع ہوا۔ مگر حیب میر قاسم نے راجہ نرائن سے محاسبہ کیا اور انہیں گرفتار کر لیا تو شرکت امارت کی وجہ سے شتاب رائے پر بھی عتاب آیا۔ راجہ موصوف مصلحتاً ہر کام سے دست بردار ہو کر خانہ نشین ہوئے۔ انگریزوں کی مداخلت کی وجہ سے انہیں مملکت بھیج دیا گیا۔ مہران کو نسل انگریزی نے راجہ کو بے قصور پایا۔ لیکن نواب میر قاسم کی رعایت بھی ملحوظ تھی۔ اس لئے حکم ہوا کہ راجہ شتاب رائے نواب کی مملکت سے باہر چلے جائیں۔ انہوں نے نواب شجاع الدولہ ناظم اودھ کے دربار میں ملازمت اختیار کر لی اور راجہ بینی بہادر کے ساتھ نائب صوبہ دار ہو کر باعزت رہنے لگے۔

کچھ سیاسی نشیب و فراز کے بعد راجہ شتاب رائے اپنے پرانے عہدہ پر

---

راجہ شتاب رائے گونہ بہار - از مولانا سید ابوظفر ندوی - ندیم، گیا، بہار نمبر ۳۵ - ۱۹۶۱ء۔  
بحوالہ سیر المتاخرین جلد دوم

عظیم آباد واپس آ گئے۔ اس وقت میر جعفر کی طرف سے میر کاظم ناظم و دراجہ دھیراج نرائن دیوان مقرر تھے۔ راجہ شتاب رائے شاہی دیوان کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ انہیں کی کوشش سے شاہ عالم بادشاہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی عطا کی۔ انگریزوں نے خوش ہو کر شتاب رائے کو نظامت بہار دلوائی۔ دربار شاہی سے، ممتاز الملک ہمارا راجہ شتاب رائے بہادر منصور جنگ، خطاب عطا ہوا۔ راجہ شتاب رائے اور دھیراج نرائن امور نظامت انجام دیتے تھے اور مسٹر ملٹن ان کی نگہداری کرتے تھے (سیر المتاخرین)۔ دھیراج نرائن پر غبن کا الزام آیا۔ مظفر جنگ مرشد آباد سے عظیم آباد حساب فہمی کے لئے بھیجے گئے اور انگریزوں کے حکم سے دھیراج نرائن گرفتار کر لئے گئے۔ بعد ازاں ہمارا راجہ شتاب رائے عظیم آباد، بہار کے تنہا ناظم مقرر ہوئے۔ ۱۸۶۶ء میں لارڈ ہسٹنگز نے مظفر جنگ اور شتاب رائے دونوں کی گرفتاری کا حکم مجرم خیانت دیا۔ راجہ موصوف تین ماہ تک نظر بند رہے۔ آخر میں وہ باعزت رہا ہوئے۔ مگر بیمار و دل شکستہ۔ عظیم آباد کا نظم بھی بدل چکا تھا۔ ایک انتظامی کانسل مقرر ہوئی تھی جس کے ایک رکن راجہ موصوف بھی مقرر ہوئے تھے۔ ۱۸۶۸ء میں ان کا انتقال ہوا۔ تلافی مافات کے سلسلے میں ان کے بیٹے کھیان سنگھ کو پہلے انتظامی کانسل کی ممبری اور پھر عظیم آباد کی نظامت سپرد کی گئی۔

میر غلام حسین مصنف سیر المتاخرین کی رائے ہے کہ :-

”راجہ بہت زیادہ اوصاف جیدہ رکھتا تھا۔ اور اُس عہد میں اکثر امراء

سے ممتاز تھا اور اخلاق میں ان پر فضیلت حاصل تھی“ راجہ شتاب رائے

کی طرز معاشرت ہندو اسلامی تہذیب کی آئینہ دار تھی۔ عقاید کے لحاظ سے وہ صوفی منش موحّد شخص تھے۔

ہمارا راجہ شتاب رائے کا ادبی ذوق بھی بہت بلند اور اعلیٰ تھا۔ وہ شاعروں، فن کاروں اور صنّاعوں کے نہایت قدردان تھے۔ اس باب میں ان کے گھرانے پر بہ خانہ آفتاب کی مثل صادق آتی تھی۔ اثر علی فضاں، ہمارا راجہ کے دربار سے وابستہ تھے۔ راجہ شتاب رائے کے لڑکے خود شاعر اور شعراء کے قدردان اور سرپرست تھے۔ وہ میرضیاء الدین ضیاء سے بطور خاص حسن سلوک کیا کرتے تھے۔ اس گھرانے اور راجہ رام نرائن لال کی بدولت اس عہد میں عظیم آباد، پٹنہ، دہلی اور لکھنؤ کا ہم پلہ ہو رہا تھا۔ اس کی بڑی شہرت ہوئی اور شاعروں کی کثرت نے اس شہر کو اردو کا ایک اہم مرکز بنا دیا۔ چنانچہ میر شیر علی افسوس اور میر امن دہلوی بھی عظیم آباد آئے اور شتاب رائے کے صاحبزادے کے کرم وجود سے فیضیاب ہوتے رہے۔ عشقی کا قول ہے کہ فدوی عاشق کی رفاقت میں زندگی بسر کرتے تھے۔

ہمارا راجہ کلیان سنگھ کی ہمارا جگہ اور مدارالمہامیوں تو عرصہ تک قائم رہی۔ لیکن اصل میں رفتہ رفتہ انگریز ہر معاملہ میں پورے طور پر قابض و دخیل ہو گئے۔ کلیان سنگھ برائے نام ”نائب ناظم صوبہ بہار“ رہ گئے۔ ۱۲۰۲ھ میں ہمارا راجہ عظیم آباد چھوڑ کر کلکتہ چلیے۔ جاگیروں کی واگداشت اور عہدوں کی بحالی کے لئے سب ناکامیاب کرتے رہے۔ ہمارا راجہ کے چوبیس سال کلکتہ میں گزرے۔ بیمار ہو گئے۔ آنکھیں جاتی رہیں۔

۱۲۲۶ھ میں کلکتہ سے عظیم آباد پٹنہ روانہ ہوئے۔ یہاں اب کیا رکھا تھا۔ ویرانی ہی ویرانی تھی۔ قریباً ایک برس یہاں رہ کر اس ”شہرِ ناپرمانِ جہنم آباد“ سے کلکتہ واپس چلے گئے۔ بیماری اور نابینائی میں بھی دیوان پر دیوان، مثنوی پر مثنوی پر گو شاعر نشیوں کو لکھواتا گیا۔ ایک برس پٹنہ کے قیام میں پوری خلاصۃ التواریخ اور واردات قاسمی لکھوادی۔ ادبی شغل تاحیات جاری رہا۔ آخر ۳۷ سال کی عمر میں ۲۶ شوال ۱۲۳۶ھ میں کلکتہ ہی میں انتقال کیا۔

ہمارا جہ کیان سنگھ عاشقِ باکمال، ہمہ دان، شیریں زباں، عاشقِ مزاج و رنگین اطوار تھے۔ ہندو مسلمانوں کے مشترکہ تہذیب کے بہترین نمائندہ۔ اپنے والد بزرگوار ہمارے شہابِ رائے کے مسلک پر کاربند۔ مجتہد، فیاض اور سرپرستِ علم و فن۔ عزیز الدین بلخی لکھتے ہیں :-

”اگرچہ یہ بھی اپنے باپ ہی کے مانند جمع کلمات تھے۔ لیکن رلحت طلب اور عیش پسند ہونے کے باعث اس خدمتِ جلیلہ پر اون کی جانشینی سے جی چر کر صبا ئے لعل رنگ اور معشوقانِ شوخ و شنگ کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔ سوائے فکرِ شعر کے اور کسی دردِ سر کو مول نہ لیا“

۱۔ میر وزیر علی عہدِ عظیم آبادی: ”معراج الجنال“ + خلاصۃ التواریخ اور

واردات قاسمی کے قلمی نسخے نواب زادہ سید محمد مدنی، پٹنہ سیٹی کے پاس ہیں۔

۳۔ ”معراج الجنال“، عبرتی میں غلطی سے ۱۲۰۷ھ درج ہے۔ بقول پرافسر عسکری +

دلی کے محمد شاہ رنگیلے، لکھنؤ کے واجد علی شاہ رنگیلے پیا کی طرح پٹنہ کے  
کلیان سنگھ بھی رنگیلے، سیلے اور عاشق مزاج تھے۔ زوال اور شکست و ریخت کو  
دور میں غم غلط کرنے کا فراری اور زندانہ فلسفہ احساسِ بربادی کو کم کر کے  
نفریب نشاط کے رنگین دھندلے پیدا کر دیتا ہے۔

حدیثِ مئے و مطرب گو و رازِ دہر کم تر جو

کہ کس نکشود و نکشاید بہ حکمتِ ابنِ معمر را

کلیان سنگھ عاشق کے فارسی میں بکثرت دواوین، متعدد دشنویاں اور قصائد ہیں۔

مگر اردو میں متفرق اشعار کے علاوہ صرف ایک سہرا اور ایک ثنوی ملتی ہے جس کے بہت سو  
اشعار ضائع ہو گئے ہیں۔ یہ ثنوی بہ اقساط رسالہ معاصر پٹنہ میں شائع ہوتی رہی ہے اور  
پھر کجا بھی ”دائرہ ادب“ پٹنہ کی طرف سے مرتب کر دی گئی ہے جو میرے پیشِ نظر ہے۔  
تذکرہ شورش، تذکرہ عشقی اور تذکرہ عبرتی میں عاشق کے متعلق معلومات حاصل ہوتی  
ہیں اور سیر المتأخرین اور خلاصۃ التواریخ و واردات قاسمی سے حالات زندگی پر روشنی  
پڑتی ہے۔

ثنوی کا قلمی نسخہ بابو رامیشور پرشاد بی۔ اے۔ بی۔ ال پٹنہ کے پاس ہے۔ قاضی

عبدالودود صاحب نے اپنے مخقرنوٹ کے ساتھ اسے معاصر میں شائع کرایا تھا۔ نمونہ

کلام حسب ذیل ہے :-

ہوا تیرے جلوے سے بے خود کیلم      کیا اُس نے اس شعلے سے خوفِ ویم

دم وصل موسیٰ ہوا بے خبر      تجلی سے تیری گرا کوہ پر  
محمد سزاوار دیدار ہے      کہ تیرا دو یار وفادار ہے

محمد ہے محبوب پروردگار      محمد ہے مطلوب پروردگار

محمد کی سب سے بڑی شان ہے      محمد کا چاکر سلیمان ہے  
گھٹا گھر کے آئی پڑے ہے پھار      چمکتی ہے بجلی بہ شان شرار  
گر جتا ہے بادل بوب شور سے      برستا ہے ابر سید زور سے  
عجب دھوم سے قطرہ زن ہے سحاب      چھپا ابر تاریک میں آفتاب

قرا بے کام نہ کھول ساقی شتاب      پیالے میں بھر پُر تگالی شراب

کہ کہتا ہوں میں اب کہانی نئی      دکھاتا ہوں غم کی نشانی نئی

حریم اُس کے تھے نازنینوں سے پُر      گھر اُس شاہ کا مہ جبینوں سے پُر  
شب و روز عشرت سے تھا اُس کو کام      مئے خرمی سے تھا لبریز جام  
قرطعتوں سے ہم آغوش تھا      صراحی عشرت سے مئے نوش تھا

سُکھنے لگی غم سے وہ دل جلی ہوئی اس کے دل کو عجب بے کلی  
 گیا دل سے آرام اور جی سے چین ہوئے مثل ابراشک ریز اُس کے نین  
 اکیلے پھر کھٹ میں دوہا دولہن لگاتے تھے آپس میں تازہ لگن  
 ادھر سے کرشمہ ادھر ناز تھا محبت کا کیا خوب انداز تھا  
 لگائی بنے بنے بنی ساتھ لاگ ہوئی مشتعل عیش و عشرت کی آگ  
 گلے سے لگائی بنے بنے بنی تڑپنے لگی شرم سے کامنی  
 دیا بوسہ اُس نعل مے نوش پر رکھی اُس نے دوشاخ گل دوش پر

—————

مذکورہ بالا شعراء کے علاوہ اور کئی شعراء دوسرے مراکز اُردو سے عظیم آباد  
 آئے، مگر پھر وہ تشریف لے گئے۔ مثلاً :-

(۱) اَلَمْ دہلوی - صاحب میر نام - اَلَمْ تخلص - خواجہ میر درد کے بیٹے - مرشد آباد -  
 وعظیم آباد میں رہے تھے۔ قریباً ۱۲۱۵ھ میں وفات پائی - تبع ملفوظی نسخہ، مکتبہ مراد آباد ۱۳۲۱

(۲) درد مند دکنی (محمد آبادی) ثم دہلوی :- محمد فقیہ نام - درد مند تخلص -  
 وطن محمد آباد، بیدر (دکن) - وہاں سے دہلی آئے (۱۳۲۶ھ) - شاہ ولی اللہ  
 صاحب دہلوی رحمت اللہ علیہ اور حضرت منظر ہانچاں کے سایہ عاطفت میں پروان  
 چڑھے - دہلی سے عظیم آباد آئے - ایک مدت تک یہاں رہنے کے بعد دہلی واپس  
 گئے - انتقال مرشد آباد میں کیا (۱۱۷۶ھ) - اُردو ساقی نامہ مشہور ہے -





بہار میں  
اُردو  
نثر نگاری

۱۰۸۱ھ تا ۱۲۷۵ھ

## حضرت عماد الدین قلندر پھلواری

”سیدھا رستہ“ دینیات کا ایک مختصر رسالہ ہے۔ یہ حضرت عماد الدین قلندر کی تصنیف ہے۔ جناب تہمتا عادی مجبئی پھلواری کو رسالہ مذکور خانقاہ عمادیہ، منگل تالاب، پٹنہ سیٹی کے کتب خانہ سے ملا تھا۔ رسالہ از ابتدا تا انتہا خط نسخ میں لکھا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس رسالہ کا ایک نسخہ حضرت مصنف کے دست مبارک کا لکھا ہوا کہیں نہ کہیں موجود ہے۔ مگر باوجود تلاش جناب تہمتا یا اور کسی کو اب تک نہیں مل سکا۔ ”سیدھا رستہ“ کا دریافت شدہ نسخہ غالباً جناب تہمتا کے ساتھ ڈھاکہ جا چکا۔ آپ وہاں ہجرت فرما گئے ہیں۔ رسالہ معیار، پٹنہ (ماہ مارچ، ۱۹۳۶ء، مرتبہ قاضی عبدالودود) میں ”سیدھا رستہ“ کی پوری نقل بالکل اصل کے مطابق شائع ہو چکی ہے۔ ابتدا میں سورہ فاتحہ ہے۔ بعد ازاں یوں شروع ہوتا ہے:-

### سیدھا رستہ

اما بعد پس جانو اے مسلمان بہین آؤر بیٹی سب کہ اللہ تعالیٰ ایک ہیں۔ اون کے تیئں دھڑ بدن بانٹہ آؤر پانوں ناکھ کان پیٹ پیٹھ کوچہ نہیں ہے۔ دھڑ بدن بیٹی سے نہیں ہیں، وے بیٹی پانی آگ ہوا سب کے تیئں تو آپی بنائیں ہیں، آسمان زمین پا ہاڑ ندی دریا سب اون ہی بنائیں ہیں، اون کی تیئں صورت بھی نہیں ہے، صورت بدن کی ہووے ہے، جب اون کے تیئں بدن نہیں تو صورت کیسے ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ کے ایسا کوؤ نہیں ہے۔ آؤر نہیں ہو سکے

ہے، اللہ تعالیٰ کا کوؤ شریک ساتھی سنگماتی نہیں ہے۔ آؤر نہیں ہو سکے ہے نہیں  
 اُن کے تئیں کوؤ جنس ہے۔ آؤر نہیں اون سے کسو کی تئیں جنس ہے، اون کے  
 تئیں جو رو جاتا، بال بچ نہیں، نہیں وے عورت ہیں، نہیں مرد، نہیں بچہ، نہیں غنئی،  
 نہیں وے لڑکا ہیں، نہیں بوڑھا، نہیں جوان، وے ہمیشہ سدا سیتی ہیں آؤر سدا  
 تلک رہیں۔ جیسے تھے ویسے ہی ہیں، اور ویسی ہی رہیں، وے دیکھے ہیں بنا آنکھ  
 کے آؤر سونے ہیں بنا کان کے، اور بولے ہیں بنا مونہ اور زبان کے ....“  
 رسالہ میں سات چھوٹی چھوٹی فصلیں ہیں اور رسالہ کا اختتام یوں ہوتا ہے:-

..... ان سب بات سیتی بچنا ہر مسلمان کے واسطے فرض ہے۔ اللہ  
 تعالیٰ ہر مسلمان مرد عورت کے تئیں نیک کام کی توفیق دیوں۔ اور ہر بورے  
 کام سیتی بچاویں اور اس فقیر عماد الدین کے تئیں جو شاہ برہان الدین کا بیٹا ہے اور  
 اُن دونوں کے مائے باپ کے تئیں اور سب مسلمان عورت مرد جیتے موئے کون  
 اپنی کرم سیتی بخش دیوں اور سب کے گناہوں سیتی درگزر فرماویں۔ اور موئے  
 پیچھے اپنے حبیب رسول کی شفاعت روزی فرماویں آمین ثم آمین۔

### رباعی

یارب نگہ عنایت ابدھر کر دو      کاٹا ہے عمادِ نم گل تر کر دو  
 ہے رنگ گنہ سیتی رخ اس کا کالا      تم غارہ عفو سین منور کر دو

تمام ہوا یہ رسالہ صراطِ مستقیم معروف بہ سیدھا راستہ، بتاریخ ۲۲

ربیع الاول شریف بچ وقت ظہر کے ۱۵۱۵ھ ایکہزار اکاسی ہجری میں۔ ۵۰

الحمد للہ کہ ابن رسالہ در مدت دو روز حسب فرمائش اہل خانہ خود در زبان مروجہ دیار خود نوشتہ شدہ کہ مردمان و زنان ناخواندہ را در زبان مادری ایشان ذریعہ معلومات ضروریہ دینیہ گردد و برائے من ذخیرہ آخرت شود ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم ۛ

حضرت عماد الدین قلندر <sup>۱۰۶۵ھ</sup> میں پیدا ہوئے۔ تکمیل تعلیم کے لئے اٹھارہ انیس برس کی عمر میں دہلی گئے۔ اور شیخ عبدالحق دہلوی کے بنبرہ سے علم حدیث کی سند حاصل کی۔ اسی زمانہ میں حضرت سید محمد فاضل قلندر سادھوری سے فیض روحانی بھی پایا۔ آپ لاہور بھی تشریف لے گئے تھے۔ پچیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے اور لاہور کے مدرسے میں دو سال تک درس دیتے رہے۔ پھر سادھور تشریف لے گئے اور حضرت سید محمد فاضل قلندر سے بیعت کی۔ وہاں بھی قیام فرمایا۔ <sup>۱۱۰۴ھ</sup> میں پھلواڑی واپس تشریف لائے۔ <sup>۱۱۲۴ھ</sup> میں انتقال فرمایا۔ دو صاحبزادے ایک ہشت سالہ، دہ سرے دو سالہ یادگار چھوڑے۔

صراط مستقیم عرف سیدھا راستہ کے اصل نسخے میں یائے مجهول بالعموم یائے معروف کی طرح لکھی گئی۔ چند الفاظ کا طرز املا حسب ذیل ہے۔۔

اُن = اون - اُس = اوس - اور = آوُر - ناک = ناگھ - ہاتھ = ہاتھو  
آپ ہی = آپنی - مٹی = مٹی - بہت = بہوت - دوسرے = دوسر - دونوں =

۱۔ تذکرۃ الصالحین معتمد محمد حبیب اللہ صاحب عظیم آبادی ص ۱۱۳-۱۱۱ - و تذکرۃ اکرام و رسالہ معارف پھلواڑی (پٹنہ) بابت شوال ۱۳۳۰ھ +

دُتوں - بُرا = بُورا - دکھلانا = دیکھلانا - پھر = پھیر -

رسالہ 'سیدھا راستہ' کے متعلق مشہور محقق قاضی عبدالودود صاحب کا خیال حسب ذیل ہے :-

..... ”کتاب کا سال تصنیف ۱۰۸۱ھ بتایا گیا ہے، اگر مصنف کا سال ولادت ۱۰۶۵ھ سمجھا جائے تو مصنف تذکرۃ الصالحین نے لکھا ہے تو ۱۰۸۱ھ میں مصنف کی عمر ۱۶ سال سے زیادہ نہیں ٹھہرتی، اور یہ بالکل قرین قیاس نہیں کہ گیارہویں صدی میں اس عمر کا کوئی شخص تصنیف کے لئے اُردو کو منتخب کرتا جو اس عہد کی تصنیفی زبان نہ تھی اور صرف نثر ہی نہیں، بلکہ نظم بھی اس زبان میں لکھتا۔ کتاب کے خاتمے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ تامل کی زندگی اختیار کرنے کے بعد یہ کتاب تصنیف ہوئی ہے۔ حالانکہ مصنف کے حالات جو تذکرۃ الصالحین میں درج ہیں ان سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ تامل کا زمانہ ۱۰۸۱ھ کے بہت بعد ہوگا .. .. اگر یہ واقعی گیارہویں صدی کا لکھا ہوا ہے تو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس صوبہ میں نثر و نظم اُردو کا اس سے قدیم تر نمونہ اس وقت تک دستیاب نہیں ہوا.....“

(تعارف معیار، پٹنہ، مارچ ۱۹۳۶ء ص ۶۷)

میرے خیال میں قاضی صاحب کے شلوک با وزن نہیں۔ پھلواری شریف میں ہندوستانی بولی کی طرف توجہ ابتدا سے تھی۔ دراصل صوفی خانوادوں میں تبلیغ حق اور ترویج اسلام کی لگن تھی اور اس غرض کے لئے عام بول چال کی زبان کو ہی ذریعہ اظہار بنایا جاتا تھا۔ کسی نہ کسی کو تو ابتدا کرنی ہی تھی۔ اب تک کی تحقیقات کے

لحاظ سے حضرت عماد ہی موسسِ اول ظاہر ہوتے ہیں۔ پھر یہ کوئی انوکھی ریت نہ تھی۔ دکن میں صوفیائے کرام قدیم اردو میں مذہبی رسالے تصنیف فرما چکے تھے۔ دوسرا شبہ عمر کے متعلق ہے۔ یہ بھی محض وہم ہے۔ آپ کے سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ غیر معمولی طور پر تیز و طباع تھے۔ گھریلو زبان میں مذہبی معلومات کے متعلق مختصر سا رسالہ لکھنا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ آج بھی ۱۶ سال کی عمر میں ذہین افراد ادب و شعر کی تخلیق کرنے لگتے ہیں۔ اس عمر میں ڈگری کلاسوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اچھے خاصے مضامین لکھتے ہیں۔ تیسری بات تامل کی زندگی کے متعلق ہے۔ اس میں بھی کوئی پیچیدگی نہیں۔ پندرہ۔ پندرہ سال کی عمر میں بھی بعض شادیاں ہو جاتی ہیں۔ ممکن ہے حضرت عماد کی شادی بھی پندرہ سولہ سال کے سن میں ہوئی ہو۔ اور آپ نے ”حسب فرمائش اہل خانہ خود“ رسالہ صراطِ مستقیم معروف بہ ’سیدھا راستہ‘ شادی کے بعد لکھا ہو۔ تکمیلِ تعلیم کے لئے آپ اٹھارہ انیس سال کی عمر میں دہلی گئے۔ ۱۸۸۱ء میں آپ مستقلاً وطن واپس آئے۔ اس کا بھی امکان ہے کہ دورانِ تعلیم و ہدایت بھی وطن آتے رہے ہوں۔ ہو سکتا ہو آپ کی دو شادیاں ہوئی ہوں۔ میرے خیال میں ’سیدھا راستہ‘ کی تاریخِ تصنیف اور مصنف کے متعلق کوئی قباحت پیدا نہیں ہوتی۔ کتب خانہ خانقاہِ عمادیہ منگل تالاب، شہر پٹنہ والے نسخہ کے متعلق خود قاضی عبدالودود صاحب لکھتے ہیں کہ :-

”بظاہر کم از کم ستر۔ اسی برس قبل کا لکھا ہوا ہے“ (معیار)۔ ہر چند کہ رسالے کے خاتمے پر کاتب کا نام درج نہیں لیکن بقول جناب تمتا پھلواروی۔ یہ نسخہ

حضرت شاہ و بر اللہ قلندر (۱۲۱۱-۱۸۲۲ھ) خواہر زادہ حضرت شاہ نور الحق لطیف پھلواروی کا لکھا ہوا ہے، کیونکہ ان کے خط سے رسالہ 'سیدھا راستہ' کا خط ملتا ہے۔

جدید تحقیقات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ پھلواروی شریف کے صوفیائے کرام فرشتہ و ہدایت اور تبلیغ و ترویج اسلام کیلئے حضرت عماد کے وقت سے مسلسل اُردو زبان کو استعمال کیا ہے۔ مثلاً حضرات عماد، سجاد، آیت اللہ جوہری، نور الحق لطیف پھلوارحق ظہور، وغیرہم۔ لہذا اس سنہری زنجیر کی پہلی کڑی کے متعلق وہم و شک میں مبتلا ہونا صحیح نہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ 'سیدھا راستہ' سے قدیم تر نمونہ اُدب اس صوبہ میں اب تک دستیاب نہیں ہوا۔

## حضرت ظہور الحق ظہور شاہ ۱۱۸۵ھ تا ۱۲۳۴ھ

حضرت ظہور الحق پھلواروی کے چار نشری رسالے خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ سیٹی کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں رسالہ نماز، فضائل رمضان، فیض عام اور کسب النبی۔ ان رسالوں کا انکشاف شاہ غلام حسنین صاحب ندوی پھلواروی نے کیا۔ ان کے حوالے سے رشتاں ابدالی صاحب لکھتے ہیں کہ — ”اتنا تو یقینی ہے کہ یہ دونوں رسالے (یعنی رسالہ نماز اور فضائل رمضان) ۱۲۰۰ھ سے قبل لکھے گئے،

۱۔ اُردو نشر کے ارتقا میں ارباب بہار کا حصہ۔ از رشتاں ابدالی، اسلام پور، پٹنہ۔

(بار نمبر، ندیم، ۱۹۳۵ء)



کیونکہ یہ اور بعض دوسرے سالے حضرت مصنف نے اپنے آیام طالب علمی میں لکھے تھے۔ اور آپ پورے ۱۲۰۰ھ میں فارغ التحصیل ہوئے ہیں۔ غرض یہ کہ رسالہ نماز اور فضائل رمضان کا سن تصنیف ۱۲۰۰ھ سے پہلے ہے۔ فیض عام کا سن تصنیف ۱۲۲۸ھ ہے اور رسالہ کسب النبی کا سن ۱۲۳۰ھ ہے۔

رسالہ نماز کی نثر کا نمونہ حسب ذیل ہے :-

” نماز تہجد کی بارہ رکعت ہے۔ بعد نیند سے اُٹھنے کے دو گانے دو گانے، پھر دو گانے کے بعد توبہ اور استغفار اور سب کے بعد مناجات اور بعد اس کے خدا کی یاد کرے، بلکہ صبح تک، جو توفیق ملے “

رسالہ فضائل رمضان، کی ابتدائی عبارت حسب ذیل ہے :-

” ہلالِ رمضان دیکھ پڑھے اللہم سلمیٰ من رمضان سلمہ منی اللہم ارزقنا صیامۃ و قیامۃ و تلاوۃ القرآن بالقلب و اللسان۔ ایضاً ہر روز و شب سورہ اخلاص تین سے بہتر مرتبہ پڑھا کرے۔ حق تعالیٰ اس کے بدن کو جہنم پر حرام گردانے “

رسالہ فیض عام کی طرز تحریر یہ ہے :-

” اس سال پہلے ہجرت کے کتنے واقعے درپیش ہوئے پہلا تو مسلمان ہونا عبد اللہ بن سلام یہودی کا کہ مدینہ میں رہتے تھے اور اپنی قوم میں تھے، بجز مشاہدہ کرنے شواہد کے خود اور چند یاران کے دولت اسلام سے مشرف ہوئے۔

دوسرے عہد مواخات باندہنا حضرت نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کا درمیان ایک

مہاجر اور ایک ایک انصاری کے۔ تیسرا عہد صلح کرنا یہودیوں کا قریشہ اور نصیر اور قبیقاع کے جناب پیغمبر صلعم سے باہمی شرط کہ طرفین میں کوئی مددگاری تلک دوسرے کو دشمنوں کی نہ کرے۔ خود جنگ کرنے کا تو کیا دخل ہے۔ چوتھا مقرر ہونا طریقہ اذان کا واسطے خبردار کرنے نمازیوں کے نماز اور جماعت سے مطابق خواب عبداللہ بن زید انصاری یا عمر فاروق کے بروایت جبریل علیہ السلام نے بھی آکر طریقہ خاص اذان کا تلقین فرمایا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

رسالہ کسب النبی کی غرض مسلمانوں کو صنعت و حرفت کی طرف متوجہ کرنا ہو۔ میں نے غالباً اسی رسالہ کا ایک نسخہ سید شاہ تقی حسن صاحب بلخی سجادہ نشین خانقاہ بلخیزہ فتوحہ ضلع پٹنہ کے پاس بھی دیکھا ہے۔ لیکن نام کسب الانبیاء پایا۔ سات صفات کا رسالہ ہے۔ مذکورہ بالا نسخہ کی کتابت ۱۲۶۱ھ میں ہوئی۔ لکھا ہے :-

”ما بعد عاصی ظہور الحق عظیم آبادی عفو اللہ عنہ جو حضرت کے مسئلوں کو اپنے والد ماجد اور اکثر علمائے سفر دیدہ اور عجم گردیدہ اور نگی و مدنی علمائے کبار کے صحبت دیدہ سے تحقیق کیا اور اس کے جواب میں جو کچھ ارشاد ہوا عوام و خواص کے نفع کے لئے بجنہ اس تقریر کو ہندی زبان میں لکھ دیا۔ الہی قبول کر۔ آمین ثم آمین۔“

### سوال

عوام لوگ جو کھیتی کرنے والے اور کپڑے سینے والے اور بننے والے اور حرفت کرنے والے پر طعن کرتے ہیں کچھ قرآن و حدیث اصول و فقہ سے بھی اسکی بُرائی ثابت ہے یا نہیں۔ یعنی صاف کہہ دو اور اجر خدا سے لو۔

## جواب

قرآن و حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان حرفتوں کو نبیوں نے کیا ہے۔  
اس کو یا اس کے کرنے والے کو جو بُرا سمجھتا ہے وہ مردود ہے۔

انشاء اللہ تعالیٰ جو لوگ اہل سنت و الجماعت ہیں کبھی اس کو بُرا نہ سمجھیں گے۔  
ختم رسالہ پر سرخ روشنائی سے لکھا ہے :-

”تمام شد بتاریخ یازدہم شہر ذیقعد روز چار شنبہ ۱۲۶۱ھ مطابق ۱۲۵۳ھ فصلی  
الخط بندہ تیغ علی بمقام بریول (درجنگہ) تحریر یافت :-

رخشاں ابدالی صاحب نے اس رسالہ کے بارے میں لکھا ہے :-

”آپ ہی کی ایک اُردو کتاب کسب النبی، ہے، اس کا سن تالیف ۱۲۳۳ھ  
ہے۔ اس رسالہ کی غرض صنعت و حرفت کی طرف متوجہ کرنا ہے، جو خود نام سے ظاہر  
ہے۔“ (ندیم، گیارہ نمبر ۳۵ء)

رسالہ کا مختصر اقتباس یوں درج ہے :-

”بات یہ ہے کہ لوگ ناواقف کاری کے سبب اکثر کسب و حرفت کو کہ

جس کو نبیوں نے کیا ہے ذلیل اور حقیر سمجھتے ہیں، اس کا حال مختصر ساریاں پر بیان کیا  
جاتا ہے کہ لوگ واقف ہو جائیں اور عیب نہ کریں اور سب کوئی حرفت کر کے دکھلاویں۔  
اور خوب سیکھیں اور سکھلاویں۔“

(ندیم، گیارہ نمبر ۱۹۳۵ء ص ۶۳)

## حضرت محمد تقی بلخی فردوسی

حضرت محمد تقی بلخی حضرت ظہور الحق کے ہم عصر تھے۔ آپ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔ ”فاضل کامل علامہ عصر مولوی ظہور الحق دام برکاتہ“... حضرت بلخی کی کتاب احکام کاغذی نسخہ مجھے پرفاسر ذکی الحق صاحب، بی۔ ان کالج سے ملا۔ اس نسخہ کی کتابت ۱۲۴۸ھ فصلی (۱۸۵۶ء) میں شیخ خیرات علی نے کی۔ اس وقت مصنف زندہ تھے۔ لکھا ہے۔ ”تمام ہوئی یہ کتاب ترجمہ ہندی تصنیف شاہ محمد تقی بلخی فردوسی مدظلہ کے خط خام سے عاصی حقیر سراپا تقصیر شیخ خیر اتقی ولد شیخ نجیب علی انصاری رہنے والے محلہ عالمگنج متعلقہ شہر عظیم آباد حال سکونت موضع ارندہ ضلع شہر مذکور بیچ تاریخ دوازدہم شہر ذیقعد ۱۲۴۸ھ فصلی .....“

کتاب کی تقطیع ۵×۹ ہے۔ ۸۹ اوراق زرد اُرولی کاغذ کے ہیں جا بجا کرم خوردہ۔ کتاب احکام کا آغاز یوں ہوتا ہے:-

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“

حمد بیقیاس واسطے خداوند برتر کے کہ اپنے قدرت کاملہ سے دونوں جہاں پیدا کیا تو سب کوئی اوسکی یگانگی پر اقرار کریں اور مہبود اپنا جانیں اور درود سجود پر افضل انبیاء خاتم پیغمبران محمد رسول اللہ علیہ السلام کے کہ حق نے اونکو سب مخلوقوں سے برگزیدہ کیا اور واسطے تہانے راہ راست کے بھیجا صلے اللہ علیہ والہ واصحابہ اجمعین۔ بعد اوسکے کہتا ہے فقیر حقیر سراپا تقصیر محمد تقی بلخی فردوسی کہ اگرچہ یہ

تقلیل البضاعت اتنا استعداد نہیں رکھتا تھا لیکن بموجب فرمانے بعضہ شخصوں کے کہ اوپر فار سے قدرت نہیں رکھتا تھا مثلاً ت چند کہ جاننا اوس کا ضروریات ہیں سے تھا، کتابیں معتبر سے چُن کر کے زبان ہندی میں ترجمہ کیا گیا اور خوف درازی کلام سے سند لانا اُن کتابوں کا ترک ہوا اور وہ کتابیں یہ ہیں شرح عقائد فار سے تصنیف حضرت مولانا مظفر شمس بلخے کے رسالہ شرح عقائد تصنیف صاحب انیس الوعظین کے شرح اور ادمفتح الصلواة الطبعی الایمنہ فی الاسلام اور تصنیف فاضل کامل علامہ عصر مولوی ظہور الحق دام برکاتہ کے کہ فی الحقیقتہ ایجاز کے اعجاز ہے، اور اد وہ فصل تصنیف جدنا حضرت مخدوم حسین العز شمس بلخے کے دعائیں اور وردیں اوسکے احادیث صحیحہ سے سند ہے اور مقصود القاصدین، پس اگر کسے کو بیچ اس ترجمہ کے کسے مقام میں شک واقع ہو تو طر ت اُن کتابوں کے دیکھے اور رفع شک اپنے کا کری اور نام اس کتاب کا احکام رکھا گیا اور یہ ترجمہ میں تین کتاب ہے باب باب اور فصل فصل کتاب پہلی بیچ بیان ایمان کے اور یہ باب پانچ فصل ہے۔ فصل پہلی بیچ بیان حقیقت ایمان کے فصل دوسری بیچ بیان ایمان لانے ساتھ خدا کے فصل تیسری بیچ ایمان لانے ساتھ فرشتہ کے فصل چوتھی بیچ ایمان لانے ساتھ کتابیں خدا کے اور پیغمبرین اوس کے۔ فصل پانچویں بیچ بیان ایمان لانے ساتھ سوال منکر نکیر اور قیامت وغیرہ کے .. .. .

احکام عقاید، ایمانیات، شرح اعمال اور تفصیل شریعت کے متعلق ایک عمدہ

کتاب ہے۔ جتہ جتہ چند حوالے اور پیش کئے جاتے ہیں :-

”ہر عاقل اور بالغ لینے عورت اور مرد سے جو کے جوان ہو پہلے اوسپر فرض ہے کہ ساتھ خدا کے ایمان لاوے اور ایمان پچ جاننا بیچ دل کے ہے کہ یعنی مان لینا اوس چیز کا کہ خدا کنے سے آئی ہے اور اقرار زبان کا بھی شرط ہے واسطے اوس کے ساتھ بیزاری کے ہر دین سے سوائے دین اسلام کے۔ پس اگر کوئی کام ایسا کرے یا کوئی بات ایسی بولے کہ جیسے انکار یا شرک پایا جائے ایمان اوسکا درست نہیں ہے، اگرچہ نماز پڑھے یا روزہ رکھے نزدیک خدا کے وہ کافر ہے اور حکم کفر پر اوسکے کیا جائے گا۔“

..... ”بیچ ساتھ شرط فاسد کے فاسد ہے اور وہ بیچ اوسکے نفع ہو بیچنے والے یا خریدار کو اگر مستحق نفع کے ہو یعنی ایسا ہو اور شرط فاسد وہ ہے کہ مناسب عقد بیع کے ہو پس شرط کرنا بلکہ خریدار کر کے فاسد بیع نہیں ہے کہ مناسب عقد کے ہے۔۔۔۔۔“

اختتام کتاب کی عبارت ایک دُعا کی فضیلت میں حسب ذیل ہے :-  
 ..... ”روایت ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نین فرمایا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ دو سو برس کی نماز کو اوسکے کفارہ ہے اور عمر خطاب رضی اللہ عنہ نین فرمایا کہ ہم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ چار سو برس کی نماز گزشتہ اوسکے کفارہ ہو، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ چھ سو برس کی نماز گزشتہ اوسکے کفارہ ہو، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نین فرمایا ہے کہ ہمنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

سے سنا ہے کہ سات سو برس کی نماز گزشتہ اوسکے کفارہ ہو۔ یارون نے پوچھا یا رسول اللہ  
 عمر ہم بسحوں کی شتریا سٹی یا سٹو ہے اتنا صفت کیونکر ہے فرمایا کہ نماز مای اور باپ اور  
 اقربا بیٹا بیٹی کے اوسکے کفارہ ہو۔ تمام شد۔

معلوم ہوتا ہے کہ کتاب احکام مصنف کی وفات کے بعد طبع بھی ہوئی تھی۔ رشتہ  
 ابدالی صاحب لکھتے ہیں :-

” اس کتاب کا نام احکام ہے۔ اس کے مصنف حضرت سید شاہ محمد تقی بلخی  
 سجادہ نشین خانقاہ بلخیہ فتحہ ضلع پٹنہ ہیں۔ یہ ۱۲۸۳ھ میں ٹیبا برج کلکتہ میں مرزا امجدی  
 حسن کے اہتمام سے طبع ہوئی ہے۔ صفحہ ۲۱۶ پر کتاب تمام ہوئی ہے۔ اور بعد والے  
 صفحہ پر شاہ نجی عظیم آبادی کے دو قطعے تاریخ فارسی میں ہیں۔

مصنف کے صاحبزادہ اور جانشین شاہ عظیم الدین صاحب نے مصنف کی رحلت  
 کے چند برس بعد چھپوایا ہے۔ جس کی صراحت اپنے مقدمہ میں انہوں نے کی ہے ۱۲۸۳ھ  
 سال طباعت ہے۔ لہذا متحقق ہے کہ ۱۲۸۳ھ سے چند سال پہلے یہ کتاب لکھی جا  
 چکی تھی۔ یہ تین کتاب اور چند ابواب و فصول پر مشتمل ہے، جن میں عقاید، مسائل  
 فقہیہ اور اوراد و وظائف کا بیان ہے۔ کتاب کی ابتدائی سطور یہ خاطر ہیں :-  
 (ندیم بہار نمبر ۱۹۳۵ء، ص ۶۷)

بعد ازاں عبارت نقل کی گئی ہے :-

۱۔ سال تصنیف بلاشبہ ۱۲۵۶ھ سے پہلے ہے۔ کیونکہ قلمی نسخہ کی کتابت اسی سال مصنف کی زندگی  
 میں ہوئی ہے۔ تفصیل پہلے درج ہو چکی ہے۔ (اور نیوی)

”..... کتا ہے فقیر حقیر سراپا تقصیر محمد تقی بلخی فردوسی کہ.....“

..... کتابوں معتبر سے چُن کر زبان ہندی میں ترجمہ کیا گیا.....“

معلوم ہوتا ہے کہ قلمی نسخہ اور مطبوعہ نسخہ میں قدرے فرق ہے۔ املا کا، جمع و واحد

کا اور کچھ اور خفیف فرق۔ مثلاً

قلمی نسخہ	مطبوعہ نسخہ
① اتنا استعداد	① اتنی استعداد
② کہ اوپر فارسی قدرت نہیں رکھتا تھا۔	② کہ اوپر فارسی کے قدرت نہیں رکھتے تھے۔
③ مشابلات چند کہ جانناں اوس کا	③ مشاٰل چند کہ جانناں اُن کا ضروریات
ضروریات دین .....	دین .....
④ ..... کتابیں معتبر سے چُن کر کے.....	④ کتابوں معتبر سے چُن کر.....
⑤ ترجمہ کیا گیا۔	⑤ ترجمہ کیا گیا۔

## حضرت سید شاہ عطا حسین منغی گیاوی ۱۲۳۱ھ تا ۱۳۱۱ھ

رخشاں ابدالی صاحب کتاب ’دید مغرب معروف بہ ہدایت المسافرین‘ کے

متعلق لکھتے ہیں :-

”اس کے مصنف حضرت سید شاہ عطا حسین صاحب منغی قدس سرہ گیاوی

(۱۲۳۱ھ تا ۱۳۱۱ھ) مصنف ’کیفیت العارفين‘، وکنز الانساب‘، (فارسی) ہیں۔





”..... جب مشائخ ہوئے مجتمع، تو ال اپنا اپنا ساز ملائے، غزلیں طرح طرح کی گائے، صوفیانِ عظام وجد و شورش میں آئے۔ ان چشتیوں کے وجد و شورش کا ابوالعلائیوں سے نیا دیکھا انداز۔ پیروں کی توصیف کی غزلوں میں، کوئی جھومتے تھے، کوئی روتے تھے بخشوع و نیاز.....“

”..... القصہ فقیرہ کالت وجد نعرہ کرتا ہوا اپنیا بادشاہ کے پاس، مصافحہ کر اُن سے کہا، اے بادشاہ دین پناہ اگرچہ اس غزل کے اشعار مضمون آپ کے ہیں، مگر اگر غور فرمائے حقیقت میں تو یہ اشعار فقیر مسکین کے ہیں حسب حال۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہر و باطن بنایا ہے شاہ، اور اس مسکین کی شاہی تو ہے فی سبیل اللہ۔ بہادر شاہ سن کے عاجز مسکین کی تقریر اور معائنہ کر حالت کیفیت فقیر حقیر اس مجلس میں فقیر کے ہوئے معانقہ پذیر، اگرچہ انکے پہلو میں تھے کھڑے ہنشین و دبیر.....“

(رسالہ ندیم بہار نمبر ۱۹۳۵ء، ص ۶۶)

یہ دہلی کی ایک مجلس سماع کا حال ہے، جس میں خاندانِ تیموری کا آخری چرلغ بادشاہ بہادر شاہ ظفر بھی جلوہ افروز تھا۔

## سید محمد اسحق عرف پیر دمڑیا ولادت ۱۲۲۲ھ

مجھے سید محمد اسحق عرف پیر دمڑیا کے دو رسالے شاہ مجتبیٰ حسن صاحب رئیس بہار شریف سے حاصل ہوئے۔ سید محمد اسحق آپ کے پردادا تھے۔ بہار کو صوفیوں کا یہ خاندان نہایت معزز و محترم ہے۔ حضرت پیر دمڑیا کے دو رسالے نثر اور دو میں میرے پیش نظر ہیں۔ ایک کا نام ”اصول احکام شرع“ اور دوسرے کا ”جذبات معینہ“ ہے۔

سید محمد اسحق فاطمی و المرقضوی النبی تھے۔ مذہب ”ملت حنفی مشرب صوفی“ آپ شاعر بھی تھے۔ قلیٰ نسوں میں آپ کی نظمیں حمد میں، نعتیہ، قصیدے، بزرگوں کی توصیف میں دیگر قصائد، مرثیے اور صوفیانہ غزلیں بھی ملتی ہیں۔ تخلص فقیر فرماتے تھے۔ حضرت پیر دمڑیا اپنی ولادت کے متعلق لکھتے ہیں :-

”جب میرے بڑے بہائی سید شاہ محمد اشفاق عرف شاہ غوث کوکہ دلی مادر زاد تھے سات برس کی عمر میں معاندوں نے زہر کھلا کے شہید کیا اور والدین کو ہمارے نوید لا ولد سی سے ناامید کیا۔ چند عرصہ تک کوئی فرزند دل بند ظہور میں نہ آیا اور فلک کج رفتار نے مرثوہ خورجی کا انہونکو نہ سنایا، حکایت سنوات محدرات عصمت نین بہت دعا و تویز کرایا اور اکثر روضہ چلہ پیر و نکا منایا، جب ثمرہ اوسکا

---

علی محلہ دائرہ، بارہ درہی، بہار شریف، ضلع پٹنہ سید محمد اسحق عرف پیر دمڑیا کے بیٹے شاہ عطا حسین ان کے بیٹے شاہ رضا حسین و شاہ فدا حسین۔ شاہ مجتبیٰ حسن شاہ رضا حسین کے بیٹے ہیں۔“ اور بنوی

کچھ نہیں پایا سبھونکا دیہان اپنے پیروں کی طرف آیا۔ جناب دادی و پردادی صاحبوں نے استخارہ معین کیا اور دلیں اپنے اسی یقین کیا کہ اگر بنایات رب العالمین وہ استاد غوث العالمین حضرت پیر دستگیر خواجہ معین الدین لخت جان چراغ خانماں کا پیدا ہو گا تو اس کو واسطے زیارت آستانہ کرامت کے اجیر شریف روضہ نفیس میں روانہ کر دینگے اور اس عہد سے اپنے کبھی نہ پہرونگی۔ آخر یہ دعا بدرگاہ خدا مستجاب ہوئی.....“ بعد ازیں حکایت کرامت منظوم۔

..... ”تاریخ پیو دہویں شہر عنفر المنظر روز چہار شنبہ ۱۲۲۴ھ فصلی یہ کترین

خلاقی بندہ نالائق مصنف پیدا ہوا۔ ہزار ناز و نعمت آغوش والدین میں پرورش پاکو سن بلوغ پہونچا۔ چونکہ پیدائش اسکی بتصرف پیرانِ بیریستی اس جہت سے اس میں یہ تاثیر تھی کہ ایام طفولیت سے اب تک عاشق پیراں رہا....“ (جذبات معنیہ) میں پہلے رسالہ ’جذبات معنیہ‘ کا مختصر جائزہ لیتا ہوں۔ پیش نظر رسالہ نامکمل ہے۔ آخر میں نو صفات ہلکے زرد کاغذ کے سادہ چھوڑے گئے ہیں اور چوبیس صفحات لکھے ہوئے ہیں۔ سائز ۵ × ۹ ہے۔ صفات جا بجا کرم خوردہ ہیں۔ یہ رسالہ دو اور مطبوعہ اردو رسالوں اور مصنف کے ایک طویل قصیدہ کے ساتھ مجلد ہے۔ پہلے قصیدہ ہے، مطلع :

۱۔ پہلے مطبوعہ رسالہ کا نام ”چچک اور مواد چچک کے ٹیکا اور انگریزی ٹیکا کا حال مفید عام“ ہے۔ مطبوعہ گورنمنٹ پریس، الہ آباد۔

دوسرے رسالے کا نام ”ایکٹ نمبر ۱۸۶۹ء بابت ترمیم ضابطہ مقررات زمیندار اور رعایا کے“ ہے۔ مطبوعہ کلکتہ جنوری ۱۸۷۰ء +

۷ کس موہنہ سے حمد خالق اکبر بیاں کروں  
اور کس زبان سے منت داور بیاں کروں

۴ صفحات سے کچھ زیادہ پر یہ قصیدہ ہے۔ دراصل یہ قصیدہ در قصیدہ ایک ہی بحر و ردیف اور اہتمام قافی میں ہے۔ پہلے حمد، پھر نعت، پھر توصیف اہل بیت۔ بعد ازاں وصف خلفائے راشدین اور آخر میں پیران طریقت کی شان میں قصیدے ہیں۔ خصوصاً حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ کے مناقب میں۔  
قصائد کے بعد رسالہ ”جذبات معینہ“ شروع ہوتا ہے۔ اس کا آغاز بھی حمد و نعت سے ہوتا ہے :-

”بسم اللہ الرحمن الرحیم“

حمزید شکر بید ذات رب العالمین کس زبان سے ہوا واجب اس کا پایاں کچھ نہیں  
شاہ کا گرچہ پتا تم ڈھونڈتے ہو اے فقیروں چشم دل سے دیکھلو در سینہ ہائے عارفین  
چاہیے اب وصف شاہ انبیا و مرسلین مالک ارض و سما و سالک عرش بریں  
وصف جس شہ کا کرے خود خالق کون و مکان کیا لکھے اس کو فقیر بے نوا، کمترین  
اب جانا چاہیے کہ وجہ لکھنے اس رسالہ کی یہ ہے کہ جب اس فقیر بے تدبیر  
کمترین خلایق بندہ نالائق خادم الفقراء آفاق شجاعت الشوق فقیر زادہ حقیر سید  
محمد اسحاق المشاق الی الہ عرف پیر درمطیبا چشتی النظامی و الملقب من المرشد معدن الغیض  
سرملقہ ابو العرفان مقبول حسین ابو الفیاضی الباری التکویمی کو اندوہ دینیہ و جذبات معینہ  
ممكن حال ہوا اور کاشانہ ویرانہ سے اپنے طرف دار الخیر حضرت اجیر نور الہ ارضہ کے

انتقال کیا۔ ابتدائے روانگی سے پہر آنے تک کچھ عجیب و غریب سامان بندھا و گوناگوں کرامات و عنایات و انفضال اوس حبیب ذوالجلال کا آسکے حال پر رہا کہ اگر مشروح وادکل کو لکھے تو جلد مطول ہوئے اور جنم بہر نقل نہوئے مگر بعض بعض کرامات عجیب اور وقوعات غریب کہ ہنگام اوس سفر و سبیلۃ الظفر کے مشاہدہ اور معائنہ کرتا تھا۔ جس مقام پر ٹھرتا تھا لکھنے سے اوسی احوالات کے کاغذ بہرتا تھا اور یک جدول بطور خبرتہ می کے بنا کیا تھا کہ سب حالات اوسیں لکھا کیا تھا کہ وہ مجموعہ زبان فارسی میں بقید روز و توارخ و تعداد منازل ہوا تھا۔ سب مریدان راسخ الاعتقاد اور دوستان واثق الاتحاد نے دیکھ اور سُنکے بہت خوش ہو داد دیا اور یہ فرمائش بعد تاکید کیا کہ اگر اسکا ترجمہ زبان ہندوی میں ہوتا تو خوب تھا بلکہ ہر دلیں مرغوب تھا کہ وہ سب سُنکے خواہش زیارت کی دلونیں ہوتی اور یہ کتاب تحم عقیقت کا مزرعہ دلونیں ہوتی۔ ہر چند عذر کیا اور کہا کہ زبان ہندی میں جھکو دخل نہیں، بہو تیرے معترض کہینگے چناں وچنیں بس پر بھی اون لوگوں نے پنجوڑا، اس عاجز نے بھی اون لوگوں کے کہنے سے مونہ نہوڑا۔ اس لئے خلاصہ حال سفر اور کیفیات منازل و شہر کے لکھا۔ چونکہ جانا اسکا صرف بخشش و غلبات یقینہ تھا نام اسکا جذبات معینہ رکھا، توجہ کوئی پڑھے ساتھ دعا خیر کے اس فقیر کو یاد کرے، اب التماس بیچ خدمت اہل قیاس حق شناس کے یہ ہے کہ اسکے مضامین کو سمجھ لیں اور عبارات غیر فصیح کو خیال نہ کریں بلکہ اگر کوئی الفاظ بے ضابطہ تحریر اور غیر مآوردہ تقریر کے دیکھیں تو ساتھ اصلاح کے بار احسان کا مجھ عاجز پر دہریں ....“

۱۔ ”جذبات معینہ“ سرخ روشنائی سے لکھا ہے، جسے مختلف سرخیاں رسالے کی لکھی گئی ہیں +

یہ رسالہ اجیر شریف کا سفر نامہ ہے۔ نثر کے بین بین ابیات و اشعار خود مصنف کی  
 درج ہیں۔ کہیں کہیں پوری کی پوری غزل بھی ہے۔ کلام منظوم کی کثرت ہے۔  
 ”پہلی منزل، حضرت بہار سے بلندہ عظیم آباد تک کہ سولہ کوس ہے“ کے  
 بیان پر رسالہ نامکمل رہ جاتا ہے۔ آخری الفاظ حسب ذیل ہیں :-

”..... جب اس عاجز کو بہت مستعد پایا حضرت مرشد سے سارا احوال.....  
 کا ظاہر کیا اور عزم و ارادہ سے اس احقر کے ماہر کیا“

مصنف کئی بار اجیر شریف کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے مگر مقصد پورا  
 نہ ہوا۔ آخر شش ”روز دوشنبہ تاریخ ساتویں صفر ۱۲۷۱ھ ہجری مطابق چوبیسویں کاتک  
 ۱۲۶۲ھ فصلی روانہ عظیم آباد ہوئے۔“

سید محمد اسحق عرف پیر دمڑیا کا دوسرا رسالہ ”اصول احکام شرع“ ہے۔ یہ  
 رسالہ فقہ ہندی منظوم کے ساتھ مجلد ہے۔ سایز ۵" x ۹"۔ کاغذ ہلکا زرد، کرم خوردہ۔  
 صفحات ۳۱۔ رسالہ کا آغاز یوں ہوتا ہے :-

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“

اچھی تعریف خدائے پاک کے لئے ہے کہ جس نے ایک امر سے وجود نابود و بوجہان  
 کا بنایا اور اوہیں اپنی ساری صفت اور صنعت کر دیکھا یا کہ تمامی مخلوقات اپنا پیدا  
 کرنے والا، روزی دینے والا، آفتوں سے بچانے والا، معصیتوں سے چوڑانے والا جانیں  
 اور اوسکے حکموں کو جان اور دل سامیں ....“

..... ”اب آگے اس کے جانا چاہیئے کہ یہ عجیب زمانہ ہے کہ جس میں وعظ و نصیحت

ایک فسانہ ہے، کیسی کو توفیق دینداری اور ایمان شناسی کی نہیں، اعمال کچھ ہے اور نیت کہیں اور احکامات شرع کی تلاش کرتے ہیں، آخر سنی سنائی بات پر چلتے ہیں اور اپنی سمجھ پر مڑتے ہیں اور خوف خدا سے کچھ نہیں ڈرتے ہیں۔ اس جہت سے ظہور دین مصطفیٰ کے چھوڑ کے راہ ضلالت اور ہلاکت میں پڑتے ہیں اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی برباد کرتے ہیں اس واسطے یہ فقیر بے تدبیر کمترین خلأ بق بندہ نالائق محمد اسحق المعروف پیر دمڑ یا چشتی النظامی ..... نسب ہاوی الفاطمی والمرتضوی مذہب ..... ملت حنفی مشرب صوفی ..... واسطے عزیزان اور دوستان کے اکثر کتب ہائے فقہ سے ان اُصولوں کو فراہم لا کے رسالہ مختصر کیا اور نام اوسکا 'اصول احکام شرع رکھا ..... ".....

جانو اے مسلمانو کہ ہر کام کے واسطے اُصول ہے کہ بغیر آگاہی اوسکے کرنا فزول ہے، پس اسی طرح سے دینِ اصول شرع ہیں کہ سب کام اور احکام مسلمانیکے اوسیکے فرع ہیں۔ فہرست اصولات، توجید، ایمان، اسلام، اعتقاد، دین، مذہب، اجتہاد، ملت، اتفاق، اختلاف۔ اور شرع کے معنی راہ روشن ہے، جو کوئی اس راہ پر چلیگا ضلالت اور ہلاکت میں نہ پڑے گا۔

رسالہ کا اختتام مندرجہ ذیل جملوں پر ہوتا ہے :-

"..... اس لئے رسالہ ہندی کیا کہ ہر شخص کی سمجھ میں آوے، شکرو احسان خدا کا کہ اتمام کو پہونچا۔ اللہ برتر پر ہنیوالے کو توفیق دے کہ مصنف کو ساتھ دعا بغیر کے یاد کرے، تمام شد۔ نسخہ احکام الشرع من تصنیف شجاعت العشق فقیر.....

ع۔ اسی طرح لکھا ہے، فزول = فضول +



حقیقہ محمد اسلمی المعروف پیر دمڑ یا چشتی النظامی والا بالو الفیاضی البہاری الیتکوی +  
رسالہ کی تصنیف کی تاریخ کہیں درج نہیں۔ اس رسالہ کی زبان صاف اور رواں  
ہے۔ اشعار اور ابیات کے بوجھ سے دبی ہوئی نہیں ہے۔ ہاں طرز مقفی کے نمونے جا بجا  
ملتے ہیں۔

## عالم علی عظیم آبادی (۱۲۵۷ھ)

عالم علی عظیم آبادی نے ۱۲۵۷ھ میں میر محمد تقی خیال کی مشہور کتاب  
’بوستان خیال‘ کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ محض ہے ’بوستان خیال‘  
سو کتبہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے محض ترجمہ کا نام ”زبدۃ الخیال“ ہے۔ اس  
کا ایک نسخہ کتب خانہ قادریہ خانقاہ اسلام پور (پٹنہ) میں ہے۔ اس نسخہ میں ۳۳۰  
صفحات موجود ہیں، اور آخر کے بقیہ صفحے غائب ہیں۔ ابتداء میں جو فہرست مضامین  
ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۸۰ صفحوں پر تمام ہوئی ہے۔ افسوس کہ  
مصنف کے حالات بالکل تاریکی میں ہیں۔ اس کتاب کی زبان بہت صاف سلیس  
اور رواں ہے۔۔۔۔۔ (رخشاں ابدالی، اسلام پور۔ ندیم بہار نمبر ۱۹۳۵ء ص ۷۳)  
”زبدۃ الخیال“ کا اقتباس حسب ذیل ہے۔۔

”جب ملکہ مہر افروز زوجہ اورنگ شاہ با دشاہ ملک ختا، کہ حُسن تدبیر سے  
حکیم استقلینوس کے حاملہ ہوئی۔ بد تو مینے کے دختر نیک اختر، آفتاب صورت،

ماہتاب سیرت پیدا ہوئی، نام اس کا زہرہ جبیں ختائی رکھا ہے

چمہ دختر، اختر برج سعادت، گرامی گوہر درج سعادت

اکتالیس اسباب حُسن کے، جو کتب معتبرین میں مقرر ہیں، وہ سب اسبابِ ملکہ میں مجتمع تھے۔ سر سے پاؤں تک سراپا حُسن، اور تمام عضو اُس کے نورِ الٰہی سے مجسم تھے۔ اور جو جو علم و ہنر کہ بادشاہ زاد یوں کو چاہیئے بارہ برس کے سن میں سب میں لائق و فائق ہوئی۔ جس رات کو ملکہ کی سالگرہ تیرہویں برس کی ہوئی، ملکہ نے لباسِ مکلف اور زیوراتِ مُرصع پہن کر بسترِ راحت پر آرام فرمایا۔ عالمِ خواب میں دیکھا کہ خود ملکہ حمام سے غسل کر، جامہ خانہ میں کپڑے بدل کر، آئینہ خانہ میں گئی۔ اپنی صورت اس کو آئینہ خانہ میں نظر نہ آئی۔ بدلے اس کے مشکل و شائل ایک جوان ماہر و کی دیکھی، بجمہرہ دیکھنے کے تیر عشق کا کمان ابرو سے اس کے سینہ پر لگا۔ ملکہ نے شرم سے سر نہچے کر لیا، جب پھر نظر اٹھائی، تو وہی صورت نظر آئی۔ چاروں طرف اس مکان کے آئینے تھے۔ جہرہ نظر کرتی ہے، وہی صورتِ زیبا نظر آتی ہے۔ ملکہ بے اختیار نمرہ مار کر خواب سے اٹھی۔ عشق نے اس جوان کے ملکہ کو بے قرار کیا، عشرت افزا نے چہرہ کو ملکہ کے دیکھ کر دریافت کیا، کہ ملکہ بلاشبہ کسی پر عاشق ہوئی، نہیں تو یہ حالت سوائے عاشقوں کے دوسرے کی نہیں ہوتی۔ . . . . .“

(ص ۲۷۶ - ۲۷۵، نسخہ خانقاہ قادریہ، اسلام پور)

## مولوی شجاع الدین علیؒ ۱۲۵۷ھ

مولوی شجاع الدین علیؒ کا لکھا ہوا ایک مطبوعہ ندی رسالہ مجھے شاہ مجتبیٰ حسن صاحب کے کتب خانہ بہار شریف سے ملا۔ رسالہ کے نام کا پتہ نہ چل سکا۔ اس کی تقطیع ۵×۹ ہے۔ صفحات ۹۷۔ کاغذ ہلکا زرد، نہایت کرم خوردہ۔ رسالہ کے آخر میں درج ہے:

”تمام ہوا سولہویں ذی الحجہ ۱۲۵۷ھ ہجری روز جمعہ مطابق ۲۸ جنوری ۱۸۴۲ء مسیحی میں و بانطباع شیخ دین محمد متوطن قصبہ چمپہ کے مکمل پایا۔“

یہ رسالہ رخشاں ابدالی صاحب کی نگاہ سے بھی گزرا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:-

”..... میں ایک مطبوعہ رسالہ کی تفصیلات پیش کرنا چاہتا ہوں جو اسی ۱۲۵۷ھ میں مرتب ہوا ہے، یہ رسالہ مدرسہ اسلامیہ بہار شریف کے کتب خانہ میں ہے.....

رسالہ کا نام نہ ابتداء میں ہے (سرورق ہے ہی نہیں) نہ سبب تالیف میں اور نہ خانمہ پر۔ بہتہ کاغذ کے ۹۵ صفحات پر چھپرہ میں طبع ہوا ہے۔“

بعد ازاں رسالہ کے اختتام کا اقتباس درج کیا گیا ہے جو بالکل وہی ہے جو خود میں نے دوسرے نسخے سے اوپر درج کیا ہے۔ مگر تعجب یہ ہے کہ رخشاں ابدالی صاحب کے مقالہ میں ۹۵ صفحات کیسے درج ہو گئے۔ ایک ہی طباعت کے دونوں میں بھلا ایسا فرق کس طرح ہو سکتا ہے۔ میرے پیش نظر نسخہ میں آخری صفحہ کے سرے پر صاف ”۹۷“ مطبوعہ ہے۔ غالباً رسالہ ندیم کی کتابت کی غلطی ہے کہ ”۹۷“ کی بجائے

۹۵، چھپ گیا ہے۔ رسالہ کا آغاز یوں ہوتا ہے۔

”ہو القادر۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔“

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد والہ الطیبین الطاہرین  
وعلیٰ اصحابہ حماۃ الدین و ہدایۃ الیقین و اتباعہ جمیعین۔ اما بعد اگرچہ یہ مسجد ان شجاع الدین  
علی ولد حضرت مولانا ..... عالم باعمل محقق کامل فاضل عظیم المثل محدث یگانہ  
فقیہ زمانہ عابد بے ریا زاہد با خدا تارک الدنیا و ما فیہا متوکل علی اللہ حقایت و معارف  
آگاہ مولوی سید تیم اللہ رضوی ترمذی بہاری ..... لیکن مثل مشہور چہ نسبت خاک  
را با عالم پاک کہ انظر عالم ربانی و مرد با خدا و یہ بیچ میرز مبتلا نہوسات دنیا سے فانی بدنام  
کنندہ نگو نامی چسند ہے لیکن برکت انفس مبرکہ ابا کرام و بحسن ترمذیت و فیضان صحبت  
والد ماجد علیہ الرحمۃ کے فی الجملہ علوم ضروری صرف و نحو و فقہ و عقاید و علم کلام و اصول دین  
و تفسیر و حدیث سے بہرہ رکھتا ہے و با بیان حقیقی تحقیقی مانند بزرگان خود پیرا سنہ و  
عقیدہ تقلیدی سے وارسنہ۔

مذہب عاشق زہد مذہب ہاجد است ۔ عاشقان را مذہب و ملت خداست .....  
..... ”محبت خدا و رسول و اہلبیت نبوت و تبعیت کتاب اللہ و سنت“  
دین و ایمان ہمارا ہے و تعصب و نفاق و عداوت اہلبیت نبوت کو موجب شقاوت  
دارین و ضلالت نشأتین جانتا ہے، سنی بے تعصب و شیعہ بے تبرا مذہب آباؤی  
ہمارا ہے .....“

مولوی شجاع الدین علی کا زیر نظر رسالہ جواز تعزیر داری میں ہے۔ یہ ملا کر امت علی

جو پوری ولد ملا امام بخش کے رسالہ ”قوت الایمان“ اور مولوی نعمت علی عظیم آبادی کے خیالات کا پُر زور رد ہے۔ مولوی شجاع الدین علی رسالہ ”قوت الایمان“ کے متعلق لکھتے ہیں: ”کہ وہ فی الحقیقت قوت الایمان سارے اہل اسلام کا ہے“ کتاب کی حیثیت مذہبی اور مناظرانہ ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ۔۔

”..... اور خط میاں شاہ عبدالعزیز دہلوی کا کہ جواب میں سوال جواز و عدم جواز مجلس تعزیریہ داری کے لکھا ہے اور راقم بھی اوس ایام میں شاہجہاں آباد میں تھا۔ اُسے بھی جواز مجلس تعزیریہ داری کی ظاہر ہے، بالجملہ بوجہات مرقومۃ الصدر کے جواز و موجب ثواب ہونے میں اوسکے کچھ شک نہیں“ (ص ۹، رسالہ ہذا)

مصنف نے اس رسالہ سے پہلے تین اور رسالے ردِ نصاریٰ میں لکھ کر شائع کئے تھے۔ انہیں اس کا دُکھ تھا کہ ”عرصہ چند مدت سے غلبہ و تسلط قوم عیسائی نصاریٰ کا مملکت ہندوستان پر یومافینوما ترقی پر ہے۔“ (ص ۳)، اور ”اکثر اشخاص اپنے عقیدہ آبائی سے مرتد ہو گئے ہیں“

مصنف اُس عصر کے مذہبی حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:-  
 ”بایں وجہ تمام ملک ہندوستان عموماً و دارالامارۃ کلکتہ و صوبہ بنگالہ و بہار خصوصاً دارالاباحۃ و الضلالتہ ہے کہ کوئی متعرض حال و عقائد و مقال کیسے نہیں ہے، اسلئے بسبب مطلق العنان ہونے ہر ایک شخص کے کہ کوئی کیسے باز پرس نہیں کر سکتا ہر عجب طرح کا خلاف و اختلاف اہل اسلام و ہر ایک اہل ادیان و مل و نخل میں دھڑھ رسالہ زیر نظر کو تعزیریہ داری کے جواز میں ہے۔ لیکن مصنف کو دہریوں اور

عیسائیوں کے خلاف فلی جہاد کرنے کی فکر زیادہ تھی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے راجہ رام موہن رائے بنگالی کے خیالات فاسدہ کا جواب بھی دیا۔ لکھتے ہیں :-

”..... ایک رسالہ جہالہ کفر و ضلالتہ بخلاصہ مذہب و عقیدہ باطلہ دہریہ کے بابت مضمون کہ جمیع مذاہب و ادیان ہندو و مسلمان و یہود و نصاریٰ وغیرہ مذاہب اہل کفر و اسلام موضوع و مخترع اسی انسان فانی بنیان کا ہے، کوئی مذہب و مشرب خدا کی طرف سے نہیں ہے و سارے مذاہب و عقاید بنائے ہوئے انہیں آدمیوں کے ہیں انہوں نے جوٹ نسبت اوسکی طرف خدا کے کر دیا ہے و جوٹ آنا فرشتہ کا دلانا اوسکا حکم الہی و تورات و انجیل و قرآن واسطے اعتقاد عامہ مردمان کے ظاہر کیا ہے کہ لوگ خدا کے ڈر سے خوف جڑائے دوزخ و بامید آسائش جنت کے اپنے عقیدہ و ایمان پر قائم رہیں، خود تصنیف و تالیف کیا۔ لیکن چونکہ جانتے تھے کہ یہ عقیدہ باطلہ افسوس کہ علما و عظامے و فضلاء کامل کا ہوگا، نظر بردنامی و اشتہار رسوائی اپنی بنظر عام مردمان ہندو و مسلمان وغیرہ اہل ادیان کے، نام سے اپنے نہ لکھا و اس رسالہ جہالہ کفر و ضلالتہ کو بنام بابو رام موہن ایک بنگالی کے کہ وہ ظاہر علم سنسکرت و عقیدہ براہو میں مناسبت رکھتا تھا وہ شخص غیر متبیہ و اپنے اعتقادات کا بھی پابند نہ تھا و مرد دولتمند تھا، تصنیف کر کے شہرت دیا..... لکھنا جواب کا اوسکے واجب ہوا چنانچہ اوسی ایام میں جواب باصواب اس رسالہ جہالہ کفر و ضلالتہ کا بخلاصہ اس مضمون کے لکھا گیا.....“ (ص ۶۷)

.....”چونکہ بادشاہ و حاکم اس ملک کے عیسائی ہیں اکثر پادریان عیسائی

نے صدر رسالہ مغالطہ جالہ کفر و ضلالت بہ البطل مذہب ہندو کے لکھ کر چھاپ کر واسطے اغوائے ہندو و مسلمان کے لوگوں کو بلا قیمت دیتے ہیں و اہل اسلام بسبب ..... وغلبہ عیسائیوں کے کچھ جواب اوسکا باوجود اسکے کہ وہ رسالے سراسر لغو و بیمنی و محض مغالطہ ہے، نہ لکھا۔ بنا، علیہ پادریوں کو جرات زیادہ ہوئی۔ اور انہوں نے کئی رسالہ بدین مضمون کے لکھ کر چھاپ کر مشہور کیا کہ عقیدہ ہندو و مسلمان کا محض باطل ہے۔ اسنے کہ اکثر رسائل با بطل مذہب ہندو و مسلمان کے لکھ کر چھاپ کر مشہور کیا گیا و حضور میں اکثر علمائے نامور مولوی شاہ عبدالعزیز دہلوی و مولوی دلدار علی لکھنوی کے بھیجا گیا لیکن کچھ جواب اوسکا نہیں لکھا۔

..... ”اس لئے پھر انہوں نے ایک کتاب مدلل با بطل ورد مذہب نصرانی کے و اثبات مذہب اہل اسلام کے تصنیف کر کے ہر ایک ہزار پانچ سو روپے کے پانچ سو نسخہ چھاپ کر لوگوں کو تقسیم کیا و نام اوسکا ’مختصر میسم‘ رکھا۔“ (علاوہ) مصنف کو یہ احساس بھی تھا کہ وہ وقت فرقہ واری بحثوں کے لئے سخت ناموزوں تھا۔ لکھتے ہیں :-

”اس زمانہ میں علماء، عقلائے اہل اسلام کو مناسب و ضرور تھا کہ کتب و رسائل باستحسان و حقیقت مذہب اہل اسلام کے عموماً و با بطل ورد مذہب غیر اسلام کے خصوصاً مذہب عیسائی کے لکھے.....“

”..... یہ تو مقتضائے حال اس زمانہ کے مناسب تھا۔ برخلاف مصلحت وقت و برخلاف مقتضائے حال اس زمانہ کے بعض بعض مولویان اختلاف جدید درمیان

اہل اسلام کے عموماً ڈالا ہے کہ کئی مولویوں نے رسالے اوپر تکفیر مطلق اہل اسلام تعزیرہ دار کے برخلاف طریقہ اہل سنت والجماعت کے لکھا ہے۔۔۔۔۔“ (ص ۱۳۱)

رسالہ کا طرز بیان بڑے بڑے پیچیدہ جملوں سے ترتیب پاتا ہے۔ ’جب‘ اور ’تب‘ کی بجائے ’جد‘ اور ’تد‘ استعمال ہوتے ہیں اور ’سب‘ کو ’سبھ‘ لکھا جاتا ہے۔ زبان میں پُرانے پن ہے۔ کہیں کہیں علامت فاعلی محذوف ہے۔ اور کہیں کہیں فعل کو فاعل و مفعول سے مطابقت نہیں۔ اور چونکہ ایسا کئی جگہوں پر ہے لہذا کتابت و طباعت کی غلطی نہیں کسی جاسکتی۔

میراجیال ہے کہ مولوی شجاع الدین علی قصبہ بہار شریف کے رہنے والے تھے۔ وہ اپنے والد صاحب کو ”بہاری“ لکھتے ہیں۔ اگر یہ نسبت صوبہ بہار کی طرف ہے تو پھر مصنف چھپرہ کے رہنے والے ہوں گے۔ اُن کی کتاب شیخ دین محمد متوطن چھپرہ کے مطبع میں چھپی تھی۔ اس سے زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا۔

## مولوی محمد عالم علی $\frac{125}{1838}$

مجھے جناب شاہ فخر عالم صاحب، سجادہ نشین، خلیفہ باغ بھاگلپور کے بقتانہ سو ایک مطبوعہ کتاب نثر اردو کی ملی۔ اس کا نام ”دہ مجلس“ ہے۔

”دہ مجلس“

تالیف مولوی محمد عالم علی صاحب، سررشتہ دار کشنری اضلاع بھاگلپور وغیرہ



واسطے پڑھنے محرم کی مجلسوں میں۔

اختر العباد حیدر علی و علی حسین نے ..... دارالامارة کلکتہ، مطبع  
انوان الصفا میں، اہتمام سے مولوی عبد المجید صاحب و مولوی کرامت اللہ صاحب کے  
۱۲۶۵ھ قدسی کے رمضان مبارک میں، مطابق ماہ اگست ۱۸۴۸ء کے چھپوایا۔  
قیمت کتاب یکروپیہ چار آنہ۔

چھوٹے سائز کی کتاب ہے تقطیع ۵ × ۷ ۱/۲ - صفحات ۱۶۰ (ایک سو ساٹھ)۔  
’دہ مجلس‘ کی تصنیف ۱۲۶۱ھ ہجری ہی میں ہو گئی تھی۔ مصنف لکھتے ہیں :-  
”اجاب صادق اور مخلصان و اتق کی خدمت میں عالم علی عرض کرتا ہے  
کہ ۱۲۶۱ھ ہجری میں ..... زبان رنجتہ اُردو میں لکھا ہے .....“  
فہرست مضامین ’دہ مجلس‘ حسب ذیل ہے :-

- مجلس اول مشعر انتقال پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ... ص ۱
- مجلس دوم مشعر انتقال فاطمہ زہرا علیہا الصلوٰۃ والسلام ... ص ۱۶
- مجلس سوم مشعر شہادت علی مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ... ص ۲۹
- مجلس چہارم بہ شہادت امام حسن علیہ الصلوٰۃ والسلام ... ص ۴۳
- مجلس پنجم بہ شہادت حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام ... ص ۵۹
- مجلس ششم بہ شہادت پسران مسلم علیہ السلام ... ص ۷۲
- مجلس ہفتم بہ شہادت حُربن یزید ریاحی ... ص ۸۴
- مجلس ہشتم بہ شہادت حضرت قاسم علیہ السلام ... ص ۹۳

مجلس نہم بشہادت حضرت عباس علیہ السلام ... ص ۱۲۰

مجلس دہم بشہادت حضرت علی اکبر و علی اصغر علیہما السلام ... ص ۱۱۱

مجلس یازدہم بشہادت امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام ... ص ۱۲۱

مجلس سیوم امام منکوم علیہ السلام ... ص ۱۳۵

مجلس چہلم جناب سید الشہداء علیہ السلام ... ص ۱۴۷

”دہ مجلس“ کی طرز تحریر حسب ذیل ہے :-

”الحمد للہ الذی والی الخ... (عربی عبارت) ... عقلائے عالم و فضلاء بنی آدم

پر واضح اور آشکار ہے کہ آدمیوں کا لباس حیات مستعار ہے اور انکی عمر کی بنیاد

سناٹ ناپائدار۔ جس گلی نے جن وجود کے صحرا میں شگفتگی پائی ہے بے شک

صرصر فنا سے پزمرہ ہوا اور جسے کشور زندگانی میں قدم رکھا اوسنے بالضرور

متاع جان متقاضی اجل کو سونپا۔ چونکہ ایام غم انجام عاشورہ محل ماتم و بکا ہر

اسواسطے دو کلمہ وفات کے حال میں حضرت سید کائنات علیہ الصلوٰۃ والرحمات کے

لکھا جاتا ہے کہ ....“

”..... ایک دن رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کے زانو پر

سر مبارک رکھ کر آنکھیں بند کر لیں اور چہرہ نورانی کا رنگ متغیر ہو گیا۔ فاطمہ زہرہ نے

کہا وابتاہ، کچھ جواب ندیا پھر کہا بابا جان ذرا آنکھ کھولے اور کچھ مجھ سے

بولے۔ حضرت صلعم نے فاطمہ زہرا کو بغیرار دیکھ کر پاس بلایا اور اپنے سینے سے لگا کر

فرمایا خداوند فاطمہ کو صبر دے۔ اتنے میں حسین آئے۔ رخسار سے سینہ مبارک پر ملتے

تھے اور رو رو کر کہتے تھے، اے پدر بزرگوار آپ کی مفارقت سے ہمارا کیا حال ہوگا اور تمہارے بعد ہمارے ماں اور باپ کی غمخوار کون کرے گا۔ ازواجِ مطہرات اور اصحاب کے رونے سے زمین اور آسمان کانپا تھا۔ حضرت صلعم نے فرمایا، لوگو صبر کرو اور دو دن جبریل عیادت کے واسطے رسول صلعم کے پاس آئے اور مزاج کا احوال پوچھا، فرمایا، بہت ناساز ہے۔ تیسرے دن پھر آکر عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج ملک الموت کو حضور میں بھیجا ہے، اگر اجازت ہو تو خدمت میں حاضر ہو، حکم ہوا آوے۔ جبریلؑ ملول و محزون الوداع الوداع کہتے ہوئے اُسٹھے اور کہا پھر اتفاق دُنیا میں آئیکا نہوگا۔ الغرض ملک الموت نے پکارا کہ اگر اجازت ہو تو گھر میں آؤں۔ اسوقت فاطمہ زہرا حضرت صلعم کے سرہانے بیٹھی تھیں، جواب دیا کہ رسول خدا شاید مرض میں مبتلا ہیں ملاقات نہوگی۔ پھر اذن طلب کیا، وہی جواب پایا۔ تیسری بار ایسی آواز مَیْب سے اجازت چاہی کہ سُبُیْنو الونکا بدن ہیبت سے کانپنے لگا۔ حضرت صلعم نے آنکھ کھول کر پوچھا کیا حال ہے؟ فاطمہ زہرہ نے عرض کی ایک اعرابی دروازے پر کھڑا ہوا آئینکی رخصت چاہتا ہے۔ ہر چند غدر کرتی ہوں بہنیں مانتا۔ آپ نے فرمایا، اے فاطمہ یہ ملک الموت ہے۔ مٹائیو الالذو نکا، توڑنیوالا راحتوں کا، یتیم کرنے والا فرزندوں کا، بیوہ کرنیوالا عورتوں کا۔ حضرت فاطمہ زہرا رونے لگیں۔ سید المرسلین صلعم نے فرمایا، اے جان پدرِ ممت رو، تیرے رونے سے حاملانِ عرش روتے ہیں.....“

(مجلس اول)

اندازِ بیان صاف، سلیس، واضح اور پُر اثر ہے۔ مجلسیں نشر میں لکھی ہوئی ہیں

اور اختتام پر نوے درج ہیں، جو مصنف کے ہی منظوم کئے ہوئے ہیں۔ تخلص عالم ہی رکھا ہے۔ ایک نوہ درج ذیل ہے۔

ابن علی حیدر کرار و احب	سبط بنی احمد مختار و احب
زیب کنار فاطمہ زہرا نخی ذات پاک	دُرج بنی کے نختہ دُر شوار و احب
نختہ مجمع فضائل و بحر علوم دین	علم الیقین کے دائق اسرار و احب
توصیف جسکے چہر کی و الشمس ہو سکے	آغشتہ خاک و خوں میں وہ رخسار و احب
جن زلف مشکبار کی و الیل ہو صفت	آلودہ خاک اوسکا ہو ہر تار و احب
وہ حلق جو نٹھا بوسہ گہہ ختم مرسلین	چل جاوے اوس پخنجر و تلوار و احب
لعل لب اوزکا خشک ہو آتشگی سے لائے	ہیں آنکھیں اس اَلَم سے گہر بار و احب

عالم کا دل اَلَم سے ہوا بسکہ بے قرار

کتاب ہے رورو ہر گھڑی صد بار و احب (نوہ، ص ۱۳۳)

## حیدری

شاہ فخر عالم صاحب (خلیفہ باغ، بھاگلپور) کے کتب خانہ میں ایک اور مطبوعہ کتاب مجالس محرم کے متعلق ہے۔ ٹائپ نستعلیق سے مشابہہ۔ اس کتاب کو ابتدائی اور آخری حصے موجود نہیں ہیں۔ موجودہ حالت میں کتاب صفحہ دس سے شروع ہوتی ہے اور صفحہ دو سو چالیس پر ختم ہو جاتی ہے۔ ابتدائی صفحے کے سرے

پر لکھا ہوا ہے ” مجالس چہلم “ ” وہ مجلس “ اور ” مجالس چہلم “ کی ترتیب ایک جیسی ہے ۔  
 مجلسیں نثر اردو میں لکھی ہوئی ہیں اور اختتام پر نو حے درج ہیں ۔ قطعی طور پر نہیں  
 کہا جاسکتا کہ ” مجالس چہلم “ کا مصنف کون تھا اور یہ کتاب کہاں طبع ہوئی ۔ ممکن ہے  
 دونوں کتابوں کے مصنف مولوی محمد عالم علی ہی ہوں ۔ لیکن ” مجالس چہلم “ کے نوجوں  
 میں تخلص حیدری استعمال ہوا ہے اور ” وہ مجلس “ میں عالم ۔

” تخلص کے فرق سے اس طرف خیال جاتا ہے کہ ” مجالس چہلم “ کے مصنف کوئی  
 اور بزرگ ہوں گے جن کا تخلص حیدری تھا ۔ اغلب یہ ہے کہ دونوں کتابیں ایک  
 ہی زمانہ کی لکھی ہوئی ہیں ۔

” مجالس چہلم “ کی طرز تحریر حسب ذیل ہے :-

” جذبات جگر سوز کے لکھنے والوں اور روایات غم اندوز کے بیان کرنے  
 ہارون نے اس احوال جاں گزا اور اس ماجراے ہوشربا کو صفحہ دل پر قلم آہ سے  
 یوں رقم کیا ہے کہ ماہ محرم کی دسویں تاریخ صبح سے لیکر ظہر تک حضرت امام حسین  
 علیہ السلام کے جتنے بھائی بھانجے بھتیجے تھے سوائے جناب علی اصغر و حضرت زین العابدین  
 اور جناب امام حسین علیہ السلام کے دشت کربلا میں جام شہادت پی کر سیراب ہو چکے  
 تھے ۔ درجہ شہادت کو پہنچ چکے تھے ۔ کہتے ہیں کہ ان سب شہیدوں خدا رسیروں  
 کی خاطر اتنی بے حواسی و بے طاقتی خیمہ اہل بیت رسالت میں کسی کو نہ ہوئی تھی ،  
 جس قدر آہ و زاری حضرت امام حسین علیہ السلام کے ذوالجناح پر سوار ہونے کے  
 وقت ان بی بیوں پر وہ عصمت و عفت کی بیٹھنے والیوں نے کی ... “ ( ص ۱۵۵ )

’ مجلس چلم، کا ایک اختتامی نومہ درج ذیل ہے :-

” سنتا نہیں فریاد یہاں اسگھڑی کوئی — مجھ کو کھ جلی کی  
 دیتی ہوں کھڑی کبے محمد کی دوہائی — ہے ہے علی اصغر  
 اے جیدری اب تاب کہاں کیوں لکھیں ہم — اس دکھیا کی زاری  
 جسطور سے کہتی تھی وہ قسمت جلی مائی — ہے ہے علی اصغر  
 انا للہ وانا الیہ راجعون “ (ص ۲۱۰)

## مولانا محمد احسن گیلانی (۱۹۶۶ء)

مولانا محمد احسن صاحب مرحوم گیلانی ضلع پٹنہ کے رہنے والے، مدرسہ عزیز یہ بہار شریف کے مدرس اول تھے۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانی مرحوم، پرافسر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد نے مولانا محمد احسن گیلانی کے ایک اُردو رسالہ کا انکشاف کیا اور اسے بہار میں ”اُردو نشر کی پہلی کتاب“ کی حیثیت سے رسالہ ندیم، گیا، بہار نمبر ۱۹۳۳ء میں پیش کیا۔ اس رسالہ کو مصنف نے بہ زمانہ تحصیل علم بنارس میں تحریر کیا۔ خود مصنف فرماتے ہیں :-

” اب اوپر دانشمندان خیر و روشن دلائل صافی ضمیر کے پوشیدہ نہ رہے کہ  
 خادم الطبع محمد احسن ولد سید شجاعت علی رہنے والا متصل صوبہ بہار کا بارادہ  
 تحصیل علم آوارہ از وطن ہو کر ۱۲۶۶ء میں وارد شہر بنارس تھا “ اور خاتمہ کی عبارت

یوں ہے :-

”تمام شد اب کتاب در شہر بنارس ماہ صفر ۱۳۶۶ھ“

مولانا مناظر حسن مرحوم لکھتے ہیں کہ :-

”صوبہ بہار میں اس سے پیشتر کوئی کتاب نثر اردو زبان میں غالباً نہیں لکھی

گئی“

”اردو زبان کے اس قدیم دور میں ان حقائق و اسرار، معارف و نکات کے

موتیوں کو اس کے صفحات میں بکھرا ہوا پایا۔“

..... ”اسلام کی جدید ذہنی ضرورتوں اور آئندہ پیش آنے والے عقلی و علمی

خطروں کو بھانپ کر سارے ہندوستان میں بھی اُس وقت تک شائد کوئی کتاب

اردو زبان میں تصنیف نہ ہوئی تھی“

مقالہ نگار کے بیان سے مصنف کے موضوع سخن کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ افسوس

کہ مولانا مناظر حسن مرحوم کا مقالہ ناتمام رہا۔ اس لئے کتاب کے متعلق تفصیلی علم حاصل

نہ ہو سکا۔ ادارہ ندیم نے لکھا تھا کہ :-

”کتاب پر تفصیلی تبصرہ جو مولانا مدوح نے فرمایا ہے نہایت دلچسپ اور

پُر از معلومات ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بہار نمبر کے محدود صفحات میں اتنی گنجائش نہیں۔

اس لئے یہ مضمون یہیں پر ختم کر دیا گیا ہے۔ ہم مولانا مدوح سے اس اختصار کے

لئے معافی چاہتے ہیں اور ناظرین ندیم کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ کسی اور نمبر میں بقیہ مضمون

کا مطالعہ فرمائیں گے“ مجھے بہت تلاش و جستجو پر بھی بقیہ مضمون اور قلمی رسالہ نہیں مل سکا۔

## مولانا ولایت علی زبیری صادق پوری <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup> متوفی ۱۸۵۲ء

اسلامی تہذیب و تمدن کی قماش کا بہت بڑا حصہ مذہبی ہے۔ ملت اسلامیہ کی ثقافت کی بنیاد ہی دینی ہے اور اس کے دنیاوی ڈھانچے کے پیچ و خم میں بھی مذہب کی میخیں لگی ہوئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی کلچر کے ہر شعبہ میں مذہب کی نمایاں جھلک ملتی ہے۔ ادبیات اسلامیہ میں ہر طور پر مذہبی محرکات کی جلوہ گری ہے۔

اُردو زبان و ادب کی پیدائش و ارتقا میں ہندو مسلم کلچر کی آمیزش ہے۔ اس کے مسلم حصہ میں بھی اسلامییت کے ساتھ ساتھ بحیثیت و ہندویت کے واضح نقوش ملتے ہیں، اور ہندو حصہ میں ہندویت کے روشن خدو خال کے ہم پہلو اسلامی عناصر بھی نظر آتے ہیں۔ اُردو ادب کے آغاز کے وقت نظم میں عجیت اور ہندویت کی اثرات زیادہ گہرے پڑے ہیں اور نثر میں اسلامی اثرات زیادہ۔ دکن اور شمالی ہندوستان کے صوفیوں کے مذہبی رسالوں کے علاوہ قصہ کہانیوں میں بھی اخلاقی و مذہبی مقصدیت موجود ہے اس امتیاز کو سمجھنے کے لئے ملا وجہ کی مشنری قطب مشنری اور قصہ سب سے کئی تقابلی مطالعہ رہنمائی کرے گا۔

بہار کے اُردو نثری ادب کے آغاز میں بھی اسلامی مذہبیت کا تیز رنگ دکھائی دیتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ بہار کی ابتدائی اُردو نثر اسلامییت کو تار و پود سے ہی بُنی گئی ہے۔ صوفیائے کرام اور اہل در و علماء نے ترویج و تائید اسلام کی



خاطر مختلف مذہبی رسالے لکھے۔ قدیم بہار کی ادبی روایتیں بھی کچھ ایسی ہی ہیں۔ بودھ بھکشوؤں نے مذہبی اور اخلاقی محرکات کے تحت مذہبی لٹریچر اور اخلاقی ادب پائی پکرت میں پیش کیا تھا۔ بہاری صوفیا بہاری بھکشوؤں کی طرح سبزہ زار ادب میں بھی اپنا زعفرانی جامہ مذہب پہنے ہوئے خوش خرام ہوتے ہیں۔

علمائے صادق پور نے بھی اردو نثر کی تخلیق میں بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ صادق پور نہ صرف بہار بلکہ سارے ملک کی مذہبی و سیاسی تاریخ میں ایک غیر فانی اور اہم نام ہے۔ صادق پور (عظیم آباد) ایک اچھا، ایک تخریک، ایک تنظیم کا مرکز تھا جو ہندو گروہیں کی تھیں علمائے صادق پور نے اپنا ذریعہ پیام اردو کو بنایا۔ لارڈ اکلینڈ کی حکومت کے زمانہ میں (۱۸۳۷ء) عدالتوں اور سرکاری محکموں سے فارسی زبان کا رواج اٹھا دیا گیا۔ خاندان ولی اللہی نے بھی قرآن شریف کے اردو ترجمے بجائے فارسی تراجم کے عامۃ المسلمین کے سامنے پیش کئے۔ لہذا علمائے صادق پور نے بھی اپنے مذہبی رسالے اردو ہی میں لکھے، نیز حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ اور تفاسیر کے نکتوں کو اردو میں منتقل کیا۔ اردو ادب کو صادق پوری تخریک سے بیش بہا فائدہ پہنچا کیونکہ یہ منظم اجتماعی کوشش تھی اور عوامی میلانات کی حامل۔

صادق پوری رسالوں کے موضوعات و مقاصد کو سمجھنے اور صاحبانِ رسائل

۔ شاہ عبدالقادر مودودیؒ نے قرآن شریف کا پہلا اردو ترجمہ پیش کیا ہے۔ یہ باعادہ ہے۔ دوسرا ترجمہ آپ کے برادرِ محترم شاہ رفیع الدین نے کیا۔ یہ تحت اللفظ ہے +

کے ثقافتی محرکات کو جاننے کے لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ صادق پوری تحریک کے سلسلوں کے متعلق مختصراً کچھ بیان کیا جائے۔

مُغلیہ عہد میں خالص اور ٹھیکہ اسلام پیش کرنے کی سعی مشکوٰۃ حضرت احمد سرہندیؒ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے شروع ہوئی۔ اُس دور میں ہندو اسلامی تہذیب و تمدن کی ذیلی و ثانوی سطحوں کے علاوہ اسلامی عقاید و افکار کے مرکزی طبقات میں بھی عجمی و ہندی ملاوٹ شدت سے ہونے لگی تھی۔ ایک مذہبی تہذیب کے حواشی پر دوسری تہذیبوں کی آمیزش و امتزاج کو اُس حد تک برداشت کیا جا سکتا ہے جو مرکزی اُمور کو خطرے میں نہ ڈالے۔ لیکن ایک مذہبی ثقافت اپنی بنیادوں اور اپنے دائرہ خاص میں کسی قسم کے امتزاج و ترکیب کو بہ رضا و رغبت قبول نہیں کرتی۔ عہدِ مغلیہ میں بالعموم ہندو اسلامی کلچر کے غیر اسلامی عناصر خطرناک طور پر بڑھ رہے تھے۔ دورِ جہاں گیر میں حضرت سرہندیؒ نے اسلامی وحدانیت و وحدت کی تجدید کی پُر زور کوشش فرمائی اور دورِ احمد شاہ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اسلامی سیرت اور صحیح اسلامی سماجی سیاسی اور اقتصادی فضا پیدا کرنے کی جدوجہد کی۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ بارہویں صدی کے مجدد تھے تو حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تیرہویں صدی ہجری کے مجدد و مامور تھے۔ حضرت بریلوی کا سلسلہ حضرت محدث دہلوی سے براہ راست ملا ہوا ہے۔ مولانا ولایت علی کے رسالہ شجرہ بائمرہ میں آپ کا شجرہ یوں پیش ہوا ہے :-

ع۔ حجۃ اللہ البالغہ، از حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ +

”..... عارف رموز خفی و جلی حضرت مولینا ولایت علی و مولینا عنایت علی

و مولینا فرحت حسین و مولینا شاہ محمد حسین قدس اللہ اسرارہم - خلیفہ امیر المؤمنین امام  
اوحہ حضرت سید احمد مجدد مائتہ ثالثۃ عشر مازالت برکاتہم - خلیفہ سند المحدثین خاتم  
المفسرین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی - خلیفہ حجتہ اللہ علی العالمین قطب الملتہ  
والدین شاہ ولی اللہ محدث دہلوی - خلیفہ حضرت والد بزرگوار خود حضرت مولانا  
شاہ عبدالرحیم قدس سرہ +“ (۹۲)

صادق پوری تحریک کا تعلق حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت  
و تحریک سے تھا۔ آپ نے مسلمانوں کی اصلاح اور تبلیغ اسلام کے اہم فرائض کی  
طرف ایک مامور کی حیثیت سے توجہ کی۔ ۱۲۳۳ھ کے قریب حج کو جاتے ہوئے  
سید صاحب کا قافلہ عظیم آباد، پٹنہ وارد ہوا۔ آپ براہ کلکتہ حج کے لئے تشریف  
لے جا رہے تھے۔ مولانا سید ولایت علی کی تحریک سے صادق پور، پٹنہ کے چند اکابر  
نے اپنے متعلقین کے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت سے مستشرق ہوئے۔ ان بیعت کرنے  
والوں میں سید ولایت علی کے علاوہ ان کے بھائی عنایت علی، مولوی شاہ محمد حسین  
مولوی احمد اللہ، ان کے ایک چچا مولوی یحییٰ علی اور ان کے والد مولوی الہی بخش،  
ساکنان صادق پور تھے۔ یہ سب بزرگ خود بھی علم و فضل کے مالک تھے۔ ۱۲۳۹ھ  
میں حضرت سید احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قافلہ پانچ چھ سو مریدوں کے ساتھ حج سے واپس ہو کر

علی حکیم عبدالحمید صاحب پریشاں کے والد ماجد۔ حکیم صاحب علامہ عظیم الدین احمد مرحوم صدر شعبہات  
اردو، فارسی، عربی۔ پٹنہ کالج کے نانا تھے +

پٹنہ وارد ہوا۔ حضرت بریلویؒ نے اس دفعہ صادق پور میں قیام کیا اور علماء صادق پور کے سارے خاندان حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ آپ نے مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی اور مولوی شاہ محمد حسین کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا اور پنجاب کے مظلوم مسلمانوں کی امداد کے لئے ضروری سامان فراہم کرنے کی تاکید کی۔ جب سید صاحب کا قافلہ روانہ ہوا تو مولانا ولایت علی و مولانا عنایت علی بھی ساتھ ہوئے۔ کچھ دنوں بعد حضرت نے پنجاب کے سکھوں سے جہاد کرنے کے لئے راجستھان، سندھ، بلوچستان، ایران و افغانستان کا سفر فرمایا۔ ہندوستان کے شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں وارد ہوئے اور اُس علاقہ کو سارے کا سارا فتح کر لیا۔ مولانا ولایت علی و مولانا عنایت علی بھی معیت میں موجود تھے۔ ان دونوں بھائیوں نے اپنی جد و جہد سے بنگالہ و بہار کی ایک بڑی جمعیت فراہم کی تھی اور کثیر رقم بھی جمع کر لی تھی۔ ان کی تنظیم کا صدر مقام صادق پور، پٹنہ تھا ۱۸۲۷ء تا ۱۸۳۱ء کا زمانہ اس جہاد کا دورِ اوّل تھا۔ جو حضرت سید احمد بریلویؒ کی شہادت پر جنگ بالا کوٹ، صوبہ سرحد میں ختم ہوا (۱۸۳۱ء) اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

حضرت اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے۔ آپ نے اصلاح و تبلیغ کے کام میں بہت فروغ حاصل کیا اور مسلمانانِ ہند میں دیر پا ذہنی و فکری، ایمانی و اخلاقی بیداری و زندگی پیدا کر دی۔ جنگ بالا کوٹ میں شاہ اسماعیل دہلوی بھی شہید ہوئے۔ اس جنگ

۱۔ تاریخ گدھ از فیض الدین طبعی عظیم آبادی، ص ۱۷۱

۲۔ تاریخ عجیب، موسوم بہ سوانح احمدی، مؤلف مولوی محمد جعفر تھانیسری +

کے بعد تحریک احمدی کا سارا کام بگڑتا ہوا معلوم ہوا۔ لیکن علمائے صادق پور کی ثابت قدمی نے بگڑتی بنائی۔ مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی نے نئے سرے سے تنظیم و تبلیغ کا کام جاری کیا اور اپنی جماعت کو اسی قدر طاقتور بنا دیا جس قدر وہ حضرت سید احمدؒ کی زندگی میں تھی۔ اس جماعت نے جو پیشتر ہمارے علاقوں سے جمع کی گئی تھی، پھر خطہ پنجاب پر چڑھائی کی اور چند سال کے جدال و قتال کے بعد ایک وسیع شمالی مغربی خطہ ملک پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ سکھوں نے ہزیمت اٹھا کر انگریزوں کا سہارا لے لیا۔ دراصل سکھ اس جماعت کے پہلے بہ پہلے حملوں سے کمزور ہو ہی چکے تھے۔ انگریزوں نے پسند نہ کیا کہ ہندوستان کے شمالی مغربی علاقے میں ایک نئی پرجوش طاقت ابھرے۔ انہوں نے مجاہدین کو متنبہ کیا اور وہ ان کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے لگے۔ لہذا مجاہدین کا ٹکراؤ انگریزی فوج سے بھی ہونے لگا۔ ۱۸۴۷-۴۸ء تک سارا مفتوحہ علاقہ مجاہدین کے ہاتھ سے نکل گیا۔ مولانا ولایت علی اور ان کے بھائی مولانا عنایت علی گرفتار کر کے پٹنہ بھیج دیے گئے۔ جہاں ان سے مبعادی چھلکے لئے گئے۔ مبعاد گذر نے پر دونوں بھائی پھر استھانہ پہنچ گئے۔ وہیں مولانا ولایت علی نے ۱۸۵۴ء میں انتقال کیا۔ ان کے جانشین مولانا عنایت علی فرار پائے۔ انہوں نے سرکار انگریزی کے خلاف جنگ کرنے کی بڑی سرگرمی سے تیاریاں کیں، لیکن ناکامیاب رہے۔

۱۸۵۶ء میں پنجاب کے افسران کے ہاتھ میں کچھ ایسے خط پڑے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ راولپنڈی چھاؤنی کے دیسی سپاہیوں کو سرکار انگریزی سے براہ کھنہ و باغی

کرنے کی سازش کی ابتدا پٹنہ سے ہوئی تھی اور وہیں سے مولوی احمد اللہ اور چند دوسرے علمائے صادق پور کے زیرِ اہتمام روپے، سامانِ رسد اور اسلحے بغرضِ جہادِ ستھانہ بھیجے جا رہے تھے۔ ان لوگوں کی خانہ تلاشی ہوئی اور ان پر کڑی نظر رکھی جانے لگی۔ ۱۸۵۷ء ۱۸ جون کو مولوی احمد اللہ صادق پوری، مولوی شاہ محمد حسین صادق پوری اور مولوی واعظ الحق ساکن بجنٹی محلہ نظر بند کر دیئے گئے۔ انہیں ولیم ٹیلر کمشنر پٹنہ نے نین جینے نظر بند رکھا۔ ان واقعات کے بعد ۱۸۵۷ء کا غدر ہوا۔ غدر کے کئی برس بعد ۱۸۶۳ء میں پھر مجاہدین سے انگریزوں کی ٹکڑا بنیدہ وکوسیاہ کے میدانوں میں ہوئی۔ لڑائی کے دوران میں اور اس کے بعد کی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ بغاوت کی آگ دھیمے دھیمے سارے ملک میں سُلگ رہی ہے، صادق پور میں تحریکِ آزادی و تنظیمِ جنگ جاری ہے اور مجاہدین کے قافلے مع سامانِ جہاد سرحد کو روانہ ہو رہے ہیں۔ ملک کے مختلف مقامات میں گرفتاریاں شروع ہوئیں۔ صادق پور کے علماء میں مولوی احمد اللہ کے چھوٹے بھائی مولوی یحییٰ علی اور مولوی عبدالرحیم گرفتار کئے گئے۔ مولوی محمد جعفر تھانیسری کو بھی گرفتار کیا گیا۔ یہ سب اِنبالہ بھیج دیئے گئے اور انہیں مقدمہ کے بعد جس دوام بہ عبور دریاے شور کی سزا ملی (۱۸۶۴ء) ۱۸۶۵ء میں مولوی احمد اللہ پر بغاوت کا مقدمہ قائم کیا گیا اور انہیں بھی جس دوام کی سزا ملی۔ اُن کی ساری جائیداد ضبط کر لی گئی۔ مولوی احمد اللہ اور مولوی یحییٰ علی نے وطن سے دُور جزیرہ اندمان میں علی الترتیب ۱۸۸۲ء و ۱۸۸۶ء میں انتقال کیا۔ حکیم عبدالحمید خلف اکبر

مولوی احمد اللہ اور اُن کے خاندان پر سخت مصیبت ٹوٹ پڑی۔ اس داستانِ درد کو انہوں نے اپنی فارسی مثنوی 'فسانۂ جاںگداز' میں پیش کیا ہے۔ ۷۰

مَن بہ تشویش و فکر لیل و نہار  
بخت در خواب و فتنہ ہا بیدار

حضرت سید احمد بریلوی کی تحریک، اہل صادق پور کی نصرت و اعانت اور اس تحریک کے مسلسل نشیب و فراز پر تبصرہ مفقود نہیں۔ غرض یہ تھی کہ میں اس تحریک کی ارتقائی اور تخلیقی قوت کو پیش کردوں تاکہ اس امر کی پوری حقیقت ظاہر ہو جائے کہ تحریک احمدیؒ نے اُردو ادب، خصوصاً اُردو نثر کو کافی تقویت پہنچائی۔ ۸۱ء میں فورٹ ویلیم کالج، کلکتہ بند ہو گیا تھا۔ اس زمانہ سے ۸۴ء تک اُردو نثری ادب کی دنیا میں خلا سا نظر آتا ہے۔ آخر الذکر سن کے قریب کسی ہندو ادیب نے 'گلِ با صنوبر چہ کرد' کا فارسی سے اُردو میں ترجمہ کیا اور رجب علی بیگ سرور نے 'فسانہ عجائب لکھا۔ ۸۵ء کے بعد بھی سہل و سلیس نثر کی طرف توجہ نہ تھی۔ لیکن سید احمد بریلوی کی جماعت نے ہدایت و تعلیم اور ردِ مخالفین کے لئے سلیس و عام فہم اُردو میں کثرت سے رسائل لکھے اور فارسی سے ترجمے کئے۔ مولوی عبداللہ نے ہوگلی پریس سے سید صاحب کی تصنیف 'تنبیہ الغافلین' کا اُردو ترجمہ شائع کیا۔ شاہ اسماعیل شہید کی 'تقویت الایمان' بزبان اُردو 'فرقہ اہل حادیث' میں آج تک متداول ہے۔ اسی سلسلہ میں علمائے صادق پور نے بھی متعدد اُردو رسائل لکھے، جن کا ذکر آگے آئیگا۔

ان بزرگوں میں مولانا ولایت علی کی شخصیت بہت اہم تھی۔

مولانا ولایت علی حضرت تاج فقیہہ مدنی ثم مینری کی نسل میں سے تھے۔ اس طرح آپ کو حضرت مخدوم شاہ شرف الدین احمد مینرگی سے بھی نسبت حاصل تھی۔ مولانا ولایت علی نے حضرت سید احمد بریلوی کی رفاقت میں دین کی بڑی خدمتیں انجام دیں۔ مولانا کے گھرانے میں پیری مریدی کا سلسلہ جاری تھا۔ مگر حضرت مجدد کی بیعت نے آپ کو شریعت و سنت کا دیوانہ اور اسلام کا سرفروش مجاہد بنا دیا۔ حضرت احمدؒ کی تنظیم تحریک حریت انسانی اور دعوتِ احیائے اسلام تھی۔ آپ کو اور آپ کی جماعت کو سکھوں سے اس لئے جنگ کرنی پڑی کہ پنجاب میں مسلمانوں پر نہ صرف عرصہٴ حیات تنگ تھا بلکہ وہ اسلام پر بھی آزادانہ عمل نہیں کر سکتے تھے۔ ہر چند کہ حضرت بابا نانک ایک اسلام دوست صوفی تھے، تاہم اُن کے بعد پنجاب میں ایسے سیاسی حالات پیدا ہوئے کہ مسلمان خدا کا نام بلند کرنے کے لئے اذان تک نہیں دے سکتے تھے۔ ہر طرف قتل و غارت کی فضا تھی، انسان کی بُنیا دی آزادیاں سلب کر لی گئی تھیں۔ اور ظلم کی انتہا ہو چکی تھی۔ سارے ہندوستان میں طوائف الملوکی تھی۔ لیکن قانونی طور پر اب تک مغل بادشاہ ملکِ ہند تھا۔ انگریز مشرقی اور وسطی صوبوں کو جارحانہ طور پر دابے بیٹھے تھے۔ مگر ایسٹ انڈیا

---

مولانا ولایت علی کے برادر زادہ مولانا عبدالرحیم نے باشندگانِ صادق پور کے حالات

میں ایک کتاب 'الدر المنثور فی تراجم اہل صادق پور' لکھی تھی۔ جس سے ہمارے ساداتِ زمیری و جعفری اور دوسرے وابستہ خاندانوں کے حالات کا پتہ چلتا ہے +



کپینی کی حکومت محض نہایت و نظامت کی حکومت تھی اور وہ بھی بالجر تحریک احمدی کے دوسرے دور میں جب مجاہدین کی انگریزوں سے ٹکرا ہوئی تو وہ بالکل حق بجانب تھی۔ انگریز بادشاہ نہ تھے۔ اُن کی کوئی اخلاقی و قانونی حیثیت اس ملک میں نہ تھی۔ شمالی مغربی سرحد کا علاقہ کسی منظم حکومت کا خطہ بھی نہ تھا۔ وہ یاغستان تھا۔ پنجاب کے صوبہ میں جو مظالم ہو رہے تھے اُن کا سد باب منسل بادشاہ کو کرنا چاہیے تھا لیکن دراصل اُس وقت ملک ہند میں سلطنت برائے نام تھی۔ ایسی صورت میں انسانی آزادی اور حریتِ فہم کی حفاظت کا فرض ہر باغیرت شخص پر عاید ہوتا تھا۔ حضرت مجدد کی جماعت نے اس فرض کو ادا کیا اور غاصب و فتنہ پرور کپینی کی حکومت نے جیلہ جُوئی اور غاصبت سے کام لیا۔ ایسی صورت میں کپینی کے سپاہیوں سے جنگ شرعی اور اخلاقی طور پر صحیح و جائز تھی۔ اس جہت سے تحریک احمدی آزادیِ ہند کی سب سے پہلی ملک گیر عوامی تحریک بن گئی۔ سلطان ٹیپو اور سراج الدولہ کی جد جہد مقامی اور خواصی تھی۔ حضرت سید احمد بریلوی کا مقصد تو صرف مسلمانوں کا اخلاقی و روحانی احیاء تھا۔ لیکن تمکنتِ دین کے لئے ہر شرعی کوشش آپ کے اور آپ کی جماعت کے نزدیک جائز تھی۔ اسی طرح آزادیِ ضمیر کے قیام کے لئے سعیِ پیہم بھی اس برگزیدہ جماعت کے خیال میں لازمی تھی۔

اب اس جماعت کی خدمتِ اُردو کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ سرفہرست مولانا ولایت علی صادق پوری عظیم آبادی کا نام نامی آتا ہے۔ آپ کے مصنفات میں فارسی اور اُردو کے متعدد مذہبی رسالے ہیں۔ مثلاً ردِ شرک۔ اربعین فی المہدین

رسالہ دعوت، تیسیر الصلوٰۃ، شجرہ با ثمرہ، تبیان الشکر، رسالہ عمل بالمحدث وغیرہ۔  
مجھے ایک مطبوعہ مجموعہ رسائل مولوی عبدالغفار صاحب صادق پوری سے ملا۔  
اس کا نام ”مجموعہ رسائل تسعہ“ ہے۔ اس مجموعہ میں مندرجہ ذیل رسائل شامل ہیں۔

- |   |                    |   |              |
|---|--------------------|---|--------------|
| ① | ردّ شرک            | ② | عمل بالمحدث  |
| ③ | اربعین فی المحدثین | ④ | رسالہ دعوت   |
| ⑤ | تیسیر الصلوٰۃ      | ⑥ | شجرہ با ثمرہ |
| ⑦ | بُت شکن            | ⑧ | فیض الفيوض   |
| ⑨ | تبیان الشکر        |   |              |

یہ رسالے مولانا ولایت علی وغیرہ بزرگوں کے لکھے ہوئے ہیں۔ پانچ رسائل  
اُردو میں ہیں۔ تین فارسی میں ہیں اور ایک عربی میں۔ یہ مولانا عبدالرحیم صادق پوری  
کے حسب الارشاد مطبع فاروقی دہلی میں طبع ہوئے۔ سنہ درج نہیں۔ سائز ۶ x ۱۰۔  
صفحات ۱۵۶۔ پہلے میں مولانا ولایت علی کے رسالوں کا تذکرہ کروں گا۔

## ردّ شرک

از تصنیف مولانا ولایت علی صاحب مد ترجمہ مولوی الٰہی بخش صاحب بہاری۔  
بقول مولوی عبدالغفار صاحب صادق پوری یہ رسالہ شاہ اسماعیل شہید کی تصنیف  
تقویتہ الایمان کا مختصر اور واضح خلاصہ ہے۔ ترجمہ عام فہم اُردو میں ہے۔ اصل کتاب  
کی عبارت کو صفحہ کے ایک حصہ میں اور ترجمہ کو دوسرے مقابل حصہ میں خط کھینچ کر  
لکھا گیا ہے۔ اُردو عبارت یوں شروع ہوتی ہے۔

”وہ زبان کہاں ہے جس سے ہادی مطلق کا شکر بجا لاؤں۔ اور وہ ہاتھ کہاں ہے جس سے اُس کی تعریف کے لکھنے میں ہمت کروں۔ اُس خدا نے ہملوگوں کو امواج شرک کے پچکوں سے بچا کر توحید کے کنارہ پر پہنچایا باوجود اس کے کہ طوفان شرک میں ایک جہان ڈوبا ہوا ہے اور میدان ضلالت میں ایک عالم سرگرداں ہے۔ اور درودِ بیشمار اُس سرورِ کائنات کے حضور میں پیش ہے کہ اولادِ آدم کی نجات سوائے اُن کی پیروی کے کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے۔ اور اُن کی آل و اصحاب پر جنکی پیروی عین رسولِ خدا کی پیروی ہے، صلی اللہ علیہ وسلم۔ بعد حمد و نعت کو چند فصل شرک اور اقسام شرک کے دفع میں لکھتا ہوں اور اس کا اختتام واحدِ حقیقی سے چاہتا ہوں۔“

اندازِ ترجمہ سمجھانے کے لئے اصل فارسی عبارت بھی درج ذیل ہے۔ ترجمہ کی نچ فارسی اسلوب کے عین مطابق ہے۔

”کو زبانہائے کہ شکر ہادی مطلق بجا آورد و کجا دستے کہ بہ تخریرِ شنائش ہمت گمارم کہ مایان را از طلائم امواج شرک بر کنارہ توحید بر آوردہ با آنکہ یک جہان غرقہ بطوفانِ اوست و یک عالم سرگشتہ بہ بیابان او۔ و درود نامعدود بحضور سرورِ کائنات کہ بغیرِ اتباعش برائے نجاتِ بنی آدم طریقہ دیگر نیست۔ و برآل و محال کہ اتباعش عین پیروی رسول اللہ است، صلی اللہ علیہ وسلم، اما بعد فصلی چند بدفع شرک و اقسامش می گویم و انصرامش از واحدِ حقیقی بمہویم“

پہلی فصل۔ ”اس فصل میں ان لوگوں کے اقوال کی تردید ہے۔ جو اللہ کی

کتاب اور رسول کی حدیث سے بذریعہ جیلوں کے منہ پھیرتے ہیں اور دعویٰ مسلمانوں کا کرتے ہیں، اس کا بیان یہ ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید اور حدیث شریف کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے تمام علوم اور کل کتابیں پڑھی ہیں اور اپنے زمانہ میں علامہ دہرہ ہو۔ ایسے لوگوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے  
 هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ ..... (آیت شریفہ)۔ وہی ہے خدا جسے بھیجا ان پڑھوں میں ایک رسول انہیں لوگوں میں سے جو پڑھتا ہے اُن ان پڑھوں پر خدا کی آیتیں اور اُنکو پاک کرتا ہے اور اُنکو سکھاتا ہے کتاب اور حکمت، یعنی رسول بھی اُن پڑھتے تھے اور اصحاب کرام بھی اُن پڑھتے تھے۔ باوجود اسکے جب رسول خدا نے صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سنائیں تو اصحاب منکر شرک و فساد سے پاک ہو گئے۔ پس اگر ناخواندہ آدمی قرآن مجید اور حدیث شریف کو نہیں سمجھ سکتا ہے اور استعداد فہم نہیں رکھتا ہے تو بھلا صحابہ کرام نے کیوں کر سمجھا اور عیبوں سے پاک کس طرح ہوئے ....“ (ص ۳)۔  
 رسالہ کے چھبیس صفحات اور سات فصیلیں ہیں۔

### رسالہ عمل بالحدیث

از تصنیف مولانا ولایت علی صاحب مع ترجمہ مولوی الہی بخش صاحب رسالہ  
 کی تین فصیلیں اور سولہ صفحات ہیں۔ نثر اُر دو کا نمونہ حسب ذیل ہے :-

”..... کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ دل مُردہ رکھتے ہیں اور ظاہر سے

باطن تک نہیں پہنچتے ہیں، اپنی اوقات عزیز کو دنیا حاصل کرنے میں برباد کرتے

ہیں اور بہت کا قدم غور و تامل کے میدان میں نہیں رکھتے ہیں اور چور کی طرح ہر آشنا و نا آشنا کی تھیلی میں نگاہ ڈالتے ہیں اور اندھوں کی طرح ہر عاقل اور دیوانے کے مونڈھے پر ہاتھ رکھتے ہیں ..... ” (ص ۳۲)

### اَرْبَعِيْنَ فِي الْمَهْدِيَّيْنِ

از تالیف جناب مولانا ولایت علی صاحب مع ترجمہ - مجموعہ رسائل تسعة کے صفحہ ۴۶ سے صفحہ ۶۳ کے سرے تک یہ رسالہ عربی زبان میں مع ترجمہ اردو پھیلا ہوا ہے - غالباً یہ ترجمہ بھی مولوی الہی بخش نے ہی کیا ہے - نمونہ تحریر حسبِ ذیل ہے -

” پہلی فصل میں وہ حدیثیں ہیں جو شان میں سارے ہادی من اللہ کے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آویں گے - روایت ہے ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے کہ اُن حدیثوں میں کہ یاد رکھتا ہوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ہے کہ بیشک اللہ اٹھا دے گا اس امت کے واسطے ہر ستوا کے سرے پر اس شخص کو کہ نیا کر دکھا دے گا اس امت کو دین اُس کا “ (ص ۴۶)

### رسالہ دعوت

از تالیف لطیف مولانا ولایت علی صاحب - یہ رسالہ اردو میں ہے اور سولہ صفحات پر محیط ہے - مضامین کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی تصنیف حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ کی زندگی کے اواخر میں یا جنگ بالاکوٹ کے معاً بعد ہوئی - اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ سن تصنیف ۱۸۳۱ء کے لگ بھگ ہے - چند

اقتباسات مندرجہ ذیل ہیں :-

” اے اللہ تجھ کو سب قدرت ہے، تو ایسا کرم کر کہ اس رسالہ کو سن کر ہمارے جتنے بھائی مسلمان ہیں ان کے دل کے ششے اور وسواس سب جاتے رہیں اور گروہ محمدی میں داخل ہو جاویں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیدھی راہ نجات کی ان کے ہاتھ لگے اور درود ایسے بنی پر اور ان کی آل و اصحاب پر آمین یا رب العالمین۔ جو لوگ ہوشیار ہیں وے جو کام کرتے ہیں پہلے اُس کے اول و آخر ابتدا انتہا کو سوچ لیتے ہیں اور ہر جگہ موافقت و مخالفت لڑنے مارنے میں بے تکلف قدم نہیں رکھتے، اُن کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ بعضہ شخصوں کی عادت ہے کہ صاحب دعوت کی بات کو اُس کے روبرو قبول نہیں کرتے، ان کے واسطے یہ رسالہ لکھا گیا، کہ تنہائی میں اس کو خوب انصاف اور تامل کی نظر سے دیکھیں، اگر کچھ اپنے کام کا پاویں اور اپنے دین و دنیا کی منفعت سمجھیں تو اُس پر چلیں، ایسا نہ کریں کہ مارے عقلی کے پورا نہ دیکھیں کیونکہ عاقلوں کا قول ہے کہ بات مؤمن کی بھی سن لینی چاہئے، پھر اگر پسند نہ آوے تو ماننے نہ ماننے کا اختیار اپنے ہاتھ ہے .... “ (ص ۶۳)

” .... اس رسالے میں تھوڑا سا وہ احوال امام وقت کا ہے کہ جس کی تحقیق کے واسطے حضرت کے حضور میں جانا کچھ ضرور نہیں، بلکہ اپنے شہر و دیار میں جہاں ہو وے اُس کو تحقیق و تامل کرے۔ یہ باتیں موجود پاوے گا لیکن انصاف شرط ہے۔ احوال امیر المؤمنین کا حضرت کے پہچانے کو تھوڑی سی عقل سیدھی اور

تھوڑی سی واقفیت حدیث سے چاہیے کہ اکثر اولیاء اللہ کو پر تو بعضے انبیاء کا عنایت ہوتا ہے، ہمارے حضرت کو اللہ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پر تو عنایت کیا اور گروہ پر حضرت کے صحابہ کا پر تو والا کہ لوگوں کے دل میں محبت اتباع سنت کی اور غیرت ایمان کی حد سے زیادہ ہوئی۔ اللہ کا دین زیادہ ہونے کے واسطے دل بیقرار ہونے لگا، جب بیقراری حد سے زیادہ بڑھی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل میں الامام صادقہ فرمانا شروع کیا اور بشارتیں دیں کہ ہم نے تجھ کو امام صاحب اقبال اور اولو العزم کیا اور دین کے بتانے میں اور حکم شرع جاری کرنے میں صاحب تاثیر برکت والا بنایا، اب تھوڑی سی تیری التفات و توجہ میں لوگوں کو ہم بڑے بڑے عمدہ مقام پر ولایت کے پہنچا دیں گے اور تھوڑی سی محنت میں ہم تجھ کو سردار بنا دیں گے۔ اور اکثر ملکوں پر فتح دیں گے۔ اور جو کوئی تیرے ہاتھ پر بیعت کر گیا اُس کو میں آپ کفایت کروں گا، اور رستہ دین کا بتاؤں گا، اور دُنیا سے اُس کا دل بیزار کروں گا۔“ (ص ۶۴)

..... ”پھر جب حق دعوت کا ملک ہندوستان میں ادا ہو چکا۔ تب

بطریق اپنے بنی کے تابعین کے ساتھ ارادہ ہجرت کا فرمایا۔ پھر جس مقام پر یہ قافلہ مبرکہ وارد ہوتا تھا، وہاں کے تمام اطراف کے لوگ صورت دیکھنے بے اختیار ہو کر آتے تھے اور نہایت عقیدت سے بیعت کرنے لگتے، باوجودیکہ نہ کبھی کی واقفیت نہ آگاہی، بلکہ زبان بھی اُن کی نہ سمجھتے تھے۔ اسی طرح اللہ نے تمام ہندو خراسان کے لوگوں کو مطیع بیعت کر دیا۔ اس طرح سنت رسول اللہ کے

مطابق آج تک کسی کو ہجرت کرتے نہ سنا تھا۔ بُحان اللہ حق تعالیٰ نے اپنے رسول کا کیسا پیروکار پیدا کیا۔ بعد اُس کے محض اللہ پر توکل کر کے جہاد شروع کیا .... (۶۵) ”..... جسکو اللہ حجب تک چاہتا ہے چھپاتا ہے جب چاہتا ہے ظاہر کرتا ہے۔ ہمارے حضرت کی خلوت کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سی نہ سمجھے کہ کسی سے ملاقات نہیں ہوتی یا طور میں اُنکے عرصہ بعید گزرے گا۔ یہاں تو اکثر لوگ جب چاہتے ہیں تھوڑی سی کوشش میں حضرت کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ عرصہ قریب میں مثل خورشید درخشاں کے ظاہر ہو کر عالم کو اپنے انوارِ ہدایت سے منور فرمائیں گے ....“ (۶۷)

اس کے بعد اس گروہ کے بیعت کرنے والوں کا احوال ہے، مخالفوں کا احوال ہے، مولویوں کی دعوت اور مخالف علماء کی حالت ہے، مشائخ کی دعوت اور ان کا احوال ہے، مخالفوں کے دوستوں، اُن کے مُرید اور شاگردوں، دوبارہ بیعت میں مضائقہ کرنے والوں، فاسقوں اور فاجروں، امیروں، حاسدوں، جاہل غیرت والوں، شیعوں اور خلفاء کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنے والوں کی دعوت ہے۔ آخری فصل یوں شروع ہوتی ہے :-

”بعض مسلمانوں کا دل بیعت کرنے کو رغبت کرتا ہے۔ مگر انکو یہ خیال ہوتا ہے کہ حضرت دُور تشریف رکھتے ہیں اور کسی خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں دل شرماتا

۱۔ جنگ بالا کوٹ کے بعد یہ شبہ پڑ گیا تھا کہ حضرت سید احمد شہید ہوئے یا بچ کر نکلے اور ردپوش ہو گئے۔ میں مکن ہے کہ ایسا ہی ہوا ہو، اور کچھ عرصہ کے بعد جناب کی وفات ہوئی ہو۔ اسے غیبوت امام کہتے ہیں +



ہے۔ حقیقت کو سمجھنا چاہئے کہ جو شخص بیعت محض اللہ کی خوشی کے واسطے کرتا ہے اور دوسری غرض کوئی نہیں متعلق ہوتی، تو وہ بیعت حقیقت میں اللہ سے ہوتی ہے اور اللہ کا ہاتھ اُس کے ہاتھ پر ہوتا ہے۔ قرآن میں یہ خبر مذکور ہے۔ . . . .  
 .. اللہ سب کو توفیق دے کہ جلد اس گروہ مقبول میں داخل ہو کر دین کے سرسبز ہونے اور اللہ رسول کی رضامندی کی باتیں حاصل کرنے میں شریک ہوویں۔ آمین یا سرب العالمین۔“

### تَمَّتْ

### رسالہ تَبَسُّرُ الصَّلَاةِ

از تصانیف مولانا ولایت علی عظیم آبادی۔ یہ رسالہ اردو میں ہے۔ نو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ ۷۹ تا ۸۷۔ نماز اور اقسام نماز کے متعلق ہے۔ طرز تحریر حسب ذیل ہے:-

”..... خداوند آج اس کو اُمید اپنے اعمالوں کی اور تدبیر کی بالکل جاتی رہی۔ محض بے اختیار ہے۔ تو جیسا چاہے ویسا کرے۔ ہم تجھ کو سپرد کرتے ہیں۔ تو محض اپنے کرم سے اس کو بخش دے.....“ (ص ۸۷)

### رسالہ شجرہ با ثمرہ

مؤلفہ مولانا ولایت علی۔ صفحہ ۸۸ تا ۹۴۔ یہ رسالہ صحیح طریقہ تہوٹ کے متعلق ہے۔ طرز بیان درج ذیل ہے:-

”..... نادانوں کے خیال میں یہ بات جی ہے کہ جب تک مری نہیں ہوئے

ہمارے گناہوں کی پوچھ ہم سے ہووے گی۔ بعد اسکے اگلے پچھلے سارے گناہ پر بخشوا دیں گے۔ اور قیامت میں اُنکے جھنڈے تلے جانے سے کوئی ہمارے گناہ ہم سے نہ پوچھیگا۔ بلکہ ہمارے پیر سے پوچھیں گے۔ دے جو کچھ جانیں گے بتا دیں گے۔ ہمکو اتنا ہی چاہیے کہ پیروں کی جناب میں اپنا اعتقاد مضبوط رکھیں۔ غرض پیر کو عاقبت گامگدھا، گناہوں کا بوجھ اٹھانے والا ٹھہرایا ہے۔ اس خیال سے شجرے کو اپنا ایمان جانتے ہیں، اور اسکی تعظیم حد سے زیادہ کرتے ہیں۔“ (ص ۸۷)

”..... یوں سمجھئے کہ کوئی کسی کا عذاب بلکہ کسی کے سر کا درد بھی اپنے سر میں لے نہیں سکتا۔ کوئی کسی کے بدلے نہیں پوچھا جاتا۔ ایک دن باپ دادا پیر اُستاد سب سامنے سے آنکھیں پُراویں گے۔ آخر جن کا خون اُسی کی گردن ہو جاوے گی۔ اور ہر مرید کو شجرہ اپنے پاس رکھنا کچھ ضرور نہیں۔ پیر زادے جو ہر سال شجرہ پڑھوانے کی تاکید کرتے ہیں۔ اُن کی غرض ہر سال کچھ کھانے کمانے کی ہے۔ اُن کا قول مشہور ہے کہ بُرا کھیت مولیٰ کا کہ ایک دفعہ اکھاڑنے سے میدان ہو جاوے۔ بھلا کھیت ساگ کا بوں جوں کا ٹو، توں توں بڑھے۔“

## تبیان الشُرک

مصنف، مولانا ولایت علی۔ صفحہ ۱۴۲ تا ۱۵۶۔ رسالہ ردِ شرک، بزبان فارسی

لکھا گیا تھا۔ چند فصلوں کے اضافہ کے ساتھ یہ رسالہ عوام کے سمجھنے کے لئے اردو میں لکھا گیا۔ جاہ جاحضرت سعدیؒ کی طرح مضامین کو نظم میں بھی ادا کیا ہے۔ اندازِ بیاں درج ذیل ہے:-

” بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اللّٰهُ ہمارا بہت دُور ہے شریکوں سے، اگرچہ لوگ اپنی عقل میں آدمِ مُشت خاک کو اُس مالکِ عرش و افلاک کا شریک جانتے ہیں، اور اِس نُجبارِ ناپائدار کی تعظیم برابر اُس پاک پروردگار کے کرتے ہیں کہ جس کام میں بنی اور ولی کو دخل نہیں اور جس کے حکم میں فرشتوں کو دُم مارنے کی طاقت نہیں، فَعَالٌ لِّمَا یُرِیْدُ۔ یعنی جس کام کا ارادہ کرے اُس کو کر ہی کے چھوڑے اور کسی کے روکنے سے نہ رکے۔ ۵۔ بڑے چھوٹے ہیں سارے بے اختیار جو چاہے کرے میرا پروردگار

### رسالہ بدعت (تقریر بدعت)

از مولانا ولایت علی - مطبوعہ کلکتہ - ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے - یہ رسالہ مجموعہ رسائل

تسنعہ میں نہیں۔ مولوی عبد الغفار صاحب صادق پوری کی کی ہوئی ایک نقل از اصل مجھے آپ کے فرزند محمد اسماعیل سے ملی - نمونہ نثر حسب ذیل ہے :-

” سبب تحریر - بعد اسکے سنا چاہئے کہ کتنے لوگ صراطِ مستقیم پر بلکہ جناب

امام حضرت سید احمد صاحب پر اعتراض اور نسبت بدعت کی کرتے ہیں وجہ یہ کہ مولانا

اسماعیل علیہ الرحمۃ کا رسالہ جس کا نام ایضاح الحق ہے بدعت کے باب میں فارسی زبان

میں جو تصنیف فرمایا اس کے سمجھنے کی اکثر لوگوں کو لیاقت نہیں، اس سبب اس عاجز سے

بدعت کے باب میں آکر پوچھتے اور تنگ کرتے ہیں اس واسطے ہندی زبان میں تھوڑی

سی تقریر بدعت کی جو آسان اور سہل اور سوا، تقریر مولانا مدوح کے ہے لکھ دیا

کہ ہر کسی کے سمجھ میں آوے اور آیت سے اسکو مدلل کر دیا۔ سیدھی سمجھ والے کو بہت

ہے۔“ (ص۱) .....

”امور متعلق بےشت۔ اور جس کے تہلنے کے واسطے حضرت اُئے۔ مثلاً

حضرت اسواسطے مبعوث ہوئے کہ اُمت کو منع کریں کہ جس چیز سے غفلت پیدا ہو اور دُنیا میں تنگی ہو وہ نکریں چنانچہ مکان، کھانے، کپڑے میں حد باندھ دی کہ بہت اسراف نہ کریں۔ حرام چیزیں نہ کھاویں۔ ریشمی، زریں اور کوسم زعفران کا رنگا ہوا کپڑا نہ پہنیں۔ اور اُمت کو حکم کریں کہ جن باتوں سے خدا کا دھیان بڑھے اور دُنیا کا انتظام دُرست ہو وہ کریں۔“ (ص۱)

اس رسالہ میں اشغال، مراقبہ، خواب، رویائے ملجین، الھام و وحی اور اقسام الھامات سے بہت ہی تشفی بخش بحث کی گئی ہے۔

## مولانا عنایت علی صادق پوری عظیم آبادی

مولانا عنایت علی عارف منجھلے صاحب۔ آپ مولانا ولایت علی کے منجھلے بھائی اور آپ کے شریک کار تھے۔ قبل بیان ہو چکا ہے کہ آپ نے بھی حضرت سید احمد بریلویؒ کی بیعت کی تھی اور آپ کی خلافت بھی حاصل کی تھی۔ غزوات میں مولانا عنایت علی نہایت جہری تھے۔ آپ خالدہؒ دوراں کھلاتے تھے۔ آپ کی شجاعت بے مثل تھی۔ فن سپہ گری میں بھی آپ کو مہارت حاصل تھی اور فوجی تنظیم کی صلاحیت

بھی ثابت ہے۔ تفصیلات مولانا ولایت علی کے حال میں بیان ہو چکی ہیں۔ مجموعہ رسائلِ تسبیہ میں ایک رسالہ اُردو موسوم بہ بُت شکن شامل ہے ”جس میں تعزیر کی بُرائی اور اس کے بُنائے اور پُوجنے والوں کی بیوقوفی اور نادانی کا بیان ہے۔“ یہ رسالہ مولانا عنایت علی عظیم آباد کا تصنیف کیا ہوا ہے۔ سنِ تخریر درج نہیں۔ نمونہ تخریر حسب ذیل ہے :-

”..... اسی طرح اب سمجھو وہ جنت جس کی چوڑائی ساتوں آسمان و زمین کو برابر ہے اور تمام آباد، کہیں جنگل اور ویران نہیں۔ ایک بالشت زمین اُسکی قیمت میں ساری روئے زمین سے زیادہ۔ ایک ادنیٰ مکان وہاں کا تمام دُنیا کے محل سے بہتر۔ یہ نعمتیں اللہ نے امام کو بخشیں۔ بیشک وہ ایسے عیش میں اسوقت ہیں۔ اور اُن کا دشمن جو یزید تھا۔ وہ دوزخ میں جلتا ہوگا۔ جس کے شعلے آسمان سے بات کرتے ہیں۔ چنگاریاں اُس کی جیسے اُونٹوں کی قطار۔ ساٹھ برس کی راہ سے آدمی کو کھینچتے۔ جیسے مٹھو کا اڑدہا۔ چھر وہاں کے اُونٹوں کے برابر۔ مکھیاں جیسے ہاتھی۔ کھٹل جیسے گینڈے۔ بُوں جیسے بھینسیں۔ یہ سب ہزاروں بدن میں پٹ رہے ہیں اور سانپ بچھو بیٹھار ایسے زہردار کہ اگر دُنیا میں آکے دم پھونکیں گھاس سارے جہان کی بَل جاوے اور درخت خشک ہو جاویں۔ وہاں کی بیڑیوں کی زنجیر کی ایک ایک کڑھی ستر ستر ہزار گز کی۔ سیخ کا پھل جیسے شیطان کا سر۔ اُس کا ایک قطرہ عرق زمین پر پڑے تو تمام زمین کے ڈوم چار خاک رو بہک اُس کی بُو سے تاب نہ لا کر مر جاویں۔ وہ کھانے کو ملے گا اور تانا بچھلا اور لُہو پیپ گرم پانی پینے کو.....

رسالہ مبت شکن صفحہ ۹۴ سے صفحہ ۱۰۶ تک پھیلا ہوا ہے اور آخر میں ایک طنز پر غزل ہے۔ عبارتِ نثر میں بھی طنز کی نیز کاٹ جا بہ جا محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً :-

”..... ایک سال ایسا ہوا کہ محرم کا عشرہ اور ہندوؤں کا رتھ جاترا ایک ہی دن پڑا۔ جب بازار میں ڈھپ ڈھپ بجتا۔ اور لوگوں کی بھیڑ چلی آتی دیکھی تو مسلمان تعزیر پرستوں نے سمجھا کہ تعزیر آتا ہے۔ اُسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور اونچا سا لکڑی کا بنا ہوا اور اُس پر چنور ہوتا دیکھ دست بستہ ہو کر ادب سے سلام بجالائے۔ نزدیک پہنچے، دیکھا تو معلوم ہوا کہ رتھ جاترا ہے۔ توبہ توبہ کر کے دوکان میں غیرت سے گھس گئے۔ اس واسطے کہ جو تعزیر نہیں پوچھتے ٹھٹھا کریں گے۔ اور کبھی ایسا ہوا کہ ڈھپ ڈھپ کی آواز سن کر ہندوؤں کو دھوکا ہوا، وہ سمجھے کہ ہمارا ٹھا کر چلا آتا ہے۔ جب بہت قریب پہنچے تب معلوم ہوا کہ تعزیر ہے۔ اور کبھی یوں ہوا کہ دُور سے اُس کی چھتری اور ڈھول بجتا چنور ہوتا دھوم دھام سے آتا ہوا دیکھ کر ہندو کہنے لگے کہ ہمارا ٹھا کر ہے اور مسلمان کہنے لگے کہ ہمارا تعزیر ہے۔ آخر خوب رو دو بدل ہوئی اور آپس میں شرط ہونے کی نوبت ٹھنچی۔ یہ تہتک اور فضیحتی دیکھ کر کتنے ہی غیرت والے مسلمانوں نے اُسی سال تعزیر پوچھنے سے توبہ کی.....“ (ص ۱۰۷)

غزل کے چند اشعار بھی نقل کئے جاتے ہیں :-

بھار و ہندی و شدہ ویا نشان و علم      بنائے لوگوں نے بُت لاکھ لکڑی کے  
کریں ہیں عیش ہمارے امام جنت میں      یہاں پڑے ہیں تمھارے امام لکڑی کے

کالو کھود کے ہندو کی طرح پتھر کا یہ پائدار نہیں ہوتے کام لکڑی کے

تَمَّت

## مولانا فیاض علی

”رسالہ فیض الفیوض - از تصنیفات فاضل اجل عالم اکمل حضرت مولانا فیاض علی

صاحب علیہ الرحمۃ والفقرا خلف الصدق حضرت مولوی الہی بخش مرحوم منقور، صادق پوری

عظیم آبادی خلیفہ حضرت مولانا ولایت علی صاحب زبیری الماشی صادق پوری - بسم اللہ

الرحمن الرحیم .. .. . انا بعد واضح ہو کہ جب کہ جناب مولانا فیاض علی

صاحب خلف اوسط حضرت مولانا الہی بخش غفرلہ صمد آرب العرش صادق پوری

عظیم آبادی یکے از خلفائے عظام حضرت مولانا ولایت علی علیہ الرحمۃ زبیری الماشی

صادق پوری عظیم آبادی ملک افغانستان سے ۱۲۷۲ھ ہجری میں اپنے وطن عظیم آباد کو

تشریف لے آتے تھے - اثنائے راہ میں وارد دہلی ہوئے - اُس وقت بعض لوگوں

نے وہاں کے آپ سے کچھ سوال کیا - اُس کا جواب فی الفور بالبدیہ بغیر رجوع بطرف

کتاب آپ نے دیا اور روانہ عظیم آباد ہو گئے - بعد اُس کے اُن لوگوں نے اُس

سوال و جواب کو صاف کر کے اور اُس کا نام فیض الفیوض رکھ کر چھپوا دیا - چونکہ

وہ رسالہ فارسی زبان میں تھا، عوام اُس کے فوائد و منفعت سے محروم تھے - لہذا

فیر سراپا تقصیر الہی بخش بہاری عفی عنہ حسب ارشاد فاضل اجل عالم باعمل یادگار سلف

منازل خلف جناب مولانا عبدالرحیم صاحب زبیری الہامی صادقپوری عظیم آبادی دام فیضہ  
خلف اکبر جناب مولانا فرحت حسین قدس سرہ براہ تحقیقی حضرت مولانا ولایت علی الرحمۃ  
والغفران کے اُسکا ترجمہ عام فہم اُردو میں اصل کتاب کو صفحہ کے اول کالم میں اور ترجمہ  
کو دوسرے کالم میں لکھ کر عام اہل اسلام کے پیش نظر کرتا ہے۔۔۔۔۔ (ص ۱۰۶-۱۰۷)۔

مولانا فیاض علی مولانا الہی بخش صادقپوری کے بیٹے اور شیخ ہدایت علی مہاروی  
کے پوتے تھے۔ آپ نے درسی کتابیں اپنے برادر معظم مولوی احمد اللہ سے پڑھیں اور  
سندِ حدیث مولانا ولایت علی سے لی۔ آپ کا وعظ نہایت پُر اثر ہوتا تھا۔ آپ بڑے  
مناظر بھی تھے۔ آپ اپنے مرشد مولانا ولایت علی کے ساتھ جہاد میں بھی شریک ہو کر  
رہے۔ دلیری اور شجاعت کے ساتھ اُمورِ تمدن کے بھی ماہر تھے۔ آپ مولانا  
ولایت علی کے انتقال (۱۲۵۴ھ) کے بعد سرحد سے پٹنہ واپس آ گئے تھے پھر حیدر  
سالوں کے بعد سرحد افغانستان کی طرف ہجرت کر گئے اور ملک سوات بنیر کو پہنچے اور  
وہیں وفات پائی۔

رسالہ فیض البیوض مع ترجمہ اُردو موسوم بہ منبع الفیوض مجموعہ رسائل شیعہ  
کے صفحہ ۱۰۶ سے صفحہ ۱۳۸ تک پھیلا ہوا ہے۔ سوال و جواب اجتہاد و فقہیت،  
تقلید و سنت، استنباط و تفکر فی الدین کے متعلق ہیں۔ طرزِ کلام درج ذیل ہے:-  
”سوال (۴)“ بعد لازم کر لینے ایک مذہب کے دوسرے مذہب میں  
چلا جانا صحیح ہے یا نہیں۔ اور یہ جو حنفیوں کے بعض فتویٰ میں لکھا ہے کہ اگر شافعی

الذکر المنثور فی تراجم اہل صادق قود، معروف بتذکرہ صادقہ از محمد عبدالرحیم صادقپوری۔



مذہب والا حنفی مذہب میں چلا گئے تو اسکو خلعت دیا جائے۔ اور اگر حنفی مذہب والا شافعی مذہب میں چلا جائے تو اسکو سزا دینی چاہیے۔ اسکی کیا دلیل ہے۔ اور اگر مقلد فقہیہ اور علم تفسیر و حدیث و اصول و فقہ کو جانتا ہے اُس کو اگر کسی مسئلہ میں دوسرے مذہب کے علماء کے قول کی کسی دلیل سے ترجیح معلوم ہو تو اس مسئلہ میں اس کو اپنے امام کے مذہب سے انتقال کرنا لازم ہے یا نہیں۔

جواب (۴) ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں چلا جانا بشرطیکہ لہو و لعب کے قصار سے نہ ہو درست ہے۔ ہمارے شیخ ملک العلماء مولانا عبدالعلی قدس سرہ مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں کہ جس شخص نے ایک مذہب معین کو اپنے اوپر لازم کر لیا اُس پر واجب نہیں ہے کہ عمر بھر اُسی مذہب پر رہے۔ اگر وہ ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں چلا جائے تو صحیح ہے۔ . . . . . اب رہی یہ بات کہ حنفی اگر شافعی مذہب میں چلا جائے تو اُس کو سزا دینی چاہیے اور شافعی اگر حنفی مذہب میں چلا جاوے تو اُس کو خلعت دینا چاہئے، یہ محض مخترع مبتدع قول ہے، اس کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ یہ تعصب سے پیدا ہوا ہے۔ ملا علی قاری سم القوارض میں کہتے ہیں کہ یہ جو حنفیوں میں مشہور ہے کہ حنفی جب شافعی مذہب ہو جائے تو اُس کو سزا دیجائے اور جب اُسکا اُلٹا ہو تو خلعت دیا جائے یہ ایک بناوٹ کی بات ہے۔ . . . . . اور امام ابو شامہ فرماتے ہیں کہ جو شخص فقہ کے ساتھ مشغول ہو اُس کو لائق ہے کہ نہ بس کرے ایک

امام کے مذہب پر اور اُس کو لائق ہے کہ مسائل میں سے انہیں مسائل کی صحت کا اعتقاد کرے جو قریب تر ہو کتاب و سنت و حکمت کے، دلالت سے اور یہ آسان ہے اُس پر جب کہ علوم متقدمہ کے معظمت کا یقین رکھتا ہے۔ اور چاہیے کہ پرہیز کرے تعصب سے الخ، (ص ۱۲۴-۱۲۳)

مجھے چند مطبوعہ رسالے مولوی عبدالغفار صاحب صادق پوری سے ملے۔ دو رسالے ایک ساتھ چھپے ہیں اور تین رسائل ایک ساتھ۔ اوّل الذکر ۲۸ صفحات پر مشتمل ہیں۔ سائز ۴ × ۸۔ کاغذ ہلکا زرد اور زردی مائل سفید، مخلوط۔ اختتام پر مندرجہ ذیل عبارت درج ہے:-

”الحمد للہ کہ تفسیر الحمد للہ کی ہندی زبان میں جو حضرت رئیس المومنین الام العارفین سید المسلمین قدوة السالکین پیر و مرشد حضرت سید احمد صاحب نے نفع پہنچائے اللہ ہو اور سب مسلمان بھائیوں کو انکی بقا سے اور زاید کرے فیض اور ارشاد اُنکا، آپ اپنی زبان فیض و ہدایت ترجمان سے فرما کے جامع علوم ظاہری و باطنی جناب مولانا عبدالحی صاحب دام فیضہ سے تحریر کروائی۔ اور حقیقت صلواتہ کی جو بیان نماز پنجگانہ ہے اور کئی فائدوں کے ساتھ جس نے ایک فاضل کامل نے حضرت پیر و مرشد کے مریدوں میں سے، حضرت کی زبان اقدس سے سُنے ہندی زبان میں لکھا ہے، بیقح سے جناب مولانا بدیع الزماں صاحب زاد اللہ برکاتہ، کے کلکتے کے مصری گنج میں دسویں محرم ۱۲۶۸ھ ہجری میں چھاپی گئی“ (ص ۲۸)۔

پہلے رسالہ حقیقت نماز ہے۔ نمونہ بیان حسب ذیل ہے :-

”الہی شکر تیرے احسان کا کہ تو نے ہمارے دل کو روشن اور زبان کو گویا کیا،  
اور ایسے نبی مقبول کو خلق اللہ کی ہدایت کے واسطے بھیجا، کہ جس کی ادنیٰ شفاعت  
دونو جہان کی نعمت پاویں، اور اس کی رہنمائی سے عرفان کی لذت اٹھادیں“ (ص ۱)  
صفحہ ۱۷ کے سرے تک حقیقت نماز بیان ہوئی ہے۔ بعد ازاں تفسیر الحمد  
شروع ہوتی ہے اور صفحہ ۲۸ تک جاتی ہے :-

”سورہ فاتحہ اس سورے میں اللہ نے دعا کی طرح بتلائی اور اللہ کے  
بتلائے برابر کسی کا بتلایا نہیں ہوتا۔ اس واسطے یہ سورت بڑی بزرگی رکھتی ہے۔  
اور دعائیں دستور یوں ہے، ہر کوئی جانے ہے، کہ باوجودیکہ سب آدمی محتاج  
بے مفرد ہیں، پر سوال کرنے میں جو آدمی سخی کریم باہمت اور بامفرد  
ہوتا ہے، اسی سے مانگتے ہیں۔ (ص ۱)۔ . . . .

دوسرے مجموعے میں پہلا رسالہ نماز یا معنی ہے۔ یہ صفحہ ۴ کے وسط تک ہے۔  
دوسرے مجموعہ کا ساؤز بھی وہی ہے جو پہلے مجموعہ کا ہے۔ رسالے مطبوعہ ہیں۔  
کاغذ زردی مائل سفید۔ طرز نثر سبب ذیل ہے :-

”..... مسنا چاہیے کہ نماز میں جو سورتیں اور دعائیں معمولی لوگ پڑھا  
کرتے ہیں، اگر انکے معنوں کو بھی یاد کر لیں تو اللہ کی رحمت دلپس نماز میں ٹپکے  
اور جہاں مضمون عتاب کا آوے تو دل خود بخود ڈر جاوے اور آنکھوں میں پانی  
بھر آوے اور جہاں انعام و اکرام اور عیش و آرام جنت کے سمجھیں تو بے اختیار

دلیں فرحت اور تازگی پیدا ہونے لگے اور بڑے کام کی طرٹ دل بجاوے، آپے  
آپ متقی بن جاویں .... " (ص ۱)

بعد از اس رسالہ جہاد یہ شروع ہوتا ہے۔ یہ منظوم ہے اور صفحہ ۴ کے وسط

سے صفحہ ۷ تک پھیلا ہوا ہے۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے :-

”بعد تحمید خدا نعت رسول اکرم یہ رسالہ ہے جہاد یہ کہ لکھتا ہے قلم

واسطے دین کے لڑنا نہ پیئے طمع بلاد اہل اسلام اسے شرع میں کہتے ہیں جہاد

ہند کو اس طرح اسلام سے بھر دے اے شاہ کہ نہ آوے کوئی آواز جبر اللہ اللہ

صفحہ ۸ جو آخری صفحہ ہے نکاح ثانی بیوگان کے متعلق نثر میں ہے۔ یہ

دوسرے مجموعہ کا تیسرا رسالہ ہے۔ طرز بیان حسب ذیل ہے :-

”ان دنوں میں ہندوؤں کی رسوں میں سے ایک رسم مسلمانوں میں بہت

بڑی پھیلی ہے کہ جہاں عورت کا شوہر مرا تو اس کا نکاح نہیں کر دیتے بلکہ اُس کے

کرنے کو عیب سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے دوسرے نکاح کو قرآن میں بہت تاکید

سے فرمایا اور اُسکی تعریف کی .... " (ص ۱)

اس رسالہ کے اختتام پر چند نصیحت آموز اشعار ہیں۔ رسالوں کے دوسرے

مجموعے کے مؤلف کے بارے میں کوئی علم حاصل نہ ہو سکا۔ اغلب یہی ہے کہ یہ

رسالہ اہل صا دقپور میں سے کسی کا لکھا ہوا ہے۔

در اصل جدید اُردو نثر کی تاریخ حلقہ سرسید احمد خاں سے نہیں شروع

ہوتی بلکہ دائرہ سید احمد بریلوی سے اس کا آغاز ہوتا ہے۔ اول الذکر نے رسالہ

تہذیب الاخلاق جاری کیا اور ثنائی الذکر نے تہذیب الایمان کے لئے منفرد رسالے شائع کئے۔ دونوں تحریکیں اصلاحی تھیں۔ حضرت سید احمد بریلویؒ کی تحریک میں صادق پوریوں کا بڑا ہاتھ تھا۔ محقر یہ کہ جدید اردو نثر کی ترویج کی محفل میں اویسیت کا سہرا دائرہ سید احمد کے سر پہ۔ اس حقیقت سے ابھی تک پوری واقفیت بھی نہیں اور عام طور پر اسے تسلیم نہیں کیا گیا۔



# بہار میں اردو ادب کے عام میلانا

میں اپنی اس پیشکش کو ختم کرتے ہوئے بہار میں اردو ادب کے عام میلانا کے متعلق کچھ عرض کرنی چاہتا ہوں۔

آپ نے غور فرمایا ہوگا کہ اس دیار کی شاعری میں صوفیانہ اور مذہبی رنگ غالب ہے۔ مرتبے تو جذباتِ عقیدت و غم سے بھرے ہوئے ہیں ہی، غزلوں اور مثنویوں میں بھی عارفانہ میلان نمایاں ہے گو عام عاشقانہ اور منظرِ شاعری کی نمائندگی بھی ہوتی رہی ہے۔

نثر نگاری پر بھی مذہبیت طاری ہے۔ ناصحانہ، واعظانہ اور مباحثانہ نثری رسالوں کے نمونے اکثر و بیشتر ملتے ہیں۔ ہاں داستانیں اور قصے بھی لکھے گئے ہیں۔ ایک نثری داستان کا نمونہ تو میں نے پیش کیا ہے اور بعض نمونے مجھے مل نہیں سکے۔

حق تو یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء تک بہار میں اردو ادب صوفیوں اور مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں ہی رہا ہے۔

زبان و بیان کے طرز اور اسلوبِ اظہار کے اعتبار سے بہار کے اردو ادب پر ہندوستانیّت کا رنگ چوکھا رہا ہے۔ اردو زبان و ادب کی روایات کے دواہم دھار

---

علی شہلا سید حمید الدین بہاری کی 'خوان الوان' جو فورٹ ولیم کالج میں بے سرپرستی ڈاکٹر گلکراؤسٹ لکھی گئی تھی + 'اردو ادب میں جان گلکراؤسٹ کا مقام' بہاری زبان، ۸ فروری ۱۹۵۷ء علی گڑھ ص ۱۱ +

ہیں، ”ہندوستانیت“ اور ”عرب عجمیت“۔

اُردو نظم و نثر کے طرز و اسلوب میں بھی یہ دو میلانات صاف نظر آتے ہیں۔ کبھی ’ہندوستانیت‘ کا غلبہ رہتا ہے اور کبھی ’عرب عجمیت‘ کو فوقیت حاصل ہو جاتی ہے۔ بہار میں اٹھارہویں صدی عیسوی تک خصوصاً طرز و اسلوب کے لحاظ سے ’ہندوستانیت‘ کو غلبہ حاصل رہا ہے اور بعد ازاں توازن کی صورت پیدا ہوئی۔ اس صوبہ میں ’عرب عجمیت‘ کو کبھی کامل فوقیت حاصل نہیں ہوئی۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ بہار کی شاعری میں موضوعِ سخن، فضا اور زبان کے اعتبار سے مقامی رنگ چمک اور بہاری آہنگ گونج اُٹھتا ہے۔

دورِ اولیٰ کے کئی بہاری شعراء کے کلام میں بحر و وزن کا استعمال ناہموار طور پر ہوا ہے۔

۱۸۵۷ء تک بہار کے تذکرہ نگاروں نے اُردو شعراء کے تذکرے فارسی میں لکھے۔ ان کے میاں تنقید و ترتیب پر بھی کلیم الدین احمد صاحب کی وہ تنقید صادق آتی ہے جو اُنہوں نے تذکروں کے متعلق اپنی کتاب ”اُردو تنقید پر ایک نظر“ میں لکھی ہے۔ یعنی یہ تذکرے برائے نام تنقیدی ہیں اور حالات کی پیشکش اور ترتیب کے لحاظ سے بھی ناقص ہیں۔

## معذرت

مجھے اپنی تنگ دامانی اور بے بضاعتی کا افسوس ہے۔ اس کتاب میں بہترے شعراء اور کئی اُدباء نہیں شامل کئے جاسکے۔ جو شریکِ انجمن ہوئے بھی ہیں۔ اُن کے

کلام و سخن کی پوری نمائندگی نہیں ہو سکی۔ بعض اہل فن کی تاریخ پیدائش یا تاریخ وفات یا دونوں باوجود کوشش کے معلوم نہ ہو سکیں۔ اس وجہ سے ترتیب کتاب میں نقص رہ گیا۔ اور بعض دوسری جہتوں سے بھی نقائص رہ گئے ہوں گے۔ یہ میری خطا یا کمزوری ہے۔ میں ان سب نقائص کے لئے اہل نظر حضرات سے معذرت خواہ ہوں۔

— پیچیدہ —

ہوں۔

## نوٹ

صفحہ ۲۵۔ ڈاکٹر اس۔ سی سرکار سابق صدر شعبہ تاریخ، پٹنہ کالج اپنے خطبات میں اس حقیقت کو بیان فرمایا کرتے تھے کہ ”آریہ حملہ آور تین بڑی بڑی لہروں میں ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہیں“

صفحہ ۹۳۔ اشفاق حسین اور شکیلہ اختر کے مقالے ”ہمارے دیہاتی گیت“ معاصر پٹنہ فروری و مارچ ۱۹۳۴ء (جلد ۷، نمبر ۲، ۳) میں شائع ہوئے تھے۔ از صفحہ ۷۷ تا ۷۹ + صفحہ ۱۰۱۔ پرافسر گورکھ ناتھ سنہا کے غیر مطبوعہ مقالہ تک میری رسائی ہوئی ہے۔ موصوف نے شعبہ تاریخ، پٹنہ یونیورسٹی کو بھی توجہ دلائی تھی کہ وہ اس امر کی تفصیلی تحقیق کرے کہ ”ہمارے اکثر راجپوت گھرانے ترکوں اور منلوں کی افواج کے ساتھ اس دیار میں آئے“

صفحہ ۳۸۱۔ ”مجلس چلم“ حیدر بخش حیدری۔ مصنف آرائش محفل کی تصنیف ہو سکتی ہے۔ صاحب اباب شراردو نے حیدر بخش حیدری کی کتاب ”گلِ مغفرت“ کا تذکرہ کیا ہے۔ انہوں نے اس کا ایک مطبوعہ نسخہ دیکھا تھا۔ لکھتے ہیں کہ نایاب ہے +

اختر آوینوری



# کتابیات

- ① لنگوٹک سروے آف انڈیا، گریسین۔
- ② انڈو ایرین اینڈ ہندی از ڈاکٹر سونیتی کمار چٹرجی ۶۱۹۴۰/۶۱۹۴۲
- ③ بنگالی زبان کا آغاز و ارتقا از ڈاکٹر سونیتی کمار چٹرجی ۱۹۲۶ء
- ④ نیشنلزم اینڈ کلچر از روڈولف روکر ۱۹۴۶ء
- ⑤ تفسیر کبیر از حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ۵۴-۱۹۴۴ء
- ⑥ ہندوستانی لسانیات از ڈاکٹر محی الدین زور۔
- ⑦ اُردو شہ پارے، از ڈاکٹر محی الدین زور۔
- ⑧ افادات سلیم از پرافسر وجید الدین سلیم۔
- ⑨ وضع اصطلاحات از پرافسر وجید الدین سلیم۔
- ⑩ ہندوستانی لسانیات کا خاکہ از بشیر، ترجمہ سید احتشام حسین۔
- ⑪ خطبات و مقالات گارسان دتاسی، ترجمہ انجن ترقی اُردو ہند۔
- ⑫ پنجاب میں اُردو از پرافسر محمود شیرانی۔
- ⑬ دکن میں اُردو از نصیر الدین ہاشمی۔
- ⑭ نقوش سیما فی از علامہ سید سلیمان ندوی
- ⑮ اُردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام از مولانا عبدالحق
- ⑯ سب رس، از ملا وجہی دکنی مع مقدمہ مولانا عبدالحق۔

- ①۷ قطب مشتری از ملا وحی دکنی مع مقدمہ مولانا عبدالحق۔
- ①۸ آب حیات از محمد حسین آزاد۔
- ①۹ داستان اردو از نواب نصیر حسین خیال۔
- ②۰ مقدمہ تاریخ زبان اردو از ڈاکٹر مسعود حسین خاں۔
- ②۱ اردو زبان کا ارتقا از ڈاکٹر شوکت سہروردی۔
- ②۲ عرب و ہند کے تعلقات از علامہ سید سلیمان ندوی۔
- ②۳ انٹروڈکشن ٹو پراکرت از ڈاکٹر اے سی۔ وولنر ۱۹۳۹ء
- ②۴ پالی از ڈاکٹر لاؤ۔
- ②۵ جلوہ خضر از صغیر بلگرامی۔
- ②۶ کاشف الحقائق معروف بہ بہارستان سخن از نواب امداد امام اثر ۱۸۹۷ء۔
- ②۷ بہار اور اردو شاعری از پرافسر معین الدین دردائی۔
- ②۸ تحقیقی مقالے از پرافسر معین الدین دردائی۔
- ②۹ تاریخ شعرائے بہار از سید عزیز الدین بلخی۔
- ③۰ دیوان جوشش عظیم آبادی، مرتبہ قاضی عبدالودود۔
- ③۱ کلیات راسخ عظیم آبادی۔ مطبوعہ
- ③۲ راسخ از حمید الدین عظیم آبادی۔
- ③۳ بہار نمبر ندیم، گیا۔ ۱۹۳۳ء و ۱۹۳۵ء و ۱۹۴۱ء۔
- ③۴ رسالہ معاصر، پٹنہ کی پوری فائل از ۱۹۴۰ء تا ۱۹۵۶ء

- (۳۵) ساتھی، پٹنہ کے خاص نمبر۔
- (۳۶) صدائے عام، پٹنہ کے خاص نمبر۔
- (۳۷) پٹنہ یونیورسٹی جرنل کے مختلف پرچے۔
- (۳۸) کرنٹ اسٹڈیز، پٹنہ کالج کے مختلف پرچے۔
- (۳۹) یادگارِ عشقِ عظیم آبادی مرتبہ شاقب عظیم آبادی۔
- (۴۰) رسالہ معیار، پٹنہ کی فائل۔
- (۴۱) اُردو و مغتیبہ پر ایک نظر از پرافسر کلیم الدین احمد۔
- (۴۲) تذکرہ گلزارِ ابراہیم از خلیل عظیم آبادی۔
- (۴۳) تذکرہ شورشِ عظیم آبادی۔
- (۴۴) تذکرہ عشقِ عظیم آبادی۔
- (۴۵) شاہ مجتبیٰ حسین صاحب بہار شریف کے کتب خانہ سے حاصل شدہ چہند قدیم مطبوعہ کتابیں اور قلمی نسخے۔
- (۴۶) چھوٹی اور بڑی خانقاہ پھلوار سی شریف سے حاصل شدہ قلمی مہوئے اور نسخے۔
- (۴۷) حکیم شعیب صاحب مرحوم پھلوار سی سے حاصل کئے ہوئے مخطوطات۔
- (۴۸) خانقاہ منگل تالاب، پٹنہ سیٹی کی چند قلمی مثنویاں۔
- (۴۹) مشرقی کتب خانہ خدابخش خاں پٹنہ کے قلمی نسخے، مثلاً کلباتِ راسخ عظیم آبادی (خودنوشتہ) اور مکتوبات حضرت مظفر شمس بلخی۔

- ۵۰) ثنوی گوہر جوہری کافی نسخہ، پٹنہ یونیورسٹی لائبریری۔
- ۵۱) پٹنہ یونیورسٹی لائبریری کے متعدد مخطوطات۔
- ۵۲) پرافسر سید ذکی الحق بی۔ ان کالج سے حاصل کی ہوئی قلمی کتابیں۔
- ۵۳) مولوی عبدالغفار صاحب صادقپوری سے حاصل شدہ قلمی اور مطبوعہ رسالے۔
- ۵۴) الدر المنثور از مولوی عبدالرحیم صاحب صادق پوری
- ۵۵) حیات سید احمد بریلوی، از جعفر تھانیسری۔
- ۵۶) سیرت اسمعیل شہید۔ مطبوعہ لاہور۔
- ۵۷) تقویت الایمان از حضرت اسمعیل شہید۔
- ۵۸) اردو گزٹ، الہ آباد، برائے مالک مشرقی کی ایک فائل۔
- ۵۹) پٹنہ کسٹرنی کے ریکارڈ۔ اور تاریخ گدھ (مطبوعہ) از سید فصیح الدین بلخی۔
- ۶۰) شاہ فخر عالم، سجادہ نشین خانقاہ خلیفہ باغ، بھاگلپور کے کتب خانہ کی قدیم مطبوعہ کتابیں اور قلمی نسخے۔

مذکورہ بالا کتابوں، رسالوں اور قلمی نسخوں کے علاوہ اور بہت سی کتب و رسائل و مخطوطات سے مدد لی گئی ہے۔ پرافسر جے دیومصرا پٹنہ کالج کی مدد سے میتھیلی رسم الخط میں لکھے ہوئے مخطوطوں کا بھی مطالعہ کیا گیا۔ اسی طرح ودیا تپتی کی کیرتی تا اور کیرتی پتا کا، اور ایک مگھی رسالہ کے چند نمبروں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ میں ہر چشمہ فیض کا ممنون کرم ہوں +

اختر اور نیوی

## اشکاریہ

۱

آپ حیات - ص ۵۶

ابو الفضل - ص ۵۳

آتش - ص ۱۸۹

اقتشام حسین - ص ۳۰، ۳۸، ۴۰، ۵۵، ۵۴

آحمدی - ص ۲+

آحمد بہاری - ص ۱۰۲+

آحمد، سید - ص ۱۰۳، ۱۰۶+

آحمد جان - ص ۱۰۶

آخرت نامہ - ص ۱۲۶

آدم - ص ۵، ۶

اربعین فی المحاسین ص ۳۹۵، ۳۹۸، ۳۹۹

آریہ ورت ص ۱۵، ۲۵، ۳۴

آزاد، درویش - ص ۱۰

آزاد بلگرامی - ص ۱۱۳، ۱۹۴+

آزاد، محمد حسین - ص ۲۳، ۶۶، ۶۶+

امراہیلیات ص ۱۲+

اسماعیل - ص ۱۰۵

اسماعیل، شہید - ص ۳۸۶، ۳۸۹

اسپرنگر - ص ۳۲۲، ۳۲۴، ۳۲۸+

استحق، سید محمد، پیردڑیا - ص ۳۶۲، ۳۶۸+

اسوگوش - ص ۳۳، ۳۴

اشوک - ص ۱۸، ۱۹، ۳۲، ۳۴، ۳۵، ۳۹

+ ۹۰، ۹۱، ۹۶

افضل، جنجنا نوی - ص ۲۵۸، ۲۶۰+

افسوس، میر شیر علی - ص ۳۴۱

اقبال - ص ۲۰+

اکبر الہ آبادی - ص ۱۸۸-

البیرونی - ص ۴

ألفت، اُجاگر چندر - ص ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶+

ألفتنی، پیارے لال - ص ۲۲۶

ألم دہلوی - ص ۳۴۵-

+ ۳۲۲، ۲۲۴

بلخی، فیض الدین - م ۱۵۰، ۱۴۹، ۲۵۲ +

بلخی، محمد تقی فردوسی - م ۳۵۰، ۳۶۰ +

بندہ نواز - م ۵۰، ۵۱ +

بودہ - م ۳۳، ۳۵، ۳۷ +

بوستان خیال - م ۳۰ +

بھنڈار کر - م ۱۹ +

بھوبھوتی - م ۳۳ +

بیمز، جون - م ۲، ۵۴، ۵۵، ۵۶ +

## پ

پانجلی - م ۳۲، ۳۳ +

پانیی - م ۳۲، ۳۳ +

پالی - م ۱۹، ۳۰، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶ +

+ ۵۶، ۵۱، ۴۷، ۳۹

پالی گرامشک - م ۹۰ +

پراکرت - م ۱۸، ۳۰، ۳۳، ۳۴، ۳۵ +

+ ۳۶، ۳۷، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶ +

+ ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳ +

+ ۳۸۶، ۲۶۱

پروٹو اردو - م ۸۲، ۹۲ +

پریشاں، حکیم عبدالحمید - م ۱۱۲، ۳۸۸ +

البت جے بی - م ۵۳، ۱۰۴، ۳۲۷ +

آجھری، سید محمد - م ۱۵۵ +

آمن، میر - م ۳۲۱ +

آمین، امین الدین - م ۲۵۳، ۲۹۰ +

امیر خسرو - م ۵۳، ۱۲۷ +

انشاء، انشاء اللہ خاں - م ۱۸۹ +

انیس - م ۱۸۹، ۱۹۰ +

آمنشائیں - م ۵۵ +

آیو نووسکی - م ۱۲۷ +

## ب

باجن، شیخ - م ۵۳ +

بابیل - م ۴ +

بُت شکن - م ۳۹۵، ۴۰۶، ۴۰۷ +

بدر عالم - م ۱۰۶ +

برو یا سرد - م ۱۰۶ +

برہان، شیخ - م ۱۰۴، ۱۰۹ +

بلاک، جوس - م ۴، ۵۴، ۶۳، ۶۴ +

بلیٹین اسکول آف آرٹس اسٹڈیز - م ۶۳، ۶۴ +

بلخی، حسن - م ۱۰۶ +

بلخی، مظفر شمس - م ۱۰۶، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳ +

+ ۳۵۸

بلخی، عزیز الدین - م ۱۹۶، ۲۰۵، ۲۱۴ +

تیسیر الصلوٰۃ - م ۳۹۵، ۴۰۲ +

## ث

ثابت، اصالت خان - م ۲۶۸ +

ثاقب عظیم آبادی، سید حسن رضا - م ۳۳۲،

۳۳۳ +

ثروت، مفتی غلام محمدم - م ۲۶۶،

۲۶۳، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰ +

## ج

جانبیری، سید احمد - م ۱۰۶ +

جانجنان، نظیر دہلوی - م ۱۱۴، ۳۲۹ +

جناب عشق، مثنوی - م ۳۰۴، ۳۰۹ +

جنابات معینہ - م ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶ +

۳۶۶ +

جنون رائے ناگر - م ۲۸۶ +

جعفر عظیم آبادی - م ۱۸۶، ۱۸۷ +

جگجوت، پیر شہاب الدین - م ۱۰۵، ۱۰۶ +

۱۰۶ +

جلال الدین، حافظ ثنائی - م ۱۴۵ +

جلوہ خضر - م ۱۹۲، ۱۹۴، ۱۹۸، ۱۹۹ +

۲۰۰، ۲۰۱ +

جمال الدین، سید - م ۱۰۶ +

جمال الابرار - م ۲۰۸ +

## ت

تاج فقیہ - م ۱۰۵، ۳۹۳ +

تاریخ فرشتہ - م ۱۱۳ +

تانی پاسبند - م ۱۰۰ +

تبیان الشریک - م ۳۹۵، ۴۰۳ +

تپان، نورالحق - م ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۳۶ +

۲۵۹ +

تشم - م ۴، ۴۲، ۴۳، ۲۱۳ +

تجلیات الانوار - م ۲۰۲ +

تحقیق عظیم آبادی - م ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶ +

تذہبھاو - م ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۱۳۸ +

تذکرۃ الکرام - م ۳۳۲ +

تذکرہ سفینہ خوشگو - م ۱۱۲ +

تذکرہ صادق - م ۳۹۱ +

تذکرہ عبرتی - م ۱۱۳، ۳۳۴ +

تذکرہ میر حسن - م ۳۳۱، ۳۳۲ +

ترقی، شاہ امان علی - م ۳۰۹، ۳۱۰ +

تفسیر کبیر - م ۶ +

تقویۃ الایمان - م ۳۹۵ +

تمنا، عمادی چلواری - م ۲۱۴، ۳۳۸، ۳۵۲ +

تواریخ عجیبہ - م ۳۸۹ +

تذیب الاخلاق - م ۴۱۴ +

حزین، میر باقر - م ۱۹۳، ۲۴۹، ۳۲۲،  
+ ۳۲۹

حسرت موبانی - م ۲۵۲، ۳۰۴،

حسرت، بیت قلی خاں - م ۲۴۹، ۲۸۰،

حسن، سید محروم - م ۱۰۶،

حسن، میر - م ۱۹۰،

حسن و عشق، مثنوی - م ۳۰۸، ۳۰۴،

حسین، احمد، حکیم - م ۳۰۵،

حضور، شیخ غلام یحیی - م ۲۴۵، ۲۴۶،

+ ۲۴۸، ۲۴۶

حمید الدین بهاری - م ۳۱۵،

حمید عظیم آبادی - م ۱۸۱ + ۱۸۴،

۱۹۸، ۲۰۱، ۲۰۵، ۲۰۶،

+ ۳۰۱، ۳۰۳

حیات فریاد - م ۱۸۶،

حیدری - م ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳،

خ

خاتم سلیمانی - م ۳۰۳،

خانخاناں، عبد الرحیم - م ۵۲،

خزانہ، عامرہ - م ۱۹۴،

خلاصۃ الکلام - م ۳۲۵،

خلاصۃ التواریخ - م ۳۴۶،

جوشش عظیم آبادی - م ۲۵۹، ۲۶۰،

۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴،

+ ۲۸۵، ۲۸۶، ۳۲۵،

جوہری، آیت اللہ بھلواروی - م ۲۱۳، ۲۲۲،

۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸،

۲۴۰، ۲۴۶، ۲۴۸، ۲۵۲،

۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۲، ۲۶۴،

+ ۲۶۳، ۳۰۹، ۳۵۳،

جمنز جنینر - م ۵،

چ

چرطی، سونیتی کمار - م ۱۷، ۱۹، ۲۴، ۲۵،

۲۶، ۲۹، ۳۰، ۳۸، ۴۱، ۴۷،

۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۸، ۶۳، ۷۷،

۷۹، ۹۱، ۹۲، ۹۴، ۹۷،

+ ۹۸، ۱۲۲،

چرم پوش، محروم سید احمد - م ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۱۵،

چشمہ، علم - م ۱۰۴،

چنتان شعراء - م ۱۹۷، ۱۹۹،

ح

حالی، الطاف حسین - م ۱۸۸،

حجتہ اللہ البالغہ - م ۳۸۷،

حزین، شیخ علی - م ۱۱۳، ۲۳۳، ۲۸۶،



ط

ڈوسن - م ۳۵ +

ذ

ذکی الحق - م ۲۹ +

ذوق، شیخ ابراہیم - م ۱۸۹ +

ر

راستی، منہاج - م ۱۰۶ +

راسخ عظیم آبادی - م ۱۸۷، ۲۵۲، ۳۰۰ +

۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴ +

۳۰۵، ۳۳۴ +

رام موہن رائے، راجہ - م ۳۷۵ +

رخشاں ایدالی - م ۳۵۳، ۳۵۶، ۳۶۰ +

۳۶۱، ۳۷۰، ۳۷۲ +

رؤتشیک - م ۳۹۴، ۳۹۵ +

رسالہ دعوت - م ۳۹۵، ۳۹۸ +

رضا، میر محمد - م ۲۸۷، ۲۸۸ +

رگوید - م ۲۵، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۳ +

روز روشن، تذکرہ - م ۳۲۸ +

ریاض الافکار - م ۱۱۳ +

ریاض السلاطین - م ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۲ +

ریس اینڈ کلچر - م ۱۳ +

ریٹاں، فرانسیسی - م ۲۰ +

خلیل، نواب علی ابراہیم خاں عظیم آبادی - م ۲۹۱ +

۳۲۴، ۳۲۵، ۳۳۰، ۳۳۳ +

نخنا، جاوید - م ۲۹۰ +

خنکسوار، سید حسن - م ۱۰۳ +

خوشگو، بن رابن - م ۱۹۷، ۲۲۴ +

خیال، میر محمد تقی - م ۳۷۰ +

خیال، نواب نصیر حسین - م ۱۸۲، ۲۶۶ +

د

درد، میر - م ۱۸۶ +

دردانی، معین الدین، پرائمر - م ۱۴۷، ۱۵۱ +

۱۵۲، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۹۹ +

۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴ +

۲۰۷، ۲۱۰، ۲۲۳، ۲۸۰ +

۳۰۱، ۳۳۳ +

دردمند، فقیہہ - م ۱۹۳، ۳۴۵ +

دل، شیخ محمد عابد - م ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۴ +

دلدار، نور محمد - م ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰ +

دو ویڈی، ہابیر پرشاد - م ۹۳ +

دھڑ پوٹش، شیخ حسین - م ۱۰۶ +

دہ مجلس - م ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۲ +

دھیرج زرائے - م ۲۹۰ +

دیس نام مالا - م ۳۳ +

ز

زبدۃ الخيال - م - ۳۷۰ +

زفاؤ، ڈاکٹر - م - ۸۲ +

زور، محی الدین قادری، ڈاکٹر - م - ۷، ۲، ۷۰، ۷۱

۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۰، ۱۵

س

ساما وید - م - ۲۷ +

سب اس - م - ۴۷، ۴۶، ۳۸۵ +

سہزادری، شوکت - م - ۵۴، ۵۵، ۵۶

۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۸، ۷۹ +

سبیل نجات، مثنوی - م - ۳۰ +

سجاد، غلام نقشبند - م - ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۱۰ +

۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶ +

۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰ +

۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴ +

۳۵۳ +

سراج الدولہ - م - ۲۲۸، ۲۲۹، ۳۹۳ +

سرکار، اس سی، ڈاکٹر - م - ۲۵، ۸۲ +

سرگزشت الفاظ - م - ۳ +

شرو آزاد - م - ۱۹۶، ۱۹۷ +

سفید باز، یتیم اللہ - م - ۱۰۷، ۱۰۸ +

سفینہ خوشگو - م - ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۵۹ +

سکینہ - م - ۵۱ +

سلم و سلم - م - ۱۱۳ +

سلیم عظیم آبادی - م - ۲۵۲ +

سلیم، وحید الدین، پرافسر - م - ۱۴، ۱۳ +

سلطان ٹیپو - م - ۳۹ +

سیلمان ندوی - م - ۱۸، ۵۵، ۵۶، ۵۹، ۷۰ +

۷۱، ۷۲، ۷۹، ۸۲، ۱۰۰ +

۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۵۰، ۱۵۱ +

۱۹۱، ۱۹۷، ۳۳۴ +

سنائی، اشرف جہانگیر - م - ۱۴۴ +

سنگرتیان، راول - م - ۱۷ +

سودا - م - ۲۶، ۲۹، ۳۳۱ +

سور داس - م - ۵۲ +

سوریہ سدھانت - م - ۱۳۲، ۱۳۴ +

سوز، میر - م - ۱۸۹ +

سبیل عظیم آبادی - م - ۱۳۹ +

سیانا چاریہ - م - ۲۷ +

سیر المتاخرین - م - ۱۸۱، ۲۰۶، ۲۲۷، ۲۲۸ +

۲۲۹، ۳۳۹ +

سیر المنہ - م - ۳۶۲ +

سیرتی - م - ۱۱۱ +

سید احمد بریلوی - م - ۳۸۴، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۴ +

۳۱۳، ۳۱۴ +

شمس الدین، شیخ - م ۱۰۶ +

شورش عظیم آبادی - م ۲۳۸، ۲۵۹، ۳۲۲ +

۳۲۳، ۳۲۹ +

شوق نبوی - م ۱۷۸ +

شهباز - م ۱۷۸ +

شیرانی، محمود، پرافسر - م ۵۴، ۵۵، ۵۴ +

۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۲ +

۶۶، ۶۹، ۷۱، ۷۲، ۷۳ +

۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸ +

شیفته دہلوی - م ۲۸۵، ۳۳۳ +

## ص

صادق، مرزا محمد اصفہانی - م ۱۱۱ +

صُبح صادق - م ۱۱۱ +

صُبح گلشن - م ۱۱۲ +

صحف ابراہیم - م ۳۲۵ +

صراط مستقیم - م ۴۰۴ +

صفیر بگرامی - م ۱۹۲، ۱۹۴، ۱۹۹ +

صلاح الدین، خان بخش - م ۳۴۱ +

## ض

ضمیر الدین، خان بہادر - م ۳۰۰، ۳۰۱ +

ضیا، میرضیا، الدین دہلوی - م ۲۸۷، ۳۳۱ +

۳۳۱ +

سید احمد رضا، سر - م ۴۱۳ +

سیوطی، ابن - م ۷۲ +

## ش

شاد عظیم آبادی - م ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۴ +

۳۳۴ +

شانتی دیو شاستری - م ۲۷ +

شاجہاں - م ۵۳، ۵۲ +

شتاب رائے، راجہ - م ۱۱۲، ۱۳۲، ۱۹۲ +

۳۳۱، ۳۳۲، ۳۹۰، ۳۴۰ +

۳۴۱ +

شجرہ باشرہ - م ۳۹۵، ۴۰۲ +

شرف الدین، شیخ منیری - م ۸۸، ۱۰۴، ۱۰۵ +

۱۰۶، ۱۰۷، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵ +

شرف نامہ - م ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۹ +

۱۵۱ +

شطاری، قاضی - م ۱۰۳، ۱۰۹ +

شعر الحذر - م ۳۲۲، ۳۲۸ +

شعیب، شیخ مخدوم - م ۱۶ +

شعیب، محمد قادری حکیم - م ۲۰۲، ۲۲۲ +

۳۳۸، ۳۷۳، ۳۸۸، ۳۹۳، ۴۱۰ +

شکلا، رام چندر - م ۹۹ +

شکنتلا - م ۳۳ +

ط

طبقات الشعراء - م ۳۳۳ +

طبقات نامری - م ۱۶۹ +

طیآن، شاه نورالحق - م ۲۹۳، ۳۰۳، ۳۰۳، ۳۰۳، ۳۰۳

۳۰۳، ۳۰۳، ۳۰۳، ۳۰۳، ۳۰۳، ۳۰۳

ظ

ظهور، شاه ظہورالحق - م ۲۹۳، ۳۰۳، ۳۰۳، ۳۰۳

۳۰۳، ۳۰۳، ۳۰۳، ۳۰۳، ۳۰۳، ۳۰۳

+ ۳۵۴، ۳۵۳

ع

عارف، کلیم - م ۱۱۱ +

عاشق، کلید سنگ، مبارک - م ۳۳۸ +

+ ۳۴۲، ۳۴۱

عاشق عظیم آبادی، حسین قلی خان، آغا - م ۳۲۴

عالم علی عظیم آبادی - م ۳۶۰ +

عالمگیر، اورنگ زیب - م ۱۱۶، ۱۲۰، ۱۲۴ +

عالی گوهر، شہزادہ - م ۲۰۳ +

جدالحق - م ۶۴، ۶۸، ۱۱۰ +

جدالحق - م ۳۰۰ +

جدالرزاق بہاری - م ۱۱۳ +

جدالعزیز - م ۱۰۵ +

جدالغفار صادق پوری - م ۱۱۱ +

جدالغادر سروری - م ۳۱۲ +

جدالمقتدر، محدث - م ۱۱۳ +

جدالودود، قاضی - م ۱۴۵، ۱۸۶، ۱۸۶ +

۱۸۸، ۱۹۱، ۲۳۶، ۲۳۹ +

۲۵۸، ۲۶۸، ۲۶۸، ۲۶۹ +

۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳ +

۲۸۸، ۳۰۳، ۳۰۳، ۳۰۳ +

۳۲۵، ۳۲۸، ۳۵۱، ۳۵۲ +

عمرتی عظیم آبادی، وزیر علی - م ۳۲۶، ۳۲۸ +

+ ۳۴۲

عسکری، سید حسن، پرافسر - م ۸۶، ۱۰۳ +

۱۰۵، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۸ +

۱۲۹، ۱۳۰، ۱۴۵، ۱۴۶ +

۱۴۹، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۶ +

۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۲، ۲۲۶ +

۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۸ +

۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۸، ۲۸۲ +

۲۸۳، ۳۱۲، ۳۳۸ +

عشق دہلوی، ثم عظیم آبادی، شاہ رکن الدین -

- م ۳۰۲، ۳۳۲، ۳۳۳ +

+ ۳۳۴

عشق نامہ - م ۳۱۹، ۳۲۰ +

فرخ سیر - م ۱۸۱ +

فرد، شاه ابوالحسن - م ۱۱۲، ۳۰۵، ۳۱۶،

+ ۳۱۷

فردوسی، شیخ نجیب الدین - م ۱۴۴ +

فرباد، شاه الفت حسین - م ۱۱۲ +

فضائل رمضان - م ۳۵۳ +

فطرت، موسوی خاں - م ۲۰۵ +

فغان، اشرف علی خاں - م ۳۳۰، ۳۳۱ +

فقه ہندی - م ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳،

+ ۱۲۵

وکار عظیم آبادی، قادر علی - م ۳۱۹، ۳۲۰،

+ ۳۲۱

فیاض علی، مولانا - م ۴۰۸، ۴۰۹ +

فیض عام (رسالہ) - م ۳۵۳ +

فیض الیغوس - م ۴۰۸، ۴۰۹ +

ق

قاسم، میر - م ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳ +

قتال، برکت اللہ - م ۱۰۶، ۱۱۰ +

قزوینی، محمد حسین - م ۱۱۱، ۱۱۲ +

قسی، میر بجلی - م ۱۱۱ -

قطب مشتری - م ۳۸۵ +

قلندر حضرت عماد الدین - م ۳۴۸، ۳۵۰، ۳۵۲ +

عشق عظیم آبادی، وجیہ الدین - م ۳۳۹، ۳۵۱،

+ ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹ +

عطاء الرحمن، لاکوی، پراسر - م ۲۸۰ +

عظیم الشان، شہزادہ - م ۱۰۷، ۱۸۱ +

علی، شجاع الدین ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵،

علی محمد عالم - م ۳۷۷ +

عماد، سید عماد الدین بھلواروی - م ۲۰۲،

۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۸،

+ ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۳۷، ۳۵۳ +

عمل بالحبیب رسالہ - م ۳۹۵، ۳۹۷ +

عنایت علی صادق پوری - م ۳۸۸، ۳۸۹،

+ ۳۹۰، ۴۰۵، ۴۰۶ +

عین الدین، گنج العلم - م ۵۱ +

غ

غالب، اسد اللہ خاں - م ۱۸۹ +

غفا، قاضی عبدالغفار - م ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹،

+ ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۳ +

ف

فتو، شیخ - م ۱۰۴، ۱۰۶ +

فدوی، مرزا محمد علی - م ۳۳۶، ۳۳۷ +

فرحت، فیض اللہ معروف بشاہ غلام محمدم

عظیم آبادی - م ۳۰۵ +

گریسن - ۱۹، ۵۱، ۵۴، ۵۵، ۵۶،

۶۳، ۷۹، ۹۲، ۱۴۶، ۲۱۱ +

گل رعنا - ۳۰۰ +

گلزار ابراہیم - ۲۵۲، ۲۷۵، ۳۰۰، ۳۲۲ +

۳۲۵، ۳۳۱، ۳۳۷ +

گلشن بے خار - ۲۸۵، ۳۰۱، ۳۲۲ +

۳۳۳، ۳۳۷ +

گلشن ہند - ۲۵۲، ۲۸۰، ۲۸۵، ۳۳۲ +

۳۳۷ +

گلراست، جان - ۴۱۵ +

گنج رشیدی - ۱۴۶ +

گنجینہ حسنی، تنوی - ۳۰۴ +

گوسائین، سید فضل اللہ - ۱۰۶ +

گوہر جوہری، تنوی - ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۵۱ +

۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۷ +

گوشن، منموہن - ۶۸ +

گیگر، ڈبلیو - ۹۰ +

گیلانی، مولانا محمد احسن - ۳۸۳ +

گیلانی، مناظر احسن - ۳۸۳، ۳۸۴ +

ل

لاؤ - ۷۷ +

لسانیات - ۱۰، ۱۱، ۱۳ +

قلندر، شاہ وجہ اللہ - ۳۵۳ +

قٹی قطب شاہ - ۶۹ +

قیس، معین الدین احمد - ۳۰۵ +

ک

کاڈول - ۲۹ +

کالی داس - ۳۳، ۳۴ +

کالی کلکروت - ۱۶۶، ۱۶۷ +

کبیر داس - ۵۲، ۹۶، ۱۰۳، ۲۱۰ +

کرتی - پٹاکا - ۹۳ +

کرتی لتا - ۹۳، ۹۴ +

کسب النبی، رسالہ - ۳۵۳ +

کشیش عشق - ۳۰۴ +

کلیم الدین، احمد - ۴۱۷ +

کمال، شاہ کمال علی - ۲۸۱ +

کمالو بی بی - ۱۰۶ +

کیش - ۲۹ +

کیفی، پیریا کوٹی - ۲۸ +

کینے، اے - اچ - ۲۲ +

گ

گارساں دتاسی - ۵۴، ۱۳۴، ۱۷۴ +

۱۷۵، ۲۳۵، ۳۰۱، ۳۲۷ +

۳۲۸، ۳۳۴ +

معراج الخيال - م ۱۱۲، ۳۳۸، ۳۴۲ +

معراج العاشقين - م ۵۰، ۵۱ +

مقدمہ تاریخ زبان اردو - م ۴۲، ۴۳ +

مکتوب شوق، مثنوی - م ۳۰ +

ملکہ جے - اچ - م ۱۱ +

ملک بیا، محمد ابراہیم - م ۱۰۶، ۱۰۸ +

مناقب محمدی - م ۱۵ +

منتخب التواریخ، بدایونی - م ۱۱۳ +

منعمی گیسوی، شاہ عطاء حسین - م ۳۴۱ +

موزوں، رام نرائن لال، راجہ - م ۸۷، ۲۲۷ +

۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱ +

۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵ +

۲۳۹، ۲۳۹ +

مومن - م ۱۸۹ +

مہا بھارت - م ۸۴ +

میرا - م ۲۱۰، ۲۶۷ +

میر تقی میر - م ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۹، ۳۰۲ +

۳۰۴ +

میر حسن - م ۳۱۹ +

میکس مولر - م ۲۶ +

ن

ناز و نیاز، مثنوی - م ۳۰ +

نگار وریا، احمد - م ۱۰۶ +

نگوٹ ٹک سروے آن انڈیا - م ۵۶، ۶۳ +

۱۴۷ +

لوہی پا - م ۱۰۰ +

م

مارشل، جون، سر - م ۱۷ +

مجدار، بی - بی، ڈاکٹر - م ۸۳ +

محب اللہ بہاری - م ۱۱۳ +

مخزوں، غلام جیلانی - م ۲۶۰، ۲۷۲ +

۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵ +

محمد جعفر تھانیسری - م ۳۸۹-۳۹۱ +

محمد، سید - م ۱۰۳، ۱۰۶ +

محمود احمد، بشیر الدین، مرزا - م ۶ +

مرآۃ الجمال، مثنوی - م ۳۰ +

مسترت افزا - م ۲۸۲، ۲۸۴ +

مسعود حیدر، ڈاکٹر - م ۳۵، ۵۲، ۵۳ +

۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸ +

۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵ +

صحفی - م ۱۸۹ +

مہرا، جے دیو - م ۱۳۲، ۱۳۳ +

مہرا، کودا سند - م ۱۳۲ +

مغامر - م ۹۳-۱۵۶، ۱۵۸، ۲۱۴، ۲۲۴، ۲۷۰ +

۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵ +

معدن المعانی - م ۱۴۵ +

ناسخ - م ۱۸۹ +

نالان، میر وارث علی - م ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲ +

نام دیو - م ۲۱۰ +

نانک، بابا - م ۲۱۰، ۳۹۳ +

نجیب اشرف نردی - م ۱۱۱، ۲۰۰ +

نذیم ابن - م ۹۲

نذیم رسالہ - م ۱۴۵، ۱۶۸، ۱۸۱، ۱۸۵، ۲۲۳ +

۳۰۵، ۳۵۳، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۸۳ +

نساخ، عبدالغفور خاں - م ۱۹۹ +

نشر عشق - م ۲۲۷ +

نصیر دہلوی - م ۱۸۹ +

نظام الدین اولیا - م ۱۴۴ +

نظیر اکبر آبادی - م ۱۸۸ +

نعمت علی عظیم آبادی - م ۳۷۴ +

نقوش، رسالہ - م ۵۶، ۵۸، ۶۰ +

نقوش سلیمانی - م ۵۳، ۵۵، ۵۹، ۶۰، ۷۰ +

۷۱، ۱۱۲، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۵۰ +

نوائے وقت بھبی - م ۶۸ +

نورال نظر، شتوی - م ۳۰۴ +

نوشہ توحید - م ۱۰۸ -

نیافوی، بہاء الدین احمد فیض - م ۲۲۳ +

نیرنگ محبت، شتوی - م ۳۰۴ +

و

وجہی، ملا - م ۶۶، ۶۷، ۶۹، ۳۸۵ +

وڈیا پتی - م ۹۳، ۱۰۳ +

وضع اصطلاحات - م ۴۴ +

وکریم اُروی - م ۳۳ +

ولایت علی - م ۳۸۵، ۳۸۸، ۳۸۹ +

۳۹۰، ۳۹۳، ۳۹۵، ۳۹۷ +

۳۹۸، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۸ +

۴۰۹ +

ولی اللہ شاہ - م ۳۸۷ +

ولی دکنی - م ۱۸۲ +

ولیب، حضرت بی بی - م ۲۲۲، ۲۲۳ +

دولنر - م ۹۸، ۴۷ +

وید - م ۴، ۲۲، ۲۵، ۲۶، ۲۷ +

۵

ہٹلر - م ۱۲ +

ہٹلر، فریڈرکس - م ۱۳ +

ہردے نارائن، پنڈت - م ۳۷ +

ہرش وردھن - م ۳۷ +

ہری اودھ - م ۹۹ +

ہندوستانی لسانیات - م ۲، ۷، ۱۵، ۵۵ +

۶۱، ۶۳ +

ہندوستانی لسانیات کا خاکہ - م ۲،

۳، ۷



یحییٰ منیری، حضرت - م ۸۸، ۱۰۵

۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۴ +

یدالله - م ۱۵۳ +

یدربضیا - م ۱۹۶ +

یزدی، محمد معزالدین

م ۱۱۱ +

یوسف زلیخا - م ۳۱۹ +

.. .. .

.. .. .

ہندی ساہتیہ کا اتہاس - م ۹۳ +

ہیم چندر - م ۳۳، ۳۴، ۳۵،

۴۴، ۴۵ +

ہیون سیانگ - م ۸۵، ۹۲ +

ی

یادگار عشق - م ۳۳۲، ۳۳۴ +

یاس، انور علی آروسی -

م ۳۰۱، ۳۰۵ +

یجر وید - م ۲۶ +





